علم الانسان ما لم یعلم

۱۳۳۹

جامعہ ملیہ اسلامیہ

کتبخانہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ

دہلی

شعبہ ۸۱۱٫۰۸

شمارہ گ ۸۱ ب

عدد داخلہ ۳۴۷۱۸

A. H. Faruqi

گلستانِ ہزار رنگ

(انتخاب اشعار بقید عنوان)

مقدمہ

از

حضرت مولانا ابو الکلام آزادؔ مدظلہ

مؤلّف:-

سیّد بہاء الدّین احمد

اسسٹنٹ سِشن جج آرہ (بہار)

ناشرین:-
گیان منزل پبلکیشنز۔ دریاپور۔ پٹنہ ۴

باراوّل دو ہزار
۱۹۵۷ء

مطبوعہ لیبل لیتھو پریس۔ رمنہ روڈ۔ پٹنہ ۴

قیمت مجلد دس روپئے
غیر مجلد نو روپئے

کاتب وتزئین کار
عبدالخالق سوز داناپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

از

حضرت مولانا ابُو الکلام آزاد مدظلہ،

فارسی اور اُردو شاعری کا بڑا ذخیرہ غزل ہے۔ غزل کے قسم کی شاعری اگرچہ عربی میں موجود تھی، لیکن غزل بطور ایک مستقل صنف کے فارسی میں ابھری، اور اس درجہ مقبول ہوئی کہ دورِ متوسط اور متاخر کی شاعری زیادہ تر غزل کی شاعری ہوگئی۔ غزلوں کا پہلا دیوان مولانا روم کا مدوّن ہوا اور دوسرا شیخ سعدیؒ اور خسرو کا۔

اُردو شاعری جب اپنے ابتدائی دَور سے آگے بڑھی تو اس نے بھی فارسی شاعری کے نقشِ قدم پر قدم اٹھایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُردو شاعری کا بڑا ذخیرہ بھی غزل گوئی کی صورت ہی میں نمایاں ہوا۔

غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر اپنی ایک مستقل اور منفرد ہستی رکھتا ہے۔ اگر کسی شعر کا مضمون دو مصرعوں میں مکمل نہیں ہوا اور مزید شعروں میں پھیلنے لگا، تو پھر وہ غزل نہیں رہے گا۔ قطعہ ہو جائے گا۔ غزل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ہر شعر اپنے موضوعِ فکر کا ایک منفرد وجود ہو، اور سابق و لاحق سے اتحادِ وزن و قافیہ کے سوا اور کوئی ربط نہ رکھتا ہو۔ اس صورتِ حال نے غزل کی دنیا کو نظر و فکر کے تنوع اور

توسع کا ایک غیر محدود میدان بہم پہنچا دیا ہے۔ ہر غزل طرح طرح کے پھولوں کا ایک مِلا جُلا گلدستہ ہوتی ہے۔ جس کا ہر پھول اپنے رنگ و بُو میں دوسرے پھولوں سے الگ ہوتا ہے۔ اگر ایک غزل سات شعروں کی ہے، تو اگرچہ غزل ایک ہوئی، لیکن فکر و تخیل اور تاثرات و واردات کے سات الگ الگ موضوع ہوئے۔ جن پر شاعر نے طبع آزمائی کی ہے۔ گویا غزل کی ہر اکائی (یونٹ) دراصل بہت سی اکائیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا ہر شعر موضوعِ فکر کی ایک مستقل اکائی ہوتا ہے۔ اگر غزلوں کے ایک دیوان میں ایک ہزار شعر ہیں، تو سمجھنا چاہیئے کہ فکر و نظر کی ایک ہزار اکائیاں فراہم ہوگئی ہیں۔ بلاشبہ بعض مضامین میں تکرار ہوگا، لیکن چونکہ ہر شعر کا اسلوب بیان اور طرزِ فکر الگ ہوگا اس لئے ان کی انفرادیت بہرحال قائم رہے گی۔

غزل کی اس خصوصیت کا تقاضا یہ تھا کہ مضامین کے اعتبار سے اشعار کو ترتیب دیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو غزل کا ذخیرہ اپنی پوری وسعت و تنوع کے ساتھ نمایاں ہو جاتا اور بیک نظر معلوم ہو جاتا کہ اس محدود گوشے کے اندر افکار و واردات کی کیسی وسیع دنیا سمٹی ہوئی ہے!

فارسی میں کئی مجموعے اس طرح کے مرتب کئے گئے، اور اگرچہ آج کل کے معیارِ نظر کے مطابق انہیں جامع اور مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم انہوں نے نظر و مطالعہ کا ایک نیا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے اس وقت تک اردو میں کوئی کوشش اس طرح کی نہیں کی گئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ سیّد بہاءالدین احمد صاحب نے ایک عرصے کی محنت اور جستجو کے بعد ایک ایسا مجموعہ تیار کرنے

کی کوشش کی ہے۔ اور اب وہ اسے شائع کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کوشش عام طور پر مقبول ہوگی۔ انہوں نے اُردو شاعری کے نظر و مطالعہ کی ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ آئندہ اس رخ پر اصحاب ذوق نئے نئے قدم اٹھا سکیں گے۔

اس سلسلہ میں دو کام مؤلف کو انجام دینے تھے اور انہوں نے دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہر طرح کے مضامین و مطالب کے عنوان تجویز کئے جائیں۔ دوسرا یہ کہ ہر عنوان کے ماتحت مناسب اور چُنے ہوئے اشعار جمع کئے جائیں۔ میرے لئے مشکل تھا کہ میں اس مجموعے کو بالاستیعاب دیکھتا۔ میں نے عنوانوں کی فہرست کو سرسری نظر سے دیکھ لیا اور مجموعہ کی ورق گردانی کر کے ادھر ادھر نظر ڈال لی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ عنوانوں کے تجویز کرنے میں ہر طرح کے مواد و مطالب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور اشعار کا انتخاب بھی سلیقہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ اُردو غزل کے مضامین کا ایک جامع و مانع مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح کے مجموعے کا ایک اچھا نمونا پیش کر رہا ہے۔ اس نمونے کو بہ آسانی جامع و مکمل بنایا جا سکتا ہے اگر مؤلف اپنی کاوش و جستجو جاری رکھیں اور اصحاب ذوق و نظر بھی ان کی مدد کرتے رہیں۔ مدد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نئے نئے عنوان اور مزید اشعار آ سکتے ہیں۔ اس طرح کا مواد مولف کو بھیج دیا جائے۔ مؤلف بھی اُردو غزلوں کا مزید کاوش و جستجو کے ساتھ مطالعہ کرتے رہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح اس مجموعہ کا ایک دوسرا اڈیشن زیادہ جامع و حادی مرتب ہو کر شائع ہو سکتا ہے۔

مؤلف نے یہ کوشش نہیں کی ہے کہ اُردو غزلوں کے پورے ذخیرے کا جائزہ لیا جائے۔ بلکہ ہر عنوان کے چند منتخب شعروں کو جمع کر دینا کافی سمجھا ہے۔ اس لئے جہاں تک اشعار کے جمع و ترتیب کا تعلق ہے ابھی بہت بڑا میدان کار باقی ہے اور اس نمونے کو سامنے رکھ کر انجام دیا جا سکتا ہے۔

مضامین کے عنوانوں میں بھی مزید کاوش و جستجو کرنی چاہیئے۔ مناظرِ فطرت، مظاہرِ کائنات اور واردات و تاثراتِ طبیعت کے بہت سے گوشے ابھی محتاجِ توجہ ہیں۔ اخلاق، تصوف اور فلسفہ میں اُردو کا ذخیرہ بہت محدود ہے، تاہم جس قدر ہے۔ اس کے بہت سے مزید عنوان تجویز کئے جا سکتے ہیں۔

ابو الکلام آزاد

دہلی ۳ر مئی ۱۹۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

گلستانِ ہزار رنگ آپ کے سامنے ہے۔ گلگشت سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن چمن زار کے ہیں یہ گلِ تر، اس چمن یعنی زبان اُردو کی ابتدا اور اس کی حسین ترین صنف یعنی "غزل" کے تاریخی ارتقا پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

وہ ناتراشیدہ پتھر جن سے بعد میں زبان اُردو کے حسین و جمیل بُت تراشے جانے والے تھے شاید مہا بھارت ہی کے وقت میں عالمِ وجود میں آ چکے تھے۔ ایران و عرب اور ہندوستان کے باشندوں میں ازمنہ قدیم سے آمد و رفت تھی۔ تجارتی تعلقات بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک ملک کے باشندے دوسرے کو اپنی باتیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ تبادلۂ اجناس کے ساتھ ساتھ تبادلۂ خیالات بھی ہوتا ہوگا۔ کوئی تعجب نہیں کہ نامحسوس طریقے پر ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں آتے گئے ہوں اور اپنی جگہ بناتے گئے ہوں۔ کویتا کومُودی (انتخاب کلام شعرائے اُردو بخط ہندی) مؤلفہ پنڈت رام نریش ترپاٹھی کے دیباچے میں پنڈت امرناتھ جہا آنجہانی سابق وائس چانسلر الٰہ آباد یونیورسٹی اور چیئرمین بہار پبلک سروس کمیشن لکھتے ہیں:۔

"...... مہا بھارت میں جہاں یدھشٹر کے لاکشا گرہ (لاہ کا گھر) جانے کا

ورنن (بیان) ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ وِدُر نے ان کو لاکشا گرہ کی بناوٹ کے وِشے (بارے) میں ملیچھ بھاشا میں سُجھائیں (اطلاعیں) دی تھیں۔ اس کتھا (بیان) سے 'ملیچھ بھاشا' کا استِتو (وجود) ہی نہیں، بلکہ یہ بھی پرمانت (ثابت) ہوتا ہے کہ وِدُر اور یدھشٹر دونوں 'ملیچھ بھاشا' جانتے تھے۔"

(قوسین کے اندر کے الفاظ میرے ہیں)

"ملیچھ بھاشا" سے مراد ہے "غیر ہندو" یا "غیر ملکی" زبان۔ وِدُر اور یدھشٹر کا عربی، فارسی یا ترکی زبان میں کوئی دستگاہ رکھنا بعید از قیاس ہے۔ تو غالباً "ملیچھ بھاشا" سے مراد وہ "غیر ملکی" الفاظ ہیں جو اس وقت کی مروّجہ زبان میں مل گئے ہوں گے۔ "ملیچھ بھاشا" سے بلا تکلّف "چینی" یا "برمی" زبان بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مگر قرائن زیادہ عربی، فارسی اور ترکی کے حق میں ہیں۔ کیونکہ تعلقات زیادہ انہیں ملکوں سے تھے جہاں یہ زبانیں بولی جاتی تھیں۔ "زہرا وستھا" سے اندازہ ملتا ہے کہ ویاس جی مصنف مہا بھارت ایران بھی گئے تھے۔

پنڈت امرناتھ جھا موصوف ہی اس اطلاع کے بھی ذمہ دار ہیں کہ کالی داس کے وقت میں یعنی چوتھی پانچویں صدی عیسوی میں "یونانی استریاں (غیر ملکی عورتیں) انتہ پور (حرم سراؤں) میں پہرہ دیا کرتی تھیں" آپ کا خیال ہے کہ جب تعلقات اتنے گہرے تھے "...... تو کیا ان بدیشیوں کی ماتر بھاشا (مادری زبان) کے شبد (الفاظ) یہاں نہیں پھیل گئے ہوں گے؟ کیا یہاں مسلمانوں کی حکومت ہونے کے پہلے ہی یہاں کی پرچلت بھاشا (مروجہ زبان) میں عربی، فارسی اور ترکی کے ہزاروں شبد نہ آ گئے ہوں گے" خیال کی معقولیت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔

یہ بات اب پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ آج سے تیرہ چودہ سو سال پہلے شمالی ہند کے مختلف حصوں میں بیسیوں زبانیں بولی جاتی تھیں جن کو "پراکرت" کہتے تھے۔ یہ زبانیں

سنسکرت اور مقامی زبانوں کے میل جول سے پیدا ہو گئی تھیں۔ حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے "اُردوئے قدیم" (طبع ثانی) میں پروفیسر ویبر کے حوالے سے لکھا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں پانچ پراکرتیں زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔ (۱) پالی۔ جو بہار اور اس کے اطراف و اکناف میں بولی جاتی تھی۔ (۲) جینا پراکرت۔ (۳) مہاراشٹری۔ (۴) مگدھی اور (۵) شورسینی۔ جو برج کے علاقہ یعنی متھرا کے اطراف و اکناف میں بولی جاتی تھی اور جس کو "برج بھاشا" کہتے ہیں۔ اس پراکرت یعنی برج بھاشا کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اور دسویں صدی عیسوی تک یہ زبان وادیٔ گنگ و جمن کے علاوہ دریائے پنجاب (یعنی دریائے سندھ) تک بولی جانے لگی۔ ممکن ہے کہ شمالی ہند اور مغربی ہند کی مروجہ زبانوں میں تھوڑا بہت فرق رہا ہو مگر اصل زبان ایک ہی تھی۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہی "برج بھاشا" زبانِ اُردو کی ماں ہے۔

ڈاکٹر ونٹرنٹز، مصنفِ "تاریخ ادبیات ہند بزبان جرمن" کا خیال ہے کہ عربی اور فارسی الفاظ برج بھاشا میں بارہویں صدی عیسوی سے ملنا شروع ہوئے۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی فائلالوجی" میں لکھا ہے کہ اُردو کی بنیاد چودھویں صدی عیسوی میں پڑی جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ مسٹر گراؤس کے خیال کے مطابق برج بھاشا میں تغیر چودھویں صدی عیسوی کے اواخر سے شروع ہوا۔ اور مسٹر بیمس نے کتاب "کمپیریٹو گریمر آف ماڈرن ایرین لینگویجز آف انڈیا" میں لکھا ہے کہ اُردو کی بنیاد سترھویں صدی عیسوی میں اس وقت پڑی جب ٹوڈرمل نے اکبر کے عہد میں مالگزاری کا قانون رائج کیا اور ہندی دانوں کو فارسی سیکھنے کی مجبوری ہوئی۔ ادھر میر امنؔ "باغ و بہار" کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ اُردو زبان کی بنیاد اکبر کے عہد میں پڑی۔ اور عبدالغفور نسّاخ مؤلف "تحقیق زبان ریختہ" لکھتے ہیں کہ فارسی اور عربی الفاظ

ہندی زبان میں شہاب الدین غوری کے حملے کے وقت سے مخلوط ہونا شروع ہوئے۔ یہ مشہور مؤرخوں میں سے صرف چند کے خیالات ہیں اور ظاہر ہے کہ ان مؤرخوں نے جو کچھ لکھا ہے محض قیاس پر لکھا ہے۔ جیسی جس کے گمان میں آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا عرض کیا جا چکا ہے، عرب اور فارس سے ہندستان کے تعلقات ازمنۂ قدیم سے تھے اور مسلمانوں کے حملے بھی ہندوستان پر شہاب الدین غوری کے عہد سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ صوفیائے کرام کی ایک اچھی خاصی جماعت اس عہد کے پہلے اور اس کے بعد ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گئی تھی۔ مثلاً خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ۔ حضرت جمال ہانسویؒ۔ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ۔ مخدوم شرف الدین بہاریؒ۔ حضرت سیدنا امیر محمد ان القادری الجھریؒ وغیرہم۔ ان کا کام عوام میں تبلیغ دین تھا۔ اور ظاہر ہے کہ عوام سے میل جول کی وجہ سے مروّجہ زبانوں پر ان کی زبان کا اچھا خاصا اثر پڑا ہوگا۔ پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطان محمود غزنوی (۹۹۷ء تا ۱۰۳۰ء) کے دربار میں کچھ ہندو ملازم تھے۔ ان میں بعض تو اعلیٰ فوجی عہدے پر بھی فائز تھے۔ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اتنے گہرے میل جول کے باوجود مروّجہ زبان یعنی برج بھاشا میں فارسی اور عربی کی ملاوٹ سے تغیر نہ پیدا ہوا ہو۔ چند بردائی پرتھوی راج (وفات ۱۱۹۲ء) کا درباری شاعر تھا۔ اس کے کلام میں سینکڑوں الفاظ عربی فارسی اور ترکی کے موجود ہیں۔

شہاب الدین غوری (۱۱۹۲ء) کے بعد سے خلجیوں کے عہد حکومت تک کوئی بات قابل تذکرہ نہیں معلوم ہوتی۔ ۱۲۵۳ء کے قریب حضرت امیر خسروؔ پیدا ہوئے۔ ان کا وصال ۱۳۲۵ء میں ہوا۔ اور غالباً یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ارادتاً عربی اور فارسی کے ان الفاظ کو جو برج بھاشا میں مستعمل ہو کر نئی صورت اختیار کر چکے تھے، یا پھر برج بھاشا کے ان الفاظ کو

جن کو فارسی کے ادیبوں نے اپنے رنگ میں ڈھال لیا تھا۔ ادبی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ بہت سی مکرنیاں، پہیلیاں، دوہے سہرے وغیرہ ان سے منسوب ہیں۔ مگر ان میں زیادہ تر الحاقی معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ تذکرہ نویس حضرات مجھے معاف فرمائیں، میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ مشہور غزل بھی ان کی نہیں ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں"۔ غزل کی فارسی امیر خسرو کے معیار کی نہیں ہے، بلکہ کچھ "مھتڈ" قسم کی ہے۔ اور پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ "کسے پڑی ہے جو جا سنائے پیارے پی کو ہماری بتیاں" چودھویں صدی عیسوی کے اوایل کی زبان کیسے ہوسکتی ہے۔ اگر اسی زمانے میں زبان میں اتنی صفائی پیدا ہو چکی تھی کہ "کسے پڑی ہے جو جا سنائے" کی طرح کے محاورے استعمال ہونے لگے تھے تو اس کے بعد سینکڑوں سال تک ارباب قلم کیا کرتے رہے؟ پندرہویں اور سولہویں صدی تک زبان کا سرمایہ کبیر داس، ملک محمد جائسی، تلسی داس، اور سور داس وغیرہم کے دوہوں سے آگے نہیں بڑھتا۔

بہرحال، اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پہلا شاعر جس نے ایک ایسی زبان میں شعر کہا جس کو اردو کا پیش رَو کہا جا سکتا ہے۔ وہ امیر خسرو ہی تھے۔

"غزل" کی ابتدا کیسے ہوئی یہ کہنا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ قصاید کی تشبیب نے اس صنف کی طرف توجہ دلائی ہو، مگر اتنا متیقن ہے کہ یہ صنف فارسی میں رودکی کے زمانہ سے یعنی امیر خسرو سے کوئی تین ساڑھے تین سو سال قبل سے رائج ہے۔ اردو میں اس صنف کا سنگ بنیاد بلاشبہ امیر خسرو کے ہاتھوں رکھا گیا۔ ان کے بعد بھی برج بھاشا میں عربی اور فارسی کی آمیزش جاری رہی ہوگی۔ یہ آمیزش جو شکل ان کے وقت میں اختیار کر چکی تھی۔ بعد کے آنے والے اگر اس کو نکھارنے کی کوشش کرتے تو یہ زبان بہت پہلے ایک جیتی جاگتی زبان کی حیثیت اختیار کر لیتی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص توجہ ارباب فکر و ذوق نے اس

کی طرف نہ دی۔

جس طرح شمالی ہند، خصوصًا دہلی میں زبانِ اُردو کے بیج بوئے جارہے تھے اسی طرح دکن اور گجرات میں بھی وہاں کی مروّجہ زبانوں میں فارسی اور عربی کی ملاوٹ جاری تھی۔ اس طرح کی ملی جلی زبان میں پہلے پہل شعر کہنے والوں میں غالبًا شیخ بہاء الدین باجن تھے۔ یہ تقریبًا ۱۳۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ان کے زمانے میں اور ان کے بعد اور بھی اہلِ قلم اس طرح کی زبان میں شعر کہتے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی کے اواخر میں ملک امین کمال گجرات کا درباری شاعر تھا۔ مگر چودھویں صدی عیسوی اور سولھویں صدی کے شعرا کے کلام میں کچھ زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا۔

جہاں تک دہلی کا تعلق ہے عالمگیر (۱۶۵۷ تا ۱۷۰۷ء) کے آخرِ عہد تک اس زبان نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ بابر (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) نے کچھ الفاظ مثلاً روٹی، پانی، موتی وغیرہ اپنی تحریروں میں استعمال کیے۔ انہیں کے زمانے میں مولانا جمالی ایک بزرگ گذرے ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو کے طرز پر آدھا مصرعہ ہندی اور آدھا فارسی میں کہتے تھے۔ کبیر داس نے اپنے دوہوں میں بہت سے الفاظ اس طرح کے استعمال کیے ہیں اور ان کا بعض کلام تو غزل کے ڈھنگ کا ہے۔ پروفیسر حامد حسن قادری کی تحقیق کے مطابق اُن کی وفات ۱۴۹۸ء میں ہوئی۔ مگر رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادبِ اُردو میں ان کی ولادت ۱۴۴۰ء اور وفات ۱۵۱۸ء میں لکھی ہے۔ قریب قریب انہیں کے زمانے میں گرو نانک اور ان کے کچھ بعد یعنی شیر شاہ سور (۱۵۴۰ تا ۱۵۴۵ء) کے زمانہ میں پدماوت اور اکھراوٹ کے مصنّف ملک محمد جائسی بھی ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یعنی اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) اور جہانگیر (۱۶۰۵ تا ۱۶۲۷ء) کے زمانہ میں تلسی داس اور سور داس ہوئے۔ ان سبھوں نے اپنے دوہوں میں کافی الفاظ اُردو اور فارسی کے استعمال کیے ہیں۔ تلسی داس ۱۵۵۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶۲۲ء میں مرے۔ پنڈت امرناتھ جھا نے کوِتا کومودی کے

دیباچے میں تلسی داس کا یہ فقرہ نقل کیا ہے " بالس باسی اودھ کو بوجھے نہ خاکو "۔ اس کا ترجمہ آپ نے اس طرح پر کیا ہے " اجودھیا کا موڑکھ نواسی (بیوقوف باشندہ) خاک بھی نہیں سمجھتا " (قوسین کے الفاظ میرے ہیں)۔ اور ظاہر ہے کہ " بوجھے نہ خاکو " کا ٹکڑا سنسکرت سے مستعار نہیں ہو سکتا۔ تلسی داس ہندی تہذیب کے بانیوں میں ہیں۔ ان کا اس محاورے کو اس طرح بے جھجک استعمال کر جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اسی دور میں پنڈت امرناتھ جھا کے الفاظ میں " اردو کا روپ استھر ہو چکا تھا " یعنی اردو کی ایک شکل قائم ہو چکی تھی۔ پھر بھی یہ ماننا پڑیگا کہ جہانگیر کے عہد سے پہلے اس زبان نے کوئی مستقل ادبی صورت اختیار نہیں کی۔

میں نے جہانگیر کا عہد اس لئے کہا کہ دکن میں اس زبان کی ایک جداگانہ ہیئت اور ایک مستقل ادبی صورت قریب قریب اسی عہد میں قائم ہوئی۔ یوں تو اس کی ابتدا یہاں دکنی کی شکل میں بہت پہلے ہی ہو گئی تھی مگر پہلے پہل من حیث زبان اس کو استعمال کرنے اور اس میں شاعری کرنے کا سہرا سلطان محمد قلی قطب شاہ بانیٔ سلطنت قطب شاہیہ گولکنڈہ کے سر ہے۔ جنہوں نے ۱۵۸۱ سے ۱۶۱۲ء تک حکومت کی۔ فارسی میں قطب شاہ اور ہندی میں معانی تخلص کرتے تھے۔ ملّا احمد اور مولانا وجہی مصنّف " سب رس " انہیں کے دور کے شعرا ہیں۔

سلطان قلی قطب شاہ کے بھتیجے اور جانشین سلطان محمد قطب شاہ (۱۶۱۱ تا ۱۶۲۵ء) بھی شعر و شاعری کا بڑا ذوق رکھتے تھے۔ فارسی میں ظل اللہ اور اردو میں قطب شاہ تخلص کرتے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۵ تا ۱۶۷۳ء) بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ عبداللہ تخلص کرتے تھے۔ ملّا غواصی اور ابن نشاطی ان کے درباری شعرا تھے۔ اِن کے علاوہ ملا قطبی، جنیدی، اور طبعی بھی انہیں کے زمانے کے شعرا ہیں۔ ان کے بعد ابوالحسن قطب شاہ عرف تانا شاہ (۱۶۷۳ تا ۱۶۸۶ء) تخت نشین ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان کو بھی شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ نوری، فائز، شاہ قلی خاں شاہی اور ابوالقاسم

مرزا ان کے دور کے مشہور شعرا میں ہیں۔ قریب قریب اسی دور میں شیخ نصرت نصرتی، شاہ ملک، عبدالمومن مومن اور سید میران ہاشمی سلطنت بیجا پور میں تھے۔ ان کے بعد اور بھی اہل قلم دکن میں گذرے ہیں۔ جو اردو میں بھی دادِ سخن دیتے تھے۔ جیسے عشرتی، مجرمی، ہنر، وجاہی، سعدی لطفی وغیرہم۔ ان سبھوں کا مفصل تذکرہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ یہی دور تھا جب دہلی میں اس زبان کا نام "اردو" متعین ہوگیا۔ اس کے قبل اس کا کوئی خاص نام نہ تھا۔ فارسی میں گری پڑی چیز یا دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط زبان کو "ریختہ" کہتے ہیں۔ اور غالباً اسی لئے اس کو پہلے "ریختہ" کہتے تھے۔

تانا شاہ کے بعد گولکنڈہ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ ہوگیا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کے ایک شہر "کھرکی" کا نام بدل کے "اورنگ آباد" رکھ دیا۔ اور ان کی آخر عمر کا بیشتر حصّہ اسی جگہ گذرا۔ مغل بادشاہوں کی علم دوستی مشہور تھی۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں سے جو شعرا وابستہ تھے وہ اورنگ آباد پہنچے۔ انہیں میں ولی دکنی، سراج الدین سراج، عارف الدین عاجز، عبدالوالی عزلت اور مرزا داؤد بھی تھے۔ اس دور کے شعراء کا تذکرہ میر بہاء الدین عروج کے "بہار و خزاں" لچھمی نرائن شفیق کے "چمنستان شعرا" محمد افضل کے "تحفۃ الشعراء" اور سید عبدالوالی عزلت کی بیاض میں ملتا ہے۔ یہاں پر بہار کے کچھ شعرا کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جو ولی کے زمانہ میں یا ان سے کچھ پہلے گذرے ہیں۔ پروفیسر معین الدین دردائی نے "بہار اور اردو شاعری" میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ ان میں پہلا نام ملا محمد علیم تحقیق کا آتا ہے۔ انہیں کے ہمعصر سیّد عماد الدین عماد (۱۶۵۳ تا ۱۷۱۳ء تقریباً) تھے۔ مرزا عبدالقادر بیدل کا انتقال ۱۷۲۲ء میں ہوا۔ اور غلام نقشبند سجّاد کا ۱۷۶۲ء میں۔

ولی کا سنہ وفات تذکرۂ شعرائے دکن میں ۱۱۵۵ھ (مطابق ۱۷۴۴ء) لکھا ہے۔ اور

غالباً اسی بنا پر مولانا نیاز فتحپوری نے نگار جنوری ۱۹۳۵ء میں اور مسٹر رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادبِ اُردو میں ان کا سنہ وصال ۱۱۵۵ء ہی لکھا ہے۔ لیکن حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب "اُردوئے قدیم" میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ جو ۵ رجمادی الاول ۱۱۴۳ھ کو بمقام احمد آباد مرتب ہوا ہے۔ اس کے خاتمے پر لکھا ہے "تمام شد دیوانِ ولی رحمۃ اللہ علیہ" اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۴۳ء (۱۷۳۲ء) سے قبل ہو چکا تھا۔ قاضی عبدالودود صاحب نے راقم الحروف سے فرمایا کہ انہوں نے ایک قطعہ تاریخ ایک قلمی نسخے میں دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کا انتقال ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۸ء) میں ہوا۔

اُن کے نام کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض نے شمس الدین اور بعض نے شمس ولی اللہ لکھا ہے۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ ان کا نام ولی اللہ تھا اور لقب "شمس" یا "شمس الدین"۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، جس میں میر بھی شامل ہیں، کہ یہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ مگر بعضوں کا خیال ہے کہ ان کا مولد احمد آباد ہے۔ "اورنگ آباد" سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے گولکنڈہ کو فتح کرنے کے بعد عالمِ وجود میں آیا۔ اور گولکنڈہ ۱۶۸۷ء میں فتح ہوا۔ اگر ولی کا سنہ وصال ۱۷۴۴ بھی مان لیا جائے (جو صحیح نہیں ہے) جب بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ان کا انتقال پچھتر چھہتر سال کی عمر میں ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ جو شہر پہلے "کھرکی" کے نام سے مشہور تھا اسی کا نام فتح گولکنڈہ کے بعد اورنگ آباد رکھ دیا گیا۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ کسی نے بھی نہیں لکھا ہے کہ یہ "کھرکی" میں پیدا ہوئے۔ قرینِ اغلب یہی ہے کہ ان کا مولد احمد آباد ہے۔ یہیں وصال ہوا، اور یہیں مدفون بھی ہیں۔ میر حسن نے بھی ان کے متعلق اپنے تذکرے میں لکھا ہے "مردے بود از خاکِ گجرات ... ..."

ولی کا دہلی آنا بھی ثابت ہے۔ میر حسن، قائم، نساخ نے تیقّن کے ساتھ اس کے متعلق لکھا ہے۔ قائم کی تحقیق کے مطابق یہ ۱۷۰۱ء یعنی عالمگیر کے تخت نشینی کے چوالیسویں سال دہلی آئے تھے۔ میر حسن نے بھی لکھا ہے "...... بر یک صنیے عاشق شدہ در وقت محمد عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ ......"۔ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ محمد شاہ کے عہد میں بھی دہلی آئے تھے۔ مگر اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔ اگر ان کا انتقال ۱۷۰۸ء میں یا ۱۷۲۲ء کے دو چار سال قبل بھی ہوا۔ تو محمد شاہ کے عہد میں ان کا دہلی آنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کہ محمد شاہ کا عہد ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء تک تھا۔

ولی کے اوائل کے اشعار کچھ اس طرح کے ہیں:- ؎

ترے بن مجھ کو اے ساجن یہ گھر اور بار کیا کرنا ؛ اگر تو نا اچھے مجھ کو تو یہ سنسار کیا کرنا

بعد کے اشعار کی زبان بہت صاف ہے اور ان میں فارسی کی ترکیبیں غالب ہیں مثلاً:- "اے ولی رہنے کو دنیا میں مقامِ عاشق ؛ کوچۂ زلف ہے، یا گوشۂ تنہائی ہے"

ظاہر ہے کہ اس طرح کا فرق از خود پیدا نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلام کی یہ شستگی دہلی کے اربابِ فن کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا۔ مگر حیرت اس بات پر ہے کہ خود دہلی میں ولی سے قبل کسی قابلِ ذکر اُردو شاعر کا پتہ نہیں چلتا (یا نہیں چلایا گیا)۔ مطلب یہ کہ جن کے فیضِ صحبت نے دوسروں کو کامل و اکمل بنا دیا خود ان کی جھولی یکسر خالی رہی! بات کچھ ایسی ہے کہ ماننے کو جی نہیں چاہتا۔

ولی کے ہمعصر یا ان سے کچھ بعد کے دہلی کے شعرا میں شاہ مبارک آبرو (وصال ۱۷۵۰ء) شیخ شرف الدین مضمون (وصال ۱۷۴۵ء) سراج الدین خاں آرزو (وفات ۱۷۵۶ء)۔ اشرف علی خاں فغاں (وفات ۱۷۷۲ء)۔ مظہر جان جاناں (وصال ۱۷۸۱ء)۔ شاہ حاتم (وصال ۱۷۹۱ء)۔ غلام مصطفےٰ خاں یکرنگ اور شاکر ناجی، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

میر تقی میر، سید خواجہ میر درد، میر سوز اور سودا کا زمانہ ولی کے بعد کا زمانہ ہے۔ سودا ۱۷۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ سوز ۱۷۲۰ء میں۔ میر درد ۱۷۲۲ء اور میر تقی میر ۱۷۲۶ء (۱۱۳۷ھ) میں۔

قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کے دور کو میرے خیال میں اردو شاعری کا "زمانۂ قبل از تاریخ" سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر ان کے دور کو متقدمین ہی کے دور میں شمار کیا جائے تو پھر اس دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے۔ اول سلاطین قطب شاہی و عادل شاہی اور ان کے معاصرین نصرتی۔ ابن نشاطی اور میران ہاشمی وغیرہ کا۔ یہ دور ابوالحسن تانا شاہ کی سلطنت کے ساتھ گولکنڈہ پر مغلوں کے قبضے کے بعد ختم ہو گیا اس دور کے اواخر میں کلام کی صفائی کچھ اس حد پر پہنچ چکی تھی۔ ؎

منا تمن کا غیر سے کوئی جھوٹھ، کوئی سچ مجھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

متقدمین کا دوسرا دور ولی، عمادالدین عماد، مرزا عبدالقادر بیدل، یکرنگ، ناجی، مضمون، سراج، داؤد، غلام نقشبند سجاد اور شاہ مبارک آبرو وغیرہ کا تھا۔ کلام میں دورِ اوّل کی نسبت بہت زیادہ صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر حشو و زوائد کی پھر بھی کثرت تھی۔ سوقیانہ الفاظ کا استعمال کوئی عیب نہ تھا۔ عروض و قوافی سے بھی کبھی کبھی بے نیازی برت لی جاتی تھی۔

شاہ حاتم اور مظہر جانِ جاناں کو متقدمین کے تیسرے دور میں رکھنا چاہیئے۔ انہوں نے پاکیزگیِ کلام، اسلوب بیان اور ندرت خیال کی طرف کافی توجہ دی۔ ان کے کلام کا رنگ یہ تھا:- ؎

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے :: اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

(مظہر جانِ جاناں)

بڑا غضب ہے کہ حاتم کو تم نہ پہچانا ٭ وہی قدیم تمہارا غلام، بھول گئے!
(شاہ حاتم)

متوسطین کے دَور کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا سودا، میر سوز، میر درد، میر تقی میر، وغیرہ کا اور دوسرا مصحفی، جرأت، انشا، اور رنگین وغیرہ کا۔ متوسطین کے دَورِ اول کو بلا تکلف اُردو کا "عہدِ زریں" کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے دور میں اُردو شاعری میں بہت زیادہ عریانیت اور ابتذال آگیا۔ فکر اور بیان دونوں لحاظ سے۔ ممکن ہے یہ اس دَور کی عیش کوشی کی وجہ سے ہوا ہو۔ بہر حال ہوا یہی۔ میر و مرزا، سوز و درد نے اردو شاعری کو جس مقامِ بلند پر پہنچا دیا تھا۔ دوسرے دَور والے اس سے آگے تو کیا بڑھتے اس مقام پر بھی نہ جم سکے۔ گرے۔ اور چونکہ بہت بلندی سے گرے تھے۔ اس لئے بُری طرح گرے۔

اس کے بعد ناسخ و آتش یعنی متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے۔ پہلا ناسخ و آتش کا، دوسرا مومن، ذوق اور غالب کا، اور تیسرا۔ داغ، حالی، ظہیر، (دہلوی) امیر، جلال، تسلیم (لکھنوی) اور اکبر الہ آبادی کا۔ دورِ اوّل میں جرأت و انشا کے وقت کا ابتذال بہت کچھ ختم ہوگیا۔ اور زبان کی درستگی کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو زبان "پڑ جلا" اسی دَور میں پڑی۔ توجہ چونکہ زیادہ تر زبان کی صفائی کی طرف تھی۔ اس لئے آورد اور تصنّع بہت بڑھ گیا۔

متاخرین کا دوسرا دور اُردو کی نشاۃِ ثانیہ کا دَور ہے۔ تصنّع اور تکلّف سے الگ ہو کر حقیقت کی طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ رعائت لفظی کی جگہ نزاکت تخیّل نے لے لی۔ غالب کی بلندیٔ فکر اور شوکتِ کلام، مومن کی نزاکتِ تخیّل اور ندرتِ بیان

ذوق کا تنوع مضامین اور قدرتِ زبان نے اُردو شاعری کو پھر بامِ عروج پر پہنچا دیا۔
تیسرے دَور میں بلندیِ فکر اور نزاکتِ تخیّل کا وہ معیار تو قائم نہ رہ سکا۔ لیکن کلام میں شوخی اور دلکشی بہت بڑھ گئی اور معاملہ بندی کی طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ "غزل" کے پرانے ڈھنگ کے خلاف آواز بھی اسی دَور میں اٹھائی گئی۔ اور حالیؔ نے پُرانے اور فرسودہ رنگ کی شاعری کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔
عہدِ حاضر کا دَورِ اوّل اقبالؔ، حسرتؔ، جلیلؔ، ریاضؔ، فانیؔ، شادؔ اور اصغرؔ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ موجودہ دور اس کا دوسرا دَور ہے۔ تکلّف و تصنّع، دور از کار تشبیہیں، فضول مبالغے یکسر ختم ہو گئے۔ دوسرے ملک کی زبانیں، سماجی احساسات، سیاسی مسائل اب شعر و سخن پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ زمانے کے ساتھ ساتھ فکر کا انداز اور بیان کا اسلوب بھی بدل رہا ہے۔ "غزل" ہے تو اسی مقامِ بلند پر جہاں تھی، مگر اب نئے سانچے میں ڈھل رہی ہے۔
نفسِ "غزل" کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ مگر اس سے پہلے مختلف اَدوار کے کچھ مشہور شعرا کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

امیر خسرو (۱۲۵۳ تا ۱۳۲۵ء) زگر پرے چو ماہ پارا ۔ "کچھ گھڑیئے، سنواریئے" پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست ۔ پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

شیخ بہاء الدین باجن گجراتی :۔ یوں باجن باجے رے، اسرار چھاجے
(ولادت تقریباً ۱۳۶۰ء) سنا ڈل من میں دھکے رباب رنگ میں جھکے
صوفی اُن پر ٹھکے

یوں باجن باجے رے، اسرار چھاجے

کبیر داس (۱۴۴۰ تا ۱۵۱۸ء):۔ ہمن ہیں عشق دیوانہ ہمن کو ہوشیاری کیا
رہیں آزاد یہ جگ میں ہمن دنیا سے یاری کیا

شیخ وجیہہ الدین گجراتی :- اس سے بوڑا کیا خوب ہے، اس دنیا میں کہ دل خدا سوں مشغول ہووے۔
(۱۵۷۵ تا ۱۶۶۰ء)

سلطان محمد قلی قطب شاہ معانی :-
(۱۵۸۱ تا ۱۶۱۲ء)

کرتے ہیں دعوئ شعر کا سب اپنے طبع سون
بخشا فصیح شعر معانی کے تئیں خدا

ملک امین کمال گجراتی :-
(اوائل ۱۶۰۰ء)

امین آستانوں کی اب خاک ہو
حشر کے عذابوں سے بیباک ہو

سلطان محمد قطب شاہ :-
(۱۶۱۲ تا ۱۶۲۵ء)

دو لب ترے رنگیلے یاقوت کو دیئے رنگ
لے بھیک رنگ عقیقاں رنگیں ہوئے یمن میں

سلطان عبداللہ قطب شاہ :-
(۱۶۲۵ تا ۱۶۷۴ء)

تری پیشانی پر ٹیکا جھمکتا
تماشہ ہے اجالے میں اجالا

شیخ نصرت نصرتی بیجاپوری :-
(۱۵۷۹ تا ۱۶۶۰ء)

حمد اوّل ہے خدا کا کہ جس نے روزِ ازل
دیا ہے ہمت مرداں کوں جوں توفیق سوں بل

ابن نشاطی :-
(عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر)

خداوندا تجھے ہے جم خدائی
ہمیشہ تجھ کو ساجے کبریائی

شاہ قلی خاں شاہی :-
(مصاحب تانا شاہ ۱۶۷۲ تا ۱۶۸۲ء)

ملنا تمن کا غیر سے، کوئی جھوٹ، کوئی سچ مجھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

شجاع الدین نوری گجراتی :-
(تانا شاہ کے وزیر کے لڑکے کا معلم)

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بے چارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

مرزا معز الدین محمد موسوی خاں فطرت

از زلف سیاہ تو بدل دوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جوم پڑی ہے
(کتاب میں یہ شعر غلطی سے امیر خسرو کا لکھا گیا ہے)

عشرتی (تقریباً ۱۷۰۰ء):- کروں نام سید محمد کا یاد
سیادت کے گھر کا ہے ذات العماد

ولی:- (وفات ۱۷۴۴ تا ۱۷۰۸ء)- ولی مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یار بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ
مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی ۔ دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

ملّا محمد علیم تحقیق (وفات اوائل ۱۷۰۰ء):- جھگڑا باندھ دل میں سما جا
سلونے رے ادھر کوں آ جا

عماد الدین عماد (وفات ۱۷۱۳ء):- آوے اپنے ہاتھ دو مور کھ نہیں عماد، اب اسکی آس
اسکے کارن کون کون جتن ہم نے کیا جو نہیں آوے پر

مرزا عبد القادر بیدل (وفات ۱۷۲۲ء):- جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

سراج الدین سراج (وفات غالباً ۱۷۱۶ء):- سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دو رنگی
دلدار کسی کا ہے۔ دل آزار کسی کا

شیخ شرف الدین مضموں (وصال ۱۷۴۵ء):- ہم نے کیا کیا نہ ترے واسطے محبوب کیا
صبر ایوبؑ کیا، گریۂ یعقوبؑ کیا

شاہ مبارک آبرو (وصال ۱۷۵۰ء):- کیا ہوا مرگیا اگر فرہاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

مرزا داؤد (وفات ۱۷۵۷ء) مرا احوال چشم یار سے پوچھ بہ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

غلام نقشبند سجاد (وصال ۱۷۶۲ء) بھٹی کو چلا کیا ہوئے سحر، پوچھو تو کوئی سجاد سنی
تھا رات تلک تو کام اُسے، اشغال سنی، اوراد سنی

مرزا مظہر جانِ جاناں - (وصال ۱۷۸۱ء) - یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

سودا (ولادت ۱۷۱۴ء - وفات ۱۷۸۱ء) - ساقی ہے اِک تبسمِ گل فرصت بہار
ظالم! بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

میر سوز (ولادت ۱۷۲۰ وفات تقریباً ۱۸۰۰ء) - سرا و پر شام آئی، اب تلک منزل نہیں پاتا
کہاں بستر بچھاؤں میں، کسی کا دل نہیں پاتا

میر درد (ولادت ۱۷۲۲، وفات تقریباً ۱۷۸۸ء) سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجومِ یاس، جی گھبرا گیا

میر تقی میر (ولادت ۱۷۲۶ - وفات تقریباً ۱۸۱۴ء) اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

میر حسن (وفات ۱۷۸۶ء) - ہزار حیف، کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی
تمام عمر لگی پر مہم یہ سر نہ ہوئی

جرأت (وفات تقریباً ۱۸۱۰ء) - جب یہ سنتے ہیں کہ ہمسایہ ہیں آپ آئے ہوئے
کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

انشا (وفات ۱۸۱۷ء) - تصوّر عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دُھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

راسخ عظیم آبادی - (وفات تقریباً ۱۸۲۰ء) تجھے اس آئینۂ عالم کے نہ آثار ہنوز
تب سے ہوں حیرتیِ حسنِ رخِ یار ہنوز

مصحفی (وفات ۱۸۲۴ء) - چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا

ناسخ (وفات ۱۸۳۸ء) ۔ دَم بلبلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو نہیں سَن سے نکل گیا

آتش (وفات ۱۸۴۷ء) ۔ بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے
گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے

مومن (۱۸۰۰ تا ۱۸۵۱ء) ۔ ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

ذوق (۱۷۸۹ تا ۱۸۵۴) ۔ فروغِ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لئے
یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کے لئے

غالب (۱۷۹۶ تا ۱۸۶۹ء) ۔ تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا! گنہگار ہیں ہم!

امیر مینائی (۱۸۲۸ء تا ۱۹۰۲ء) ۔ لچک ہے شاخوں میں، جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

داغ (۱۸۳۱ تا ۱۹۰۵ء) ترے جورِ پنہاں کو کیا کوئی جانے
فقط آسماں، آسماں ہو رہا ہے

حالی (۱۸۲۷ تا ۱۹۱۴ء) آگے بڑھے نہ قصّۂ زلفِ بتاں سے ہم
سب کچھ کہا، مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

شاد عظیم آبادی :- (۱۸۴۶ تا ۱۹۲۷ء) یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اقبال :- (۱۸۷۶ تا ۱۹۳۸ء) بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

حسرت موہانی :- (وفات ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء) اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتی
سعی تا دیر خیالات چلی جاتی ہے

ریاض :- (وفات ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء) بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشت خم رکھدیں
جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

جلیل :- (وفات تقریباً ۱۹۳۲ء) میں سمجھتا ہوں تری عشوہ گری کو ساقی!
کام کرتی ہے نظر، نام ہے پیمانے کا

فانی :- (وفات ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء) موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رخ مگر جانب ساحل نہیں ہونے پاتے

اصغر :- (وفات ۱۹۳۶ء) کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگ کمال
چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے

شاعر کے پاس اس کا اپنا ساز ہوتا ہے جس کو عرف عام میں "دل" کہتے ہیں۔ اس ساز میں "محبت" کے تار لگے ہوتے ہیں۔ شاعر عالم مستی میں ان تاروں کو چھیڑتا ہے اور ان سے جو فردوس گوش نغمے پیدا ہوتے ہیں، جو مدھر راگنیاں فضا میں لہراتی ہیں انہیں کا نام "غزل" ہے۔
اس طوفان کی بنیاد، جس کو غزل کہتے ہیں۔ دو تند ہواؤں پر قائم ہے " حسن " اور "عشق"۔ یا شاید میں نے غلط کہا۔ طغیان صرف ایک ہی ہے حسن کا، سیل عشق تو اسی کی آغوش میں تڑپتا ہے۔ اب " حسن " کے تصور اور" عشق "کے حدود کو متعین کرنا اپنی اپنی ہمت پر ہے۔ تذکرہ حسن و عشق کا ہے تو " حسن ازل " اور " حسن مجاز " " عشق حقیقی " اور " عشق مجازی " کی بات ضرور آئے گی اور ساتھ ہی ساتھ ان دیوانوں کی بات بھی آئے گی جو ہر حسن میں حسنِ ازل کو دیکھتے ہیں۔ اور جن کے خیال میں ؎

کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگِ کمال ؛ چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے

جن کا تصوّر اپنے محبوب کے متعلق یہ ہے کہ ؎

ہر اک شئے میں تم مسکرانے ہو گویا ؛ ہزاروں حجابوں میں یہ بے حجابی!

ان کی منزل "دار و رسن" ہوتی ہے، اب وہ اس جادۂ صدسالہ کو چاہے یہ آہ سے طے کر لیں، چاہے "قد و گیسو سے چلیں دار و رسن تک پہنچیں"

شمع حقیقت کے پروانے کسی اور ہی تمنّا میں جلتے ہیں، میخانۂ عرفاں کے رند کسی اور ہی کیف کی تلاش میں پیتے ہیں۔ حضرت مولانا آزاد مدظلہٗ نے کیا ہی حسین و جمیل بات فرمائی ہے :-

"میخانۂ حقیقت میں جب محفل گرم ہوتی ہے تو پہلے جام و مینا کا دَور چلتا ہے، اور جب اس کے تلخ گھونٹ گوارا ہو جاتے ہیں تو پھر خود ساقی اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دیتا ہے کہ اب جام و سبو کی ضرورت نہ رہی"

اس مجلس کے رند ساقی کے بندِ نقاب کے ٹوٹنے کے انتظار میں ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور اگر ان کو کچھ گلہ ہوتا ہے تو بس یہ کہ "عمر نے ہم سے بے وفائی کی"۔ غزل نگار انہیں تصوّرات و احساسات کے گیت گاتا ہے، جذبات کی اسی آتشِ سیّال کو کوزے میں بند کرتا ہے۔ اور پینے والوں کی طرف بڑھا دیتا ہے کہ پی سکو تو پی جاؤ!

یہ تو ان سودائیوں کی بات تھی جو کسی کی لذّتِ درد کو اپنا حاصلِ کائنات سمجھتے ہیں، جو سارے زمانے کی فرزانگی کو ایک لمحے کی دیوانگی پر قربان کر دیں اور شرمسار ہیں کہ جنونِ محبت کا حق ادا نہ ہوا۔ تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔ اور یہاں بھی غزل کے خد و خال کچھ کم اُجاگر نہیں۔

اس وسعت آباد دنیا کی ساری تگ و دَو، پرکارِ حیات کی ساری کش مکش دو ہی نقطوں کے گرد گھومتی ہے، "شادی" اور "غم"۔ غزل گو کا تخیل جذباتِ شادی اور جذباتِ غم،

دونوں کے تجزیے کرتا ہے۔ دونوں کے تجربے کرتا ہے۔ اس کا تصور ان اسباب وعلل کے بھی جائزے لیتا ہے۔ جن کے یہ نتیجے ہوتے ہیں۔ اور ان تجربات کو اپنی دلکش اور لطیف زبان میں بیان کرتا ہے۔ ان کے گیت بناتا ہے اور اس کو اپنے دل کے ساز پر گاتا ہے۔ بات "سرِّ دیگراں" کی ہوتی ہے۔ مگر اس کو "حدیثِ دلبراں" بنا کے کہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے نغموں کے زیر و بم اور قلبِ حیات کی دھڑکنیں بالکل ہم آہنگ ہوتی ہیں۔

جس زبان میں غزل نگار اپنے نغموں کو ڈھالتا ہے۔ وہ زبان بھی اس کی اپنی ہوتی ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ وہ سرِّ دیگراں کو حدیثِ دلبراں بنا کے کہتا ہے۔ اور کچھ اس انداز سے ایسے اشاروں میں کہتا ہے کہ سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں "نوکِ خار سے نبضِ رنگ و بو کو چھونے والے" "نکہت کی پیمائش" اور چاندنی کا وزن کرنے والے تو اس دبستانِ نور و نغمہ میں ابجد خواں کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ زبان کا دائرہ محدود ہے۔ اسی لئے غزل گو "رمزوں" اور "علامتوں" سے کام لیتا ہے۔ اور اشاروں ہی اشاروں میں وہ سب کچھ کہہ جاتا ہے۔ جو زبان ادا نہیں کر سکتی۔ مولانا حالی نے فرمایا ہے اور کیا خوب فرمایا ہے ؎

آگے بڑھے نہ قصۂ زلفِ بتاں سے ہم ؎ سب کچھ کہا، مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

اور یہی رمزیت اور ایمائیت غزل کی جان ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا راز اس کی اسی رمزیت اور ایمائیت میں مضمر ہے۔

قانون سازی کی مجلس گرم ہے۔ مباحثے ہو رہے ہیں۔ اربابِ حکومت کی چیرہ دستیوں کا شکوہ مقصود ہے، اپنی بے بسی کا بھی تذکرہ کرنا ہے۔ غزل کی زبان میں کہنے والے نے کہا ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام ؎ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہر دلعزیز رہنمائے قوم محبوسِ زنداں ہے، سارے ملک پر ایک سنّاٹے کا عالم طاری ہے

غزل نگار چیخ اٹھا ؎

کہنے کو مشتِ پر کی اسیری تو ہے مگر ؛ خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

اُدھر قیدیِ زنداں کی اُلجھنیں بھی کچھ کم نہیں ہیں، سوچ رہا ہے ؎

چمن پہ غارت گلچیں سے جانے کیا گذری ؛ قفس سے آج صبا بے قرار گذری ہے

غرض یہ کہ غزل نگار زندگی کے مختلف اور متنوع تجربات کو، اس کی مشکل گتھیوں کو، کیفیات و واردات کو اپنے تخیل کے سانچے میں ڈھال کے اپنی زبان میں، اپنے ڈھنگ سے پیش کرتا ہے۔ اس کا ہر شعر زندگی کے کسی نہ کسی تجربے کا اظہار کرتا ہے۔ ویسے رطب و یابس کہاں نہیں ہوتے۔ ہر شاعر تو شیکسپیئر نہیں ہو جاتا اور خود شیکسپیئر کے ہر شعر کو تو وہ بلندی حاصل نہیں جس کے لئے اس کا کلام مقبول خلائق ہے۔

رمزوں اور علامتوں کی توجیہیں بدلتی رہی ہیں اور بدلتی رہیں گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ آگاہیوں کے تقاضے بدل رہے ہیں۔ فکر کا طرز بدل رہا ہے۔ اور اس طرح غزل کے محرکات بدل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ غزل کے اسلوب میں بھی تبدیلی ہوگی، اور ہوئی۔ مگر اس کی بنیادی حقیقت میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ اس کا اصل روپ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔

اسلوب اور طرزِ فکر میں تغیر فطری تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ ایک وقت ایسا آیا جب غزل نام رہ گیا صرف لب و رخسار، اور کنگھی چوٹی کی شاعری کا۔ وہ دور ہی عیش کوشی کا تھا۔ مگر وہ وقت بھی گذر گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب سماج کے سامنے کوئی مقصد نہ رہا۔ قائم تھا، اس لئے کہ قائم رہنا تھا۔ اس وقت غزل اور ضلع جگت کی ایک ہی معنی سمجھے جانے لگے۔ الفاظ کی بازی گری کا نام شاعری ہو گیا۔ وہ وقت بھی گذر گیا۔ پھر قیود زبان سے بیزاری کا اور معریٰ نظموں کا دور آیا۔ ایک طبقے نے تو غزل کو عروض و قوافی

کی " قیار و بنار " ہی سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھا لیا ۔ یہ نہ سمجھے کہ جس طرح ہر ملک کا اپنا لباس، اپنا طرزِ معاشرت، اپنا معیارِ حسن اور اپنا معیارِ نظر ہوتا ہے، اسی طرح ہر زبان کا اپنا ایک لب و لہجہ اور اپنا ایک مزاج ہوتا ہے ۔ وجدان کی تعمیر اور ادبی شعور کی نشو و نما صدیوں میں ہوتی ہے۔ اور اس میں قدیم روایتوں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے ۔ یہ تعمیر و نشو و نما " ذوقِ صحیح " کی رہبری میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ملک کی قدیم روایتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور ذوق بھی ۔ اُردو غزل کی جڑیں ہمارے تمدن و تہذیب کی عمیق ترین گہرائیوں میں گڑی ہیں ۔ اس کی تعمیر ہمارے ملک کی قدیم روائتوں پر اور اس کی نشو و نما ہمارے ملک کی آب و ہوا میں ہوئی ہے ۔ انگریزی نظموں کا لب و لہجہ یا مزاج کیسے اختیار کر سکتی ہے ۔ بہر حال وہ وقت بھی میں سمجھتا ہوں گذر گیا ؎

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی ؛ بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

مرورِ ایّام کے ساتھ ساتھ نگارِ غزل کا حسن بھی نکھرتا گیا ۔ اور دورِ حاضر کی مشاطگی نے تو اس شاہدِ رعنا کی مانگ میں ایسے ایسے موتی جڑ دیئے ہیں ۔ جن پر کسی بھی مشاطۂ علم و ادب کو ناز ہو سکتا ہے ۔

غزل اور خصوصاً عروض و قوافی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والے وہ لوگ تھے جن کی علمی صلاحیتیں اگر بہت محدود نہ تھیں تو انگریزی سے متاثر و مرعوب ضرور تھیں ۔ یا پھر وہ لوگ تھے جو اتنی ریاضت اور محنت نہیں کرنا چاہتے تھے، یا نہیں کر سکتے تھے جتنا غزل چاہتی ہے۔ غزل کی بناوٹ اور اس کا مزاج دونوں بہت نازک ہیں ۔ وہ کسی بے ڈھنگے پن کو گوارا کر ہی نہیں سکتی ۔ جس طرح ایک حسین جسم کے لئے ہر ہر عضو کا متناسب ہونا ضروری ہے ۔ اسی طرح غزل کامل موزونیت اور انتہائی تناسب چاہتی ہے ۔ خصوصاً صوری حیثیت سے ۔ اور عروض و قوافی اس موزونیت اور تناسب کی جان ہیں ۔ انہیں سے غزل میں ایک ایسی دلکش اور جاذبِ روح غنائیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ جو اُردو اور فارسی کیا، کسی اور زبان کی بھی کسی صنف کو حاصل

نہیں۔ اور اس طرح کی قیدو بندہی تو فنون لطیفہ کی جان ہے۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ موسیقی میں راگ راگنیوں کے سُروں کی قید و بند عروض و قوافی کی قید و بند سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں زیادہ ہے۔ اساوری صرف ایک سُر پر زور کی کمی بیشی سے جونپوری بن جاتی ہے۔ پوربیہ، مارووا اور سوہنی تینوں ایک ہی ٹھاٹ کی راگنیاں ہیں۔ تینوں کا سرگم بھی ایک ہی ہے۔ محض تھوڑا سا تغیر ایک کو دوسرے سے ممیّز کرتا ہے۔ عروض و قوافی کی پابندی سے غزل سنورتی ہے، محدود نہیں ہوتی۔

ایک طبقہ غزل سے اس لئے ناراض معلوم ہوتا ہے کہ اس میں "مناظرفطرت" کا بیان نہیں ملتا۔ اور اگر ملتا ہے تو کم ملتا ہے۔ ہے یہ کہ مناظرفطرت اس راہ کے "نقوش" ہیں جن پر غزل گو چلتا ہے۔ وہ ان کے حسن کی بوقلمونی پر جھومتا ضرور ہے۔ مگر ان کو اپنے تصورات کا مرکز اور اپنے فکر کا موضوع نہیں بنا سکتا۔ وہ اس راگ کو بھی اپنے ہی ڈھنگ میں اپنے ہی دل کے ساز پر گاتا ہے۔ اندھیری رات ہے۔ اودے اودے بادل جھوم جھوم کر گرج رہے ہیں۔ نظم گو بیان کرنا شروع کرے گا ؂

رات اندھیری اور اس پر سایۂ ابرسیاہ ؛ راستہ ڈھونڈھے نہیں پاتی کسی جانب نگاہ

اور اس طرح پورے سین کی ایک منظوم نقاشی کر دیگا۔ اور غزل نگار یہی سوچے گا کہ ؂

کون بھلا روتا پھرتا ہے آدھی آدھی راتوں کو!
اس بادل کے پردے میں بھی کوئی دل والا ہوگا

بہار آئی ہے "دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام" غزل گو اس حسین منظر کی جزئیات کی تصویر کشی کی طرف رخ نہیں کرے گا۔ وہ محسوس کرے گا کہ خود بہار بہت خوش ہے۔ اس احساس سے وہ بھی خوش ہوگا اور کہے گا ؂

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں ؛ بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

کبھی وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ بہار بھی کسی کے انتظار میں ہے۔ کہتا ہے ؎

شجر شجر نگراں ہے، کلی کلی بیدار ٭ نہ جانے کس کی نگاہوں کو ڈھونڈھتی ہے بہار

مختصر یہ کہ مناظرِ فطرت کے رنگین سروسامان کو بھی وہ اپنے ہی محسوسات کی سنگار میز پر سجاتا ہے۔

داستان لطیف ہے جی چاہتا ہے کہے جاؤں۔ مگر اس کا نہ موقع ہے نہ وقت۔ اب صرف ایک بات اور عرض کرنا ہے۔ غزل کے مستقبل کے متعلق کبھی کبھی تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ غزل کا مستقبل بہت تابناک ہے۔ اس کا اپنا حُسن اس کی بقا کا ضامن ہے۔ جب تک ذوقِ جمالیاتی قائم ہے۔ ایمائیت اور رمزیت کو سمجھنے کی صلاحیت قائم ہے۔ حسن اور حسن شناس نظر قائم ہے، غزل زندہ اور تابندہ رہے گی۔ اور جب یہ سب کچھ نہ رہے گا، تو غزل بھی نہ رہے گی۔ اور پھر دنیا میں رہ ہی کیا جائے گا۔!

اب مجھے اس انتخاب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہیئے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ انتخاب کا یہ کام حسن انجام تک پہونچا۔ اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہٗ نے اس مجموعے کا مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ میں حضرت مولانا مدظلہٗ کا شکریہ ادا کرنا سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔

اس طرح اشعار کا انتخاب کرنے کی تحریک میرے عزیز دوست جمیلؔ مظہری نے کی اور اس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ ۱۹۴۳ء میں میں نے انتخاب کا کام شروع کیا۔ پیشے کی مشغولیتیں اکثر سدِّ راہ ہوئیں۔ کبھی کبھی ہمّت جواب دینے لگی۔ مگر احباب خصوصاً اخترؔ اورینوی صدر شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی۔ بھائی عبدالغنی صاحب ایڈووکیٹ مونگیر۔ نواب زادہ شہاب الدین احمد خاں اور سمیع احمد ڈپٹی مجسٹریٹ برابر دل بڑھاتے

رہے۔ بہّد حسن نعیم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری ہمّت افزائی کی۔ دورانِ انتخاب بیں اور مجموعے بھی نظر سے گزرے جن سے کچھ مدد ملی۔ اور ہمّت بھی بڑھی۔ مثلاً نغمۂ عنادل، مؤلّفہ راجہ راجیسور راؤ اصغر۔ علم مجلسی عرف شعروں کی ڈکشنری، مؤلّفہ مولوی عزیزالدین صاحب۔ لمعات نور، مؤلّفہ نورالدین صاحب۔ ترکش، مؤلّفہ طاہر صاحب گنگوہی وغیرہ۔ اور اب یہ مجموعہ اس مقام پر آگیا ہے جہاں اس کی اشاعت کی جا سکتی ہے۔ میں جناب مولانا اجمل خاں صاحب سکریٹری حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، وزیر تعلیمات ہند کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری بہت ہمّت افزائی کی۔

ظاہر ہے کہ اس مجموعے کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس طرح کے مجموعے کا صحیح معنوں میں مکمل ہونا بہت مشکل ہے۔ حضرت مولانا آزاد مدظلہٗ نے فرمایا ہے کہ "اس کو جامع و مکمل بنایا جا سکتا ہے۔ اگر مؤلّف اپنی کاوش وجستجو جاری رکھیں۔ اور اصحاب ذوق و نظر بھی ان کی مدد کرتے رہیں۔ مدد کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نئے نئے عنوان اور رمز یہ اشعار آ سکتے ہیں۔ اس طرح کا مواد مؤلّف کو بھیج دیا جائے۔" میں تو اپنی کاوش وجستجو جاری ہی رکھوں گا۔ اربابِ ذوق نے اس طرف توجہ فرمائی تو میں اس کو اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا۔

مجموعے میں غلطیاں بہت ہوں گی۔ ہو سکتا ہے بعض اشعار غلط عنوان میں لکھ دیئے گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اشعار غلط چھپ گئے ہوں۔ یہ بھی ناممکن نہیں کہ شعر کسی کا ہو، اور لکھا گیا ہو کسی اور کے نام سے۔ شعرائے کرام کے سوانح میں بھی غلطیاں ہوں گی خصوصاً تاریخ اور سنہ میں۔ یہ غلطیاں مجھے بتا دی جائیں۔ ان شاءاللہ آئندہ اشاعت میں ان کی اصلاح ہو جائے گی۔

اب اِس "گلستانِ ہزار رنگ" کی گلچینی کی جائے۔ اور دیکھا جائے کہ

چمن زار اُردو میں کیسے کیسے دِلفریب اور دیدہ زیب پھول ہیں۔ ایسے شگفتہ پھولوں پر تو کسی بھی چمنستانِ علم و ادب کو ناز ہو سکتا ہے!

سیّد بہاء الدین احمد
آرہ (بہار)

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

پتہ یوں تو بتاتے ہیں وہ سب کو لامکاں اپنا
مگر معلوم ہے رہتے ہیں وہ ٹوٹے ہوئے دل پر

(نفیس احمد انیس، داؤد نگری)

لاکھ نادان سہی، ایسے بھی ہم کو رنہیں
کہ چمن دیکھ کے ذکرِ چمن آرا نہ کریں

(وحشت کلکتوی)

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

(فانی بدایونی)

میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے
تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

(فانی بدایونی)

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

(میر درد)

میں درِ حرم کے شگاف سے تجھے جھانک لوں یہی تھی ہوس
یہ نہیں تو پھر درِ صومعہ جو قریب ہو تو وہیں سہی

(شاد عظیم آبادی)

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

(اقبال)

جس نے بنائی بانسری گیت اُسی کے گائے جا
سانس جہانتک آئے جائے ایک ہی دُھن بجائے جا

(آرزو لکھنوی)

مجھ کو نہ کیوں کر اُس کی غلامی پہ فخر ہو
محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا

(داغ)

ایمان وعرفاں

ایمان وکفر:-

آپ کا سودائی ہے، کافر ہو یا دیندار ہو
بات اتنی ہے، اب اِس کا جس قدر طُومار ہو

(لاڈلے صاحب بیتابؔ عظیم آبادی)

ہُوبہُو پر تری تصویر ہے سینے سے لگی
کُفر آیا ترے وحشی کو نہ اسلام آیا

(اشرفؔ)

اہلِ ایماں سوزؔ کو کہتے ہیں کافر ہوگیا
آہ یارب! رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہوگیا

(میر سوزؔ)

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مُدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام

[illegible]
اور [illegible] مسلماں [illegible] (سوداؔ)

تسلیم ورضا:-

زہے تقدیر ناکامی کہ تیری مصلحت ٹھہری
تری مرضی سے وابستہ ہوا اللہ رے غم میرا!

(فانیؔ بدایونی)

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

(غالبؔ)

ہماری رضا جوئیوں کو دعا دے — ترے ناز کو بے نیازی سکھا دی

(احسان دانش)

حکم پر ان کے جان دیتا ہوں — میں نہیں جانتا قضا کیا ہے

(حسرت موہانی)

وقفِ تسلیم و رضا چاہیئے دلِ عاشق کا — ساحر آسان نہیں بندۂ جاناں ہونا

(پنڈت امرناتھ ساحر)

اس کو نہ سوچئے کہ ستم یا کرم ہوا — خنجر اٹھا ہے سرِ تسلیم خم ہوا

(احسان علی احسان شاہجہانپوری)

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی — وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

(جگر مرادآبادی)

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم — ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

(حالی)

میں جیا بھی دُنیا میں اور جان بھی دیدی — یہ نہ کھل سکا لیکن آپ کی خوشی کیا تھی

(فانی بدایونی)

دار و رسن :-

بس اتنے پر ہوا ہنگامۂ دار و رسن پیدا — کہ لے آغوش میں کیوں آئینہ مہرِ درخشاں کو

(اصغر گونڈوی)

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں (رند)

گلوئے عشق کو دار و رسن پہنچ نہ سکے — تو لوٹ آئے ترے سربلند کیا کرتے!

(فیض احمد فیض)

راستہ ایک تھا ہم عشق کے دیوانوں کا — قدِ گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے
(سراج الدین ظفر)

آیا ہے کبھی ذکر اگر دار و رسن کا — گیسو و قدِ یار کی بات آ ہی گئی ہے
(مظہر امام)

حرم و دیر :-

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ — زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا
(ریاض خیرآبادی)

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے — تو اگر پردہ اُٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے
(برق)

بیخودی میں ہم تو تیرا در سمجھ کر جھک گئے — اب خدا معلوم وہ کعبہ تھا یا بُتخانہ تھا
(طالب باغپتی)

ہر چند راہِ کعبہ و بُتخانہ ایک ہے — اے راہرو ہے کام یہاں امتیاز کا
(داغ)

ہم نہیں جانتے کچھ دیر و حرم کا رستہ — ہم مئے عشق سے سرشار چلے جاتے ہیں
(داغ)

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے — مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
(داغ)

جبر و اختیار :-

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی — چاہیں ہیں سو آپ کریں ہیں مفت ہمیں بدنام کیا
(میر تقی میر)

چلا عدم سے میں جبراً تو بول اٹھی تقدیر
بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا
(ناسخ)

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے
(فانی)

یاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور صبح کو جوں توں شام کیا
(میر)

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
ماتھے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں
(فانی)

تدبیر کیا ہے آپ کی جانب سے حکم کار
تقدیر کیا ہے آپ کا منشا کہیں جسے
(آزاد انصاری)

وہ جبر کی لذتوں کا عالم!
باز آئے اس اختیار سے ہم
(تیر مرتضیٰ)

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے
(ذوق)

ظاہر و باطن :-

اس عالمِ اسباب کے ظاہر پہ نہ جانا
آثار عیاں اور ہیں، آثار نہاں اور
(عباس سہارنپوری)

اہلِ ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش
کچھ نہ پائیں گے وہاں رنج و مصیبت کے سوا
(حسرت موہانی)

مجاز و حقیقت :-

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیان نہیں ملتا
(فانی)

مجاز کیسا کہاں حقیقت ابھی تجھے کچھ خبر نہیں ہے
یہ سب ہے اک خواب کی سی حالت جو دیکھتا ہو سحر نہیں ہے
(اصغر گونڈوی)

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ مستی وہ ترا عالمِ ہوش
(فانی)

حل کر لیا مجاز و حقیقت کے راز کو
پائی ہے میں نے خواب میں تعبیر خواب کی
(اصغر گونڈوی)

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
(اقبال)

معرفتِ الٰہی :-

کوئی اُن کو سمجھ بھی لے تو پھر سمجھا نہیں سکتا
جو اس حد پر پہنچ جاتا ہے وہ خاموش رہتا ہے
(نخشب جارچوی)

عاشقی سے ملے گا اے زاہد
بندگی سے خدا نہیں ملتا
(داغ)

اُن کا پتہ ملا تو پھر اپنا پتہ کہاں
اب آشنا کہاں کوئی نا آشنا کہاں!
(مضطر مظفرپوری)

قضا و قدر :-

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے
(فانی)

میری قسمت میں خدا جانے کہاں سے آگئے
وہ جو خم ہیں آپ کی زلفِ پریشاں کے لئے
(اختر)

کسی کی ناؤ کو طوفاں نے غرقِ آب کیا
کسی کی ناؤ کنارے اسی بہانے لگی
(جمیل مظہری)

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہے ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
(اقبال)

قیدِ تعیّن :-

پیچ حسنِ تعیّن سے ظاہر ہو کہ باطن ہو
یہ قیدِ نظر کی ہے یہ فکر کا زنداں ہے
(اصغر گونڈوی)

کچھ تعیّن نہیں اس راہ میں چوں ریگِ رواں
جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے
(شیخ بقاء اللہ بقا)

وہم و یقیں :-

عقل دوڑائی بہت کچھ تو گماں تک پہنچے
کچھ حقیقت بھی ہے انساں کی کہاں تک پہنچے
(بیتاب عظیم آبادی)

کون جانے کہ ترے حسن شناسانِ ازل
کتنے اوہام سے گزرے تو یقیں تک پہنچے
(روش صدیقی)

رخ سے پردے کو ہٹا حسن یقیں تک پہنچا
آخر انساں ہوں، یوں عقل کہاں تک پہنچے
(بیتاب عظیم آبادی)

وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا
نارسائی سی نارسائی ہے
(فانی)

آفرینش

ابتدا و انتہا:-

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

(حسرت موہانی)

ابتدا وہ تھی کہ دنیا تھی ملامت گر مری انتہا یہ ہے کہ کوئی کچھ نہیں کہتا مجھے

(آسی الدنی)

ابتدا وہ تھی کہ جینے کے لئے مرتا تھا انتہا یہ ہے کہ مرنے کی بھی حسرت نہ رہی

(ماہر القادری)

ابتدا وہ تھی کہ جینا تھا محبت میں محال انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

(جگر مرادآبادی)

انسان :-

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

(میر)

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزوِ ضعیف اور اس ضعیف سے کُل کام دو جہاں کے لئے

(ذوق)

فطرتِ آدم میں تھی اللہ کیا نشو ونما! ایک مٹھی خاک یوں پھیلی کہ دنیا ہو گئی

(ثاقب لکھنوی)

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا یہ چیز وہ ہے جو دیکھی کہیں کہیں میں نے

(اقبال)

یوں اگر دیکھئے کیا کچھ نہیں یہ مشتِ غبار
اور اگر سوچئے تو خاک بھی انساں میں نہیں
(پنڈت دتاتریہ کیفی)

ظفر آدمی اسکو نہ جانیگا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا
(بہادر شاہ ظفر)

قطرۂ تنک مایہ بحرِ بیکراں ہے تو
اپنی ابتدا ہوکر اپنی انتہا ہو جا
(اصغر گونڈوی)

انجام :-

غضب ہے جستجوئے دل کا یہ انجام ہو جانا
کہ منزل دور ہو اور راستے میں شام ہو جانا
(شعری بھوپالی)

بہار انجام سمجھوں اس چمن کا یا خزاں سمجھوں
زبانِ برگِ گل سے مجھ کو کیا ارشاد ہوتا ہے؟
(اصغر گونڈوی)

خیر اے عہدِ محبت، ترے انجام کی خیر
انتہا کی یہ مسرت ہے جو آغاز میں ہے
(رضا لکھنوی)

پہلی سی رکاوٹ نہیں، اب ہے نظرِ لطف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
(نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال)

حالِ انجامِ عشق کیا کہیئے
اب تو ہم بھی لگے ہیں پچھتانے
(فراق گورکھپوری)

دنیا :-

نظر اور ذوقِ نظر دینے والے
عجب شے بنا دی ہے دنیائے فانی!
(حفیظ جالندھری)

ہر شام ہوئی صبح کو اِک خواب فراموش — دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

(یگانہ چنگیزی)

سرسری تم جہان سے گذرے — ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

(میر)

اے ساکنانِ دہر یہ کیا اضطراب ہے! — ایسا کہاں خراب جہانِ خراب ہے

(فراق گورکھپوری)

ہے یہ دنیا ایک ہی افسانۂ ناکام شوق — جس نے جو چاہا الگ تجویز عنواں کر دیا

(تلوک چند محروم)

دُنیا بس اِس سے اور زیادہ نہیں ہے کچھ — کچھ روز ہیں گذارنے اور کچھ گذر گئے

(مسیح الملک حکیم اجمل خاں شیدا)

پردۂ دہر کچھ نہیں، ایک ادائے شوخ ہے — خاک اُٹھا کے ڈالدی دیدۂ امتیاز میں

(اصغر گونڈوی)

تو بہت سمجھا تو کہہ گذرا فریب رنگ و بُو — یہ چمن لیکن اسی کی جلوہ گاہ ناز ہے

(اصغر گونڈوی)

بہت کچھ اور بھی ہے اس جہاں میں — یہ دنیا محض غم ہی غم نہیں ہے

(اسرار الحق مجاز)

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی — ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

(لامعلوم)

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور — اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائینگے

(؟)

ہے اس انجمن میں یکساں عدم و وجود میرا
کہ جو میں یہاں نہ ہوتا یہی کاروبار ہوتا
(اسمٰعیل میرٹھی)

جہاں سے تو رختِ اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے
(میر)

دل نشیں دہر کے نقشوں کو نہ ہونے دیجئے
اس خیاباں سے گزرنا چاہیے دریا ہو کر
(جعفر عباس جعفر سہارنپوری)

سمجھتا ہوں کہ دُنیا میں ہمیشہ رنج سہنا ہے
مگر پھر کیا کروں آسیؔ، اسی دُنیا میں رہنا ہے
(آسی الدنی)

سمجھ تو لی ہے دُنیا کی حقیقت
مگر اب اپنا دل بہلا رہا ہوں
(آسی الدنی)

اچّھا ہوا کہ چھوٹی خود مجھ سے فکرِ دُنیا
جتنا خیال کرتے اتنا ملال ہوتا
(آسی الدنی)

حاصلِ کارگہِ کون و مکاں کچھ بھی نہیں
سچ تو یہ ہے کہ یہ اسبابِ جہاں کچھ بھی نہیں
(پروفیسر شمس الدین شمس عظیم آبادی)

نہ تھی خرابۂ دُنیا میں اتنی وسعت بھی
کہ بیٹھ کر کسی گوشے میں رو لیا کرتے
(آسی الدنی)

مرنے کی دُعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنّا کون کرے
یہ دُنیا ہو یا وہ دُنیا اب خواہشِ دنیا کون کرے
(معین احسن جذبی)

کیا ہوں میں :-

اسی تلاش و تجسّس میں کھو گیا ہوں میں
اگر نہیں ہوں تو کیونکر، جو ہوں تو کیا ہوں میں
(جگر مرادآبادی)

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں، سو وہ بھی کیا معلوم!
(فانی)

ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی
تمام عمر لگی پر مہم یہ سر نہ ہوئی
(میر حسن)

خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا
(یگانہ چنگیزی)

میں ہوں وہ مست جس کا ایک جرعہ زمزم و کوثر
میں اس تکوین کے خمخانے میں صہبائے وحدت ہوں
(ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم آبادی)

حذر کریں مجھ سے اہل خلوت کہ میں اک شعلۂ نوا ہوں
تو لو چراغ حرم ہی اب تک، وہ مشعل رہگذر بھی ہوگی
(مجتبیٰ حسن رضوی)

ترا جمال ہے، تیرا خیال ہے، تو ہے
مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں
(اصغر گونڈوی)

ہستی و نیستی :-

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
(شاد عظیم آبادی)

نہ کچھ فنا کی خبر ہے نہ ہے بقا معلوم
بس ایک بے خبری ہے، سو وہ بھی کیا معلوم
(اصغر گونڈوی)

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
(غالب)

جہاں افسانۂ ہستی میں ہے الجھا ہوا اختر
حقیقت پردۂ اسرار میں گم ہوتی جاتی ہے (علی اختر اختر)

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے
(غالبؔ)

نمود و نہ ہونے کا ہو عدم، کیا اسے ہونا کہتے ہیں
نیست نہ ہو تو ہست نہیں، ہستی کی کیا ہستی ہے
(فانیؔ)

حیات بیخودی کچھ ایسی نا محسوس تھی ناطقؔ
جب آئی تو مجھ کو اپنی ہستی کا یقیں آیا
(حکیم ناطقؔ لکھنوی)

مقام اور بھی ہیں دانش آزما لیکن
طلسمِ ہستیِ فانی! ترا جواب نہیں
(علی اختر اخترؔ)

نشیب و فراز:۔

بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا
(یگانہؔ چنگیزی)

وہ کیا سمجھ سکیں گے نشیب و فرازِ دہر
جو چل رہے ہیں راہ کو ہموار دیکھ کر
(ثاقبؔ لکھنوی)

پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا
(یگانہؔ چنگیزی)

پتلوں سے خاک کے یہ گڑھے بھر چکیں کہیں
دھبّا مٹے زمیں کے نشیب و فراز کا
(آتشؔ)

سوجھا ہمیں نشیب و فراز زمانہ تب
جب عشق کی بلندی و پستی نظر پڑی
(میر حسنؔ)

مری رفعتوں سے لرزاں کبھی مہر و ماہ و انجم　　مری پستیوں سے خائف کبھی اوجِ خسروانہ

(معین احسن جذبی)

اوامر و نواہی

سزا و جزا

اوامر و نواہی :-

مجھ سا بھی کوئی ہو گا محروم دین و دنیا　　ردکردۂ اوامر، حسرت کشِ مناہی

(؟)

منع ہے لذّتِ غم بھی فانی　　ہمہ گیریِ نواہی کو نہ پوچھ

(فانی)

بندگی :-

یہی ہے زندگی اپنی، یہی ہے بندگی اپنی　　کہ اُن کا نام آیا اور گردن جھک گئی اپنی

(ماہر القادری)

نہ بتخانے کو جاتے ہیں نہ کعبے میں بھٹکتے ہیں　　جہاں تم پاؤں رکھتے ہو وہاں ہم سر پٹکتے ہیں

(رکن الدین عشق عظیم آبادی)

بندہ پرور! میں وہ بندہ ہوں کہ بہرِ بندگی　　جس کے آگے سر جھکا دوں گا خدا ہو جائے گا

(آزاد انصاری)

اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے　　پھر جو دیکھا تو واں خدائی ہے

(مشتاق)

پارسائی و رندی :-

پوچھتی ہے وہ نرگس مخمور　　کس کو دعویٰ ہے پارسائی کا　(؟)

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ دیں کو — خلل دماغ میں ہے تیرے پارسائی کا

(سودا)

پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو — ایک جاگہ آگ پانی کیونکہ ہو

(غلام مصطفیٰ یکرنگ)

حسن گر پارسا ہوں میں تو ناچاری سے ہوں ورنہ — نظر ہے جام پر میری سدا اور دل ہے شیشے میں

(میر حسن)

نہیں ملنے تک اے شیخِ حرم سارا تقدس ہے — برہمن دے تو سجدے کر کے مٹی کے صنم لے لو!

(امیر مینائی)

ہو گئے نامِ بتاں سنتے ہی مومن بیقرار — ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

(مومن)

جب دیکھئے تو ہے مئے و معشوق پر نگاہ — باایں ہمہ ریاض بڑے پارسا بھی ہیں

(ریاض خیرآبادی)

حضرت آزاد، آپ اور اتقا! — کاش ظاہر ہو کہ یہ کیا راز ہے!

(آزاد انصاری)

مئے و مینا سے یاریاں نہ گئیں — میری پرہیزگاریاں نہ گئیں

(حسرت موہانی)

بڑے پاک باطن، بڑے صاف طینت — ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

(ریاض خیرآبادی)

پارسائی کی جوانمرگی نہ پوچھ — توبہ کرنی تھی کہ بدلی چھا گئی

(اختر شیرانی)

نہ مزہ کوئی غارتِ ایماں — رہ گئی شرم پارسائی کی

(حالیؔ)

شب کو مئے خوب سی پی، صبح کو توبہ کر لی — رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی

(ضامن علی جلالؔ)

بات رندی کی مجھ کو آتی ہے — پارسائی کی پارسا جانے

(جوشؔ ملسیانی)

پاکئ دامن :-

اتنا نہ بڑھا پاکئ دامن کی حکایت — دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

(مصطفیٰ خاں شیفتہؔ)

حُسنِ عمل :-

مشق نگیں جو ہم سے ہوا کام، رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

(میرؔ درد)

کیا پُوچھنا ہے اُن کا حسینوں پہ جو مٹے — کیا کہنا جن کے ساتھ یہ حُسنِ عمل گیا!

(ڈاکٹر مبارکؔ عظیم آبادی)

اے فلک کچھ تو اثر حسنِ عمل میں ہوتا — شیشہ اک روز تو واعظ کے بغل میں ہوتا!

(آتشؔ)

جزا :-

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — اے بے خبر جزا کی تمنّا بھی چھوڑ دے

(اقبالؔ)

جنّت :-

سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دُرست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو
(غالبؔ)

جنّت کو اُن کے حُسن سے پہچانتا ہوں میں
جنّت ہے اُن کی صورتِ زیبا مرے لئے
(عابدؔ لاہوری)

گئے جنّت میں اگر سوزِ محبت والے
تو یہ جانو رہے دوزخ میں یہ جنّت والے
(ذوقؔ)

جائے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنّت گئی جہنم میں
(میرؔ)

جنت و جہنم :-

تیرا ملنا ترا نہیں ملنا
اور جنّت ہے کیا جہنّم کیا
(جگرؔ مرادآبادی)

مجھے واعظ کی جنّت کی حقیقت آگ کی دھمکی
کسی کا فرادا کی ہاں نہیں معلوم ہوتی ہے
(عظیم الدین احمد عظیمؔ، عظیم آبادی)

رحمت :-

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہئے!
(فانیؔ)

بیٹھے بیٹھے مجھے آیا ہے گناہوں کا خیال
آج شاید تری رحمت نے کیا یاد مجھے
(احسانؔ دانش)

اس طرف رُخ تری رحمت کا جو دیکھا دمِ حشر
مِل گئے دَوڑ کے زاہد بھی گنہگاروں میں
(؟)

سزا:-

سو جان سے ہو جاؤں گا راضی میں سزا پر
پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کرلیں
(اکبرؔ الہ آبادی)

اے حُسن! جو سزائے تمنّا ہو وہ قبول
لیکن مری نظر کو پھر اِک بار دیکھ کر
(دلؔ شاہجہاں پوری)

سزائیں تو ہر حال میں لازمی تھیں
خطائیں نہ کرکے پشیمانیاں ہیں
(آزادؔ انصاری)

مجھ کو شکایتِ ستم ناروا نہیں
دل کی سزا یہی ہے تمہاری خطا نہیں
(فانیؔ)

مرے شوقِ سزا کا خوفناک آغاز تو دیکھو
کسی کا جرم ہو، اپنی خطا معلوم ہوتی ہے
(آزادؔ انصاری)

طاعت و عبادت:-

جانتا ہوں ثواب طاعت و زُہد
پَر طبیعت اِدھر نہیں آتی
(غالبؔ)

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو
(غالب)

عطا:-

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوہ کوتاہیٔ داماں ہوجائے (نسیمؔ دہلوی)

نگاہِ لطف و عنایت سے فیضیاب کیا
مجھے حضور نے ذرّے سے آفتاب کیا
(جلیل مانکپوری)

غلط ہو جاتے ہیں سب رنج و غم ایسا بھی ہوتا ہے
کبھی اُس بُت کا اندازِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
(مضطر مظفرپوری)

بخششِ یار جو مخصوص تھی مجھ سے لے والے
اب وہی مایۂ نازِ دگراں ٹھہری ہے
(حسرت موہانی)

قیامت :-

ملا جو موقع تو روک لوں گا جلال روزِ حساب تیرا
پڑھوں گا رحمت کے وہ قصیدے کہ ہنس پڑیگا عتاب تیرا
(جوش ملیح آبادی)

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے
(محمد یار خاکسار)

اُٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت
کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو
(ریاض خیرآبادی)

یاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ
ہم تو سمجھے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا
(")

اک حشر اور چاہیئے اس رُوسیاہ کو
فانی زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا
(فانی بدایونی)

کیا جانیئے کہ حشر ہو کیا صبح حشر کا
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں
(")

سُنتا ہوں کہ ہنگامۂ دیدار بھی ہوگا
اک اور قیامت ہے یہ بالائے قیامت (فانی)

حشر کی دُھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں
(محمد علی تشنہ)

ایک میدانِ قیامت ہی پہ موقوف نہیں
تم قدم رکھتے جہاں پر وہیں محشر ہوتا
(بیتاب عظیم آبادی)

گناہ و خطا:۔

بیخبر! دلکشیٔ دہر کو الزام نہ دے
تیری فطرت نے سکھایا تجھے عصیاں کرنا
(آسی اُلدنی)

عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے، رازِ بلندی پستی ہے
(فانی بدایونی)

سنا ہے حشر میں شانِ کرم بیتاب نکلے گی
لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیاں کو
(اصغر گونڈوی)

تیری ہزار برتری، تیری ہزار مصلحت
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں
(اصغر گونڈوی)

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
(غالب)

رکھتا ہے تلخ کامِ غمِ لذتِ جہاں
کیا کیجئے کہ لطف نہیں کچھ گناہ میں
(ناطق گلاوٹھی)

مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے
(جگر مرادآبادی)

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھئے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا (حسرت موہانی)

تیری اک ایک ادا ایسی تھی — اپنی اک ایک خطا مان گئے

(زہرہ نگاہ)

گناہگار :-

گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل — غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہے

(فانی بدایونی)

جو ٹھوکر ہی نہیں کھاتے وہ سب کچھ ہیں مگر واعظ — وہ جنکو دستِ رحمت خود سنبھالے اور ہوتے ہیں

(پنڈت ہری چند اختر)

غیرت سے رنگِ نامۂ اعمال اُڑ نہ جائے — کیفیتِ نگاہِ گنہگار دیکھکر

(یگانہ چنگیزی)

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی — دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

(فانی بدایونی)

تلاش و جستجو

آبلہ پا :-

شکوۂ آبلہ ابھی سے میر — ہے پیارے ہنوز دلّی دُور

(میر)

تڑپ کے آبلہ پا اُٹھ کھڑے ہوئے آخر — تلاشِ یار میں جب کوئی کارواں نکلا

(یگانہ چنگیزی)

دُعا دیتی ہیں راہیں آج تک مجھ آبلہ پا کو — مرے قدموں کی گلکاری بیاباں سے چمن تک ہے

(مجروح سلطانپوری)

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوزِ دروں
آبلے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے
(شبلی نعمانی)

یہ صحبتیں بھی دیکھئے لاتی ہیں رنگ کیا
مہمانِ خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں!
(فانی بدایونی)

بیدردی سے طے کیجئو نہ راہ طلب یار
ہاں ٹوٹنے پائے نہ کوئی پاؤں کا چھالہ
(راسخ عظیم آبادی)

بگولہ:-

جن کو ہم سمجھا کئے ابر بہار
وہ بگولے کتنے گلشن کھا گئے
(احمد ندیم قاسمی)

ہرچند بگولہ مضطر ہے، اِک جوش تو اس کے اندر ہے
اِک وجد تو ہے، اِک رقص تو ہے، بیچین سہی، برباد سہی
(اکبر الہ آبادی)

جستجو:-

کہاں کہاں دلِ مشتاقِ دید نے نہ کہا
وہ چمکی برقِ تجلی، وہ کوہِ طور آیا!
(داغ)

اُسے ڈھونڈھتے میر کھوئے گئے
کوئی دیکھے اِس جستجو کی طرف!
(میر)

دل کو ہونا تھا جستجو میں خراب
پاس تھی ورنہ منزلِ مقصود
(معین احسن جذبی)

بھٹکتی ہیں نظریں مری ہر طرف
خدا جانے کس بھیس میں تو ملے
(افسر میرٹھی)

سرحدِ عقل سے پرے، رفعتِ عرش سے بلند
جانے کہاں نکل گیا، میں تجھے ڈھونڈھتا ہوا
(اثر صہبائی)

ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا
نکل گئے ہیں بہت دُور جستجو سے ہم
(ریاض خیرآبادی)

جُستجو میں تری ہم آوارہ
منزلِ مہر و ماہ تک پہنچے
(پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی)

جا کے شاید پلٹ آتا ہوں کہ منزل کے قریب
نظر آتا ہے مجھے نقشِ کفِ پا اپنا
(فانی بدایونی)

پہلے ہستی کی جُستجو ہے ضرور
پھر جو گُم ہو تو جُستجو نہ کرے
(اصغر گونڈوی)

حسرتِ ناکام میری کام سے غافل نہیں
اِک طریقِ جستجو یہ دردِ مہجوری بھی ہے
(اصغر گونڈوی)

عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے
ہوائے گُل میں ہم کس وادیٔ پُرخار میں آئے
(آتش)

اُٹھائے جا کے کہاں لُطفِ جُستجو کوئی
جگہ وہ کون سی ہے تو جہاں نہیں ہوتا
(عزیز لکھنوی)

شرط اُن کی جُستجو تھی، نہ پایا، نہیں سہی
یہ تو نہیں ہوا کہ ہم ارماں نہ کر سکے!
(ناطق گلاؤٹھی)

نشانِ منزلِ جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جُستجو میرا
(وحشت کلکتوی)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

(حالی)

جرس :-

تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

(اقبال)

آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلےٰ
صد حیف کہ مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا!

(ذوق)

رہرواں کہتے ہیں جس کو جرس محمل ہے
محنتِ راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے

(شیخ بقاءاللہ بقا)

ایک دن تجھ سے سُلگ اُٹھتے نہ دیکھا کارواں
اے جرس! حاصل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا!!

(سودا)

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(؟)

خار :-

سرخیٔ خارِ بیاباں یہ نشاں دیتی ہے
کہ یہاں سے ترے دیوانے یہاں تک پہنچے

(بیتاب عظیم آبادی)

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہو گی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

(مومن)

گلشن پرست ہوں مجھے گُل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

(جگر مرادآبادی)

کانٹوں کا بھی کچھ حق ہے آخر
کون چھڑائے اپنا دامن
(جگرؔ مراد آبادی)

راہ و راہبر:-

الٰہی راہِ محبت کو طے کریں کیونکر
یہ راستہ تو مسافر کے ساتھ چلتا ہے
(احمد سہارنپوری)

منزل کی جستجو سے پہلے کسے خبر تھی
رستوں کے پیچ ہوں گے اور رہنما نہ ہوگا
(آزادؔ انصاری)

ٹھہرا گیا ہے لا کے جو منزل میں عشق کی
کیا جانے رہنما تھا کہ رہزن تھا، کون تھا
(آغا حجوؔ شرف)

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
(غالبؔ)

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے
بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے
(آتشؔ)

رہِ غربت میں اپنا زورِ پائے ناتواں تک ہے
مگر اس کا بھروسہ کیا ہے، یہ بھی ہے جہاں تک ہے
(ناطقؔ گلاؤٹھی)

سفر:-

سفر ضرور ہے اور عذر کی مجال نہیں
مزہ تو یہ ہے، نہ منزل نہ راستہ معلوم
(شادؔ عظیم آبادی)

یہ طولِ سفر، یہ نشیب و فراز
مسافر کہاں تک سنبھلتا رہے
(عرشؔ ملسیانی)

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے
(آتش)

محل سجا ہوا پے عزمِ سفر ہے آج
اے جانِ قیس! تیرا ارادہ کدھر ہے آج؟
(؟)

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
(واجد علی شاہ اختر)

طُور :-

دیکھا ہے برق طُور کو بھی فرشِ خاک پر
افتادگیٔ عشق اگر نارسا نہ ہو
(اصغر گونڈوی)

نہ روکے طُور، تو ہم جائیں عرش سے اُونچے
ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا
(ریاض خیرآبادی)

غبارِ راہ :-

گر خاک ہی ہونا تھا مجھ کو، تو خاک رہِ صحرا ہوتا
اک کوششِ پیہم تو ہوتی، اُٹھتا ہوتا، گرتا ہوتا
(جمیل مظہری)

ہوئے ہیں خاک سرِ راہ اس کے ہم انشاؔ
بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے
(انشا)

قافلے یا مٹ گئے یا بڑھ گئے
اب غبارِ راہ بھی اُٹھتا نہیں
(فراق گورکھپوری)

قُرب و دوری :-

دل ہی میں نہیں رہتے آنکھوں میں بھی رہتے ہو
تم دُور بھی رہتے ہو، تو دُور نہیں رہتے
(فانی بدایونی)

میری محرومی کی راہوں سے یہ دی اُس نے صدا
قُرب کی راہوں میں میری راہ اِک دُوری بھی ہے
(اصغر گونڈوی)

جنہیں حاصل ہے تیرا قُرب خوش قسمت سہی لیکن
تری حسرت لئے مرجانے والے اور ہوتے ہیں
(ہری چند اختر)

کارواں :-

جھپک رہی ہیں زمان و زمین کی آنکھیں
مگر ہے قافلہ آمادۂ سفر پھر بھی
(فراق گورکھپوری)

ہزار گردشِ شام و سحر سے گذرے ہیں
وہ قافلے جو تری رہگذر سے گذرے ہیں
(صوفی تبسم)

سفر کرتے ہوئے منزل بہ منزل جا رہے ہیں ہم
مجھے یہ ساری دُنیا کارواں معلوم ہوتی ہے
(تلوک چند محروم)

اندھیری رات، تھکی ہمتیں، گراں منزل
سلامتی کی دُعا مانگ کارواں کے لئے
(نہال سیوہاروی)

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا
(مجروح سلطانپوری)

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں
(میر)

گمرہی :-

جمیل کو گمرہی مبارک، کہ اب تو سامان بھی وہی ہے
جو دل کی وحشت کا ہے تقاضا، خرد کا میدان بھی وہی ہے
(جمیل مظہری)

اللہ رے گمرہی، بُت و بُتخانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اِک پارسا کے ساتھ!
(مومن)

تنہا اُٹھا لوں میں بھی ذرا لُطفِ گمرہی
اے رہنما مجھے مری قسمت پہ چھوڑ دے
(ہمایوں شاہ)

مُسافر:-

مُسافر رہ نا آشنائے منزل ہیں
مثالِ ریگِ رواں جائیں گے کہاں؟ دیکھیں!
(دوست علی خلیل)

ہے رُوح تاریکیوں میں حیراں بُجھا ہوا ہے چراغ منزل
کہیں سرِ راہ یہ مُسافر پٹک نہ دے بوجھ زندگی کا
(جمیل مظہری)

نہ پوچھو کون ہیں، کیوں راہ میں ناچار بیٹھے ہیں
مُسافر ہیں، سفر کرنے کی ہمّت ہار بیٹھے ہیں
(آزاد انصاری)

نہ کوئی سہارا، نہ کوئی ٹھکانہ
چلے جا رہے ہیں چلے جانے والے
(فراق گورکھپوری)

منزل:-

نہیں مجھے جستجوئے منزل کہ خود ہے منزل مری طلب میں
کوئی تو مُجھ کو بلا رہا ہے، کسی طرف کو تو جا رہا ہوں
(وحشت کلکتوی)

اِک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب
(حسرت موہانی)

گرا پڑتا ہوں کیوں ہر ہر قدم پر
الٰہی آ گئی کیا پاس منزل!
(معین احسن جذبی)

جہاں یہ چاک گریباں بھی چاک دل بنجائے
گذر رہے ہیں اب ان منزلوں سے دیوانے
(اقبال صفی پوری)

پھر میں آیا ہوں ترے پاس لئے امیرِ کارواں
چھوڑ آیا تھا جہاں تو، وہ مری منزل نہ تھی
(سیماب اکبرآبادی)

فریب کھاتا ہے ہر ہر قدم پہ منزل کا
وہ کیا کرے کہ نہ دیکھا ہو جس نے منزل کو
(وحشت کلکتوی)

بہت سمجھے ہوئے ہے شیخ راہ و رسمِ منزل کو
یہاں منزل کو بھی ہم جادۂ منزل سمجھتے ہیں
(اصغر گونڈوی)

منزلِ عشق تک نہ پہنچا آہ
میں تو چلتے ہی چلتے ہار گیا
(میر شبیر علی افسوس)

تیری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا
سرحدِ عقل سے گذرے تو یہاں تک پہنچے
(حفیظ ہوشیارپوری)

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا
تھی جس پہ تری مہر، وہی خیر سے پہنچا
(شاہ غلام مرتضیٰ جنوں عظیم آبادی)

ہم تھک کے گرے گر کے اُٹھے، اُٹھ کے چلے بھی
تجھ پر اثر اے دوریِ منزل نہیں ہوتا!
(ریاض خیرآبادی)

منزلیں گرد کے مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گذراں ہے کہ جو تھا
(فراق گورکھپوری)

کٹتے بھی چلو، بڑھتے بھی چلو، بازو بھی بہت ہیں، سر بھی بہت
چلتے بھی چلو کہ اب ڈیرے، منزل ہی پہ ڈالے جائیں گے (فیض احمد فیض)

حُسن

بیدادِ حُسن :-

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانے میں
(سودا)

نہ خوفِ آہ بُتوں کو، نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے اِن دل دُکھانے والوں کا
(ضامن علی جلال)

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تُم نے محبّت کی ہر رسم اُٹھا ڈالی
(فانی بدایونی)

ہے قلمرو میں حُسن کے سب کچھ
اِک نہیں ہے سو دادرس اس میں
(ضیاء الدین ضیا)

سرجُھکا کر چلنے والے سانولے شانے کے مرے
غور کرتا چل ذرا اِس پر، یہ مجھ پر کیا ہوا
(عزیز لکھنوی)

نہ ہو لُطف، بیداد بھی کم نہیں
سلامت رہو تم مجھے غم نہیں
(جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

ہائے اس برقِ جہاں سوز پہ آنا دل کا
سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا
(شیفتہ)

ستم کو اُن کے سرمایہ سمجھ اپنی سعادت کا
بڑی تقدیر اس کی ہے وہ جس پر ناز کرتے ہیں
(بتیاب عظیم آبادی)

یہ بھی احسان ہے اس کا جو وہ بیداد کرے
ورنہ کیا اس کو غرض، کیوں وہ مجھے یاد کرے
(بتیاب عظیم آبادی)

حُسن :-

کارفرما ہے فقط حُسن کا نیرنگِ کمال
چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے
(اصغر گونڈوی)

اپنے حُسن کو ذرا تو مری نظر سے دیکھ
دوست شش جہات میں کچھ ترے سوا نہیں
(تاجور نجیب آبادی)

کثرتِ حُسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سُنی
برق لرزاں ہے کوئی گرمِ تماشا کیا ہوا!
(حسرت موہانی)

حُسن کا دریا فضا میں ہر طرف لہرائے ہے
دیکھنا اے دل! نظر کی ناؤ ڈوبی جائے ہے!
(پرویز شاہدی)

تمہیں کیونکر بتائیں دل پہ جو اپنے گذرتی ہے
تمہیں کیونکر دکھائیں تم میں جو عالم نکلتا ہے
(ریاض خیر آبادی)

ہاں ہاں، تمہارے حُسن کی کوئی خطا نہ تھی
میں حُسنِ اتفاق سے دیوانہ ہو گیا!
(؟)

وئی مانی کے صدقے ہو، کوئی بہزاد کے صدقے
تری صورت جسے لکھی جس ہم اس اُستاد کے صدقے
(نیر اعلیٰ علی شاہجہاں آبادی)

ہے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے
(جگر مرادآبادی)

یکھ کر اُن کو نظر میں یہ اثر ہوتا ہے
جس طرف دیکھئے اِک حُسنِ نظر ہوتا ہے
(ناطق لکھنوی)

ظر میں ہیں مرے ساحر! وہ حُسن کے جلوے
کہ حیرتی ہو نظر، دیکھ کر نہ دیکھ سکے
(امرناتھ ساحر)

حُسن ہے بے نیازِ عشق و ہوس
ہم بھی ناکام ہیں عدو ہی نہیں
(حسرت موہانی)

حُسن کو اِک حُسن ہی سمجھے نہیں ہم اے فراقؔ!
مہرباں نامہرباں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم
(فراق گورکھپوری)

تو جو چاہے کہ رہے حُسن پہ مغرور سدا
یہ غلط ہے نہیں نبھنے کا یہ دستور سدا
(گھاسی رام خوشدل)

حُسن و عشق:-

پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشاں نہ تھا
تھا حُسن میزبان، کوئی میہماں نہ تھا
(حالی)

ہزار حُسن دل آرائے دوجہاں ہوتا
نصیبِ عشق نہ ہوتا تو رائیگاں ہوتا
(روش صدیقی)

حُسن عشق میں ہے یا عشق حُسن میں مضمر
جوہر آئینہ میں یا آئینہ ہے جوہر میں
(پنڈت دتاتریہ کیفی دہلوی)

حُسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا
(فانی بدایونی)

یہ حسن و عشق میں کیا ربط ہے خدا جانے
چراغِ بزم کو لَو دے رہے ہیں پروانے
(مہدی حسن مہدی شیخوپوروی)

حُسن وہ خواب نہیں ہے جو مکمل ہو کبھی
عشق وہ کیف نہیں ہے کہ جو کامل ہو جائے
(روش صدیقی)

عشق کا وجدان ہر پہلو سے ہے بے قید و بند — حُسن کو جس رُخ سے دیکھو گے اسیرِ ناز ہے

(احسان دانش)

عشق اک تشنہ لبی ہے بہ نظر گاہِ مجاز — حُسن اک طنز ہے اس تشنہ لبی پر اے دوست

(جمیل مظہری)

یہ مانا حُسن کی فطرت بہت نازک ہے اے وامق — مزاجِ عشق کی لیکن نزاکت اور ہوتی ہے

(وامق جونپوری)

اثرِ حُسن یار سے آخر — آ گئی عشق میں بھی رعنائی

(حسرت موہانی)

یہ ماہتاب نہیں ہے کہ آفتاب نہیں — کبھی ہے حُسن، مگر عشق کا جواب نہیں

(اسرار الحق مجاز)

معرکہ ہے آج حُسن و عشق کا — دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں

(داغ)

حُسن کے بھی ڈگمگانے ہیں قدم — عشق کرتا ہے جہاں دارائیاں

(جگر مرادآبادی)

حُسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجھ کو دیوانہ کیا، تجھ کو پریزاد کیا

(میاں صلاح الدین تمکین)

عرش تک تو لے گیا تھا ساتھ اپنے حُسن کو — پھر نہیں معلوم اب خود عشق کس منزل میں ہے

(اصغر گونڈوی)

حُسن پرستی :-

دل سے شوقِ رخِ نکو نہ گیا — جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

(میر)

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں — میری بے اختیاریاں نہ گئیں

(حسرت موہانی)

حُسنِ سیرت :۔

حُسن صورت کیلئے خوبیٔ سیرت ہے ضرور — گُل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

(آسی جونپوری)

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا — سرخ و سفید ماٹی کی مورت ہوئی تو کیا

(خواجہ احسن اللہ بیاں)

رُعبِ حُسن :۔

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جانا — کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب!

(سراج اورنگ آبادی)

وہ رعبِ حُسن تھا کہ بن آئی نہ ہم سے بات — یوں حالِ دل کہا کہ نہ کہنا کہیں جسے

(تلوک چند محروم)

ٹوٹتے ہیں رات بھر تارے، یہ رعبِ حُسن ہے — بے خبر یوں آپ کوٹھے پر نہ سویا کیجئے

(ناصری)

فریبِ حُسن :۔

فریبِ حُسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا — خدا کی یاد بھولا شیخ، بُت سے برہمن بگڑا

(آتش)

یوسفِ بے کارواں :۔

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے — اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

(خواجہ وزیر)

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو | یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
(شمس الدین جان جاناں مظہر)

دل و کیفیاتِ دل

بے تمنائیِ دل :-

بے تمنائی نے برہم انگ محفل کر دیا | دل کی بزم آرائیاں تھیں آرزوئے دل کیسا تھ
(امرناتھ ساحر)

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہمکو | وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدّعا ہوتا
(میر)

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے | دلِ بے مدّعا دیا تو نے!
(داغ)

بے دلی :-

دل سے ارزاں نہیں دنیا میں کوئی شے ساحر | بے دلی ہم نے مگر اس سے بھی سستی دیکھی
(امرناتھ ساحر)

کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں | اے دل! یہ یاد رکھیو کہ ہم ہیں تو تو نہیں
(شیفتہ)

بے دلوں کی ہستی کیا، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں | خواب ہے نہ بیداری، ہوش ہے نہ مستی ہے
(یگانہ)

وہ دل لیکر ہمیں بیدل نہ سمجھیں، اُن سے کہدینا | جو ہیں مارے ہوئے نظروں کی، اُن کی ہر نظر دل ہے
(سیماب اکبرآبادی)

بیقراریِ دل :-

کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا ہے
اسی حالت میں لیکر صُبح سے تا شام رہتا ہے
(میر محمد اثر)

تجھ کو پاکر بھی نہ کم ہو سکی بے تابیِ دل
اتنا آسان ترے عشق کا غم تھا بھی کہاں
(فراق گورکھپوری)

تسکینِ اضطراب کو آئے تھے وہ مگر
بے تابیوں کی رُوح کو پایندہ کر چلے
(حسرت موہانی)

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی!
(بہادر شاہ ظفر)

شاید کہ اِدھر آکے کوئی لوٹ گیا ہے
بے تابی سے یوں مُنہ کو کلیجہ نہیں آتا
(میاں نظام شاہ نظام رامپوری)

پا چکے چین نہ خاک بھی ہم کُشتۂ عشق
دلِ بیتاب کو اللہ سلامت رکھے!
(امیر مینائی)

جبر ہے، قہر ہے، قیامت ہے
دِل جو بے اختیار ہوتا ہے
(میر)

جھُٹپٹا وقت ہے، بہتا ہوا دریا ٹھہرا
صبح سے شام ہوئی، دل نہ ہمارا ٹھہرا
(آغا حجو شرف)

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دلِ بیتاب مجھے
(تسکین)

کل جہاں سے کہ اُٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دلِ بیتاب مجھے
(ذوق)

بیماریٔ دل :۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا، اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
(میر)

مُفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی لے کے چھوڑے گی آخر یہ بیماری مجھے
(انعام اللہ خاں یقیں)

دِل :۔

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
(سودا)

خامۂ قدرت نے دِل کا نام یہ کہکر لکھا
ہر جگہ اس لفظ کے معنی بدلتے جائینگے
(عزیز لکھنوی)

یہ دل نہیں نُور کا ہے شعلہ، کسی سے اس کو ضرر نہیں ہے
مثالِ برق و شرر ہے لیکن مزاج برق و شرر نہیں ہے
(ناطق لکھنوی)

دَیر و حرم میں بحث رہی دل کہاں رہے
آخر یہ طے ہوا کہ یہ بے خانماں رہے
(ناطق لکھنوی)

رازِ حقیقت جاننے والے دیکھئے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے، ان کی تمنّا کہتے ہیں
(فانی بدایونی)

بہت بلند ہے دل کا مقام خودداری
مگر شکست کا امکاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
(روش صدیقی)

وہ برقِ طُور ہو یا چاک ہو دامانِ یوسف کا
کہیں تاثیر ہے دل کی، کہیں تصویر ہے دل کی
(ناصری)

ہے یہاں کام کی ہر شے مگر اک چیز ہے دل
جس کی حاجت ہے نہ ان کو نہ ضرورت مجھ کو
(امید امیٹھوی)

آبادی بھی دیکھی ہے، ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے، دل کی نرالی بستی ہے
(فانی بدایونی)

اچھے ہوئے زمانے کے بیمار سینکڑوں
دل وہ مریض ہے کہ ابھی زیرِ غور ہے
(آسی اُلدنی)

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا
(فانی بدایونی)

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے، آن میں کچھ ہے
(میر درد)

مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں تھی
مزاج اُس دلِ بے اختیار کا نہ ملا
(یگانہ چنگیزی)

میں دشمنِ جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلّمہٗ اللہ تعالیٰ
(سودا)

کلیجہ پک گیا میں کیا کہوں اِس دل کے ہاتھوں سے
ہمیشہ کچھ نہ کچھ اِس میں خیالِ خام رہتا ہے
(میر محمد اثر)

طریقِ عشق میں ہے رہنما دل
پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خُدا دل
(میر)

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دِل ہے گویا چراغ مُفلس کا
(مصحفی)

دل مرحوم کی اُٹھان کی شان
ہائے اس ہونہار کی باتیں!

(میر)

یک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

(میر)

رُکتا نہ تھا، خفا اتنا ہوا تھا
کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل

(میر)

دل، کہ جس کی خانہ ویرانی کا تم کو غم نہیں
کیا بتائیں ہم تمہیں اس گھر میں کون آباد تھا!

(ثاقب لکھنوی)

دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال
غمِ فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

(میر حیدر علی حیراں)

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم، جسے دل کہیں وہ ہری رہی

(سراج اورنگ آبادی)

دل سے تھا ہنگامۂ ہستی، اب اختر دل کہاں
ساز ادھر ٹھہرا، اُدھر نغمے پریشاں ہو گئے

(علی اختر اختر)

نہ تو آہ و نالہ ہی نکلے ہے، نہ اُٹھے ہے کل سے صدائے دل
تو خبر تو سینے میں لے حسن، کہیں چل بسا نہ ہو ہائے دل!

(میر حسن)

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

(جگر مراد آبادی)

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

(آتش)

دلِ برباد کو بھی کہنے والے دل ہی کہتے ہیں
خزاں دیدہ چمن کو بھی چمن کہنا ہی پڑتا ہے
(نجم ندوی)

دلِ دیوانہ :-

زباں پر جب کسی کے درد کا افسانہ آتا ہے
ہمیں رہ رہ کے یاد اپنا دلِ دیوانہ آتا ہے
(صدقی جائسی)

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دِوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے
(آفتاب رائے رسوا)

دِل کا جانا :-

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
(میر)

دِل کے جانے کا شہیدی واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ، اگر ہم عمر بھر رویا کئے
(شہیدی)

دِل کی چوٹ :-

کلفت سے جان لب پہ آئی ہے
ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے
(میر)

چوٹ کھانا دلِ حزیں نہ کہیں
درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں
(داغ)

داغ و جراحت دل :-

عدم سے لایا ہوں ساتھ جس کو رہے گا تا حشر وہ فروزاں
یہ داغِ فرقت نہیں ہے دل میں چراغ ہے ان کی انجمن کا (شمس الضحیٰ شمس)

دلِ محرومِ تمنّا پہ دَمکتے ہوئے داغ
جیسے تربت پہ چراغوں کا سماں ہوتا ہے
(ظہیر کاشمیری)

لالے کو کہاں نصیب وہ داغ
جو دل کو دیئے ہیں آرزو نے
(فضل حق آزاد عظیم آبادی)

آتی ہے بُوئے داغ شبِ تارِ ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ
(مومن)

کریگا قبر سے اپنی اِک آفتاب ظہور
اگر حیاتِ دلِ داغدار باقی ہے!
(بیتاب عظیم آبادی)

اے داغِ دل، اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی!
آ، فانیٔ بے دل تجھے سینے سے لگا لے
(فانی بدایونی)

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اِک دل، ہزار داغ
(سودا)

دردِ دل :-

دل تو سب کو تری سرکار سے مِل جاتے ہیں
دَرد جب تک نہ مِلے دل نہیں ہونے پاتے
(فانی)

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پہ اثر ہو تو سہی
دَرد کم ہو کہ زیادہ ہو، مگر ہو تو سہی
(جلال)

کون سے زخم کا کھُلا ٹانکا
آج پھر دل میں درد ہوتا ہے
(ضیاء الدین ضیا)

کوئی یہ پُوچھ لے دردِ نہاں سے
تجھے دل ڈھونڈھ لایا ہے کہاں سے
(جلال)

۲۲۰۱۸

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو!
(صوفی تبسم)

اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک
اُٹھ اور جگر کے پار ہو جا
(فانی)

اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے؟
کیوں چارہ ساز! تجھ کو اُمیدِ شفا بھی ہے؟
(فانی)

کچھ قیس اور میاں ہی نہیں، سب کرسب مُوئے
اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا
(مومن)

دھوکا نہ کھاؤ چارہ گرو واقعات سے
پہلو میں دل نہیں ہے تو کیا درد بھی نہیں
(آسی اُلدنی)

آنے والی ہے کیا بلا سر پر
آج پھر دل میں درد ہے کم کم
(جوش ملیح آبادی)

درد دل ایک ہی حالت پہ رہا چارہ گرو!
جو گزرتی ہے گزرتی ہے۔ خدا جانتا ہے
(عنایت الرحمٰن عنایت موہنیاری)

درد اُٹھتے ہی تڑپنے لگا نامحرمِ راز
جو ادا سے تری واقف تھا وہ خاموش رہا
(بیتاب عظیم آبادی)

درد کا میرے یقیں آپ کریں یا نہ کریں
عرض اتنی ہے کہ اس راز کا چرچا نہ کریں
(وحشت کلکتوی)

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں
(میر درد)

دلِ پُرخوں :-

دلِ پُرخوں کی اک گلابی سے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے
(میر)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی
(غالبؔ)

دل کا بہلانا :-

اب یہ صورت ہے دلِ زار کے بہلانے کی
ذکرِ ناکامیٔ ارباب وفا کرتے ہیں
(ضمیر حسن خاں دلؔ شاہجہاں پوری)

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے جی
اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم
(نظیر اکبر آبادی)

دل کی دھڑکن :-

حُسنِ ازل نے دل پہ یہ کیسی نگاہ کی
اتنک ہے زلزلے میں زمیں جلوہ گاہ کی (؟)
وقت کی ہر آوازِ ظفر
میرے دل کی دھڑکن ہے
(احمد ظفر)

بڑے شوق و توجہ سے سُنا دل کے دھڑکنے کو
میں یہ سمجھا کہ شاید آپ نے آواز دی ہوگی
(ماہر القادری)

میں نے ہی کچھ نہ سمجھا، میری ہی تھیں خطائیں
وہ دل کی دھڑکنوں سے دیتے رہے صدائیں
(ماہر القادری)

دل کا سودا (بازارِ محبت میں) :-

یارب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیجدے
دِل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیجدے
(سودا)

کسی نے مول نہ پُوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا
(آتش)

بازارِ محبّت میں کمی کرتی ہے تقدیر
بن بن کے بگڑ جاتا ہے سودا مرے دل کا
(تسلیم)

عجب قسمت ہے اپنے دل کی بازارِ محبّت میں
جو کوئی صبح اس کو لے گیا، تا شام لے آیا
(مرزا غلام حیدر مجذوب)

کھوٹے داموں بھی اگر کوئی خریدار ملے
کون کمبخت نہ اب بیچ ہی ڈالے دل کو
(حفیظ جونپوری)

ایک تجلّی، ایک تبسّم، ایک نگاہ بندہ نواز
اِس سے زیادہ جلوۂ جاناں، دِل کی قیمت کیا کہیے
(جگر مراد آبادی)

دل جل جو گیا، خوب ہوا، سوختہ بہتر
وہ جنس، کوئی جس کا خریدار نہ ہووے!
(مومن)

زنگ آلود ایک آئینہ سہی
دِل کی آخر کوئی قیمت ہوگی!
(صفی لکھنوی)

رُوداد دل و زِندگی :-

پہلے روداد دلِ ناکام پر ہو اک نظر
پھر جہاں سے چاہیئے چاکِ گریباں دیکھئے
(وَلی شاہجہاں پوری)

افسوس! دِل کا حال کوئی پُوچھتا نہیں
یہ کہہ رہے ہیں سب، تری صورت بدل گئی
(دلگیر مارہروی)

ماجرائے دردِ دل کو بے اثر کیوں کر کہیں
بندہ پرور! کوئی اس کا سُننے والا ہی نہیں
(فانی)

کبھی کسی سے نہ رُودادِ زندگی میں نے
گزار دینے کی شئے تھی گزار دی میں نے
(حکیم مخمور)

خموشی سے بھی بارِ ترجمانی اُٹھ نہیں سکتا
بہت غمناک رودادِ محبت ہوتی جاتی ہے
(روشن صدیقی)

بتا اسے آج تک ناطق کی یہ ہے سرگزشت
پہلے چُپ تھا، پھر ہوا دیوانہ اب بیہوش ہے
(ناطق لکھنوی)

دفعتاً اُن کی نگاہِ التفات
عشق کی سب سے بڑی رُوداد ہے
(ناطق لکھنوی)

طولِ رودادِ غم معاذ اللہ
عمر گزری ہے مختصر کرتے
(فانی)

زندہ دِلی :-

ل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی میں گزار دے
(داغ)

زندہ دل ہیں ہمیشہ جوان رہتے ہیں
بہارِ زیست یقیناً اسی شباب میں ہے
(دتاتریہ کیفی)

مردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے تم تو جس چمن میں رہے
(داغ)

بّاد! خوشدلی میں ہے کچھ زندگی کا لُطف
افسردہ خاطروں کی خزاں کیا، بہار کیا
(صدق جائسی)

ہیں ہنس کر ملنے والے، ہمکو کسی سے بیر نہیں
دنیا ہے محبوب ہمیں، اور ہم دُنیا کو پیارے ہیں
(جمیل ملک)

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی — کچھ آدمی ریاضؔ عجب دل لگی کا تھا

(ریاضؔ)

زندگی زندہ دلی کا ہے نام — مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

(ناسخؔ)

سکونِ دل (اطمینان) :-

سکونِ دل جہانِ بیش و کم میں ڈھونڈھنے والے! — یہاں ہر چیز ملتی ہے، سکونِ دل نہیں ملتا

(جگن ناتھ آزادؔ)

دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی — کیوں اجل! کیا مرے نالے کا جواب آتا ہے؟

(فانیؔ)

اب مجھ کو ہے قرار تو سب کو قرار ہے — دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

(سیمابؔ اکبرآبادی)

سکون جب سے ہے خطرہ یہ دل کو ہر دم ہے — کہیں وہ پوچھ نہ بیٹھیں، کہ درد کیوں کم ہے

(حکیم ناطقؔ)

ہمنشیں! کنجِ قفس میں مطمئن ہو کے نہ رہ — ورنہ حرف آئے گا تیری جرأتِ پرواز پر

(ماہرالقادری)

شکستگیٔ دِل :-

دیدنی ہے شکستگی دل کی — کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

(میرؔ)

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں — کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں؟

(سوداؔ)

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

(اقبال)

دل توڑ کے جانیوالے سُن، دو اور بھی رشتے باقی ہیں
ک سانس کی ڈوری اٹکی ہے اک پریم کا بندھن ہے باقی

(قیوم نظر)

ﷲ رے شامِ غم مرے دل کی شکستگی
تاروں کا ٹوٹنا بھی مجھے ناگوار تھا

(سیماب اکبرآبادی)

گمگشتگیِ دل :-

ذت سے گم ہوا دلِ بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

(سراج الدین سراج اورنگ آبادی)

تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی خیر!
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

(فانی)

عقل و دل :-

قل و دانش سے تو کچھ کام نہ نکلا اپنا
کب تک آخر دلِ دیوانہ کا کہنا نہ کریں

(وحشت کلکتوی)

سالکِ راہِ وفا ہے دلِ آشفتہ مزاج
مژدۂ گمرہیِ شوق سفر سے پہلے!

(جمیل مظہری)

نقل کہتی ہے نہ جا کوچۂ قاتل کی طرف
سرفروشی کی ہوس کہتی ہے چل کیا ہوگا!

(عبدالمنان بیدل عظیم آبادی)

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیئے

(اقبال)

ویرانیٔ دل :۔

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے — یہ نگر سو مرتبہ لُوٹا گیا

(میرؔ)

دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں — کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

(جگرؔ مراد آبادی)

دل عجب شہر تھا خیالوں کا — لُوٹا مارا ہے حُسن والوں کا

(میرؔ)

خراب کیونکہ نہ ہو شہرِ دل کی آبادی — ہمیشہ لُوٹنے والے ہی اس دیار میں آئے

(جراَت)

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤ گے سنو ہو! یہ بستی اُجاڑ کے

(میرؔ)

دل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم — بستی بسنا کھیل نہیں، بستے بستے بستی ہے

(فانیؔ)

جُنون و خرد

بیہوشی و ہوش :۔

ٹھہر کے پاؤں سے کانٹے نکالنے والے! — یہ ہوش ہے تو جُنوں کامیاب کیا ہوگا!!

(رازؔ یزدانی رامپوری)

ہوش و خرد گئے نگہِ سحر فن کے ساتھ — اب جو ہے اپنی بات، سو دیوانہ پن کے ساتھ

(ذوقؔ)

ہوش جاتا نہیں رہا، لیکن
جب وہ آتے ہیں تب نہیں آتا
(میر)

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
تری آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا
(فانی)

عشق کرتا ہے تو پھر عشق کی توہین نہ کر
یا تو بیہوش نہ ہو، ہو تو نہ پھر ہوش میں آ
(آنند نرائن مُلا)

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے
اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند
(میر)

کوئی دم کو تو بھول جائے غم
غشی بھی اس قدر نہیں آتی
(نظام رامپوری)

جُنون :-

جسے دیوانگی کہتے ہیں اُلفت کی نبوّت ہے
غنیمت ہے جو صدیوں میں کوئی دیوانہ ہو جائے
(سیماب)

دل سے تنگ آئے ہیں ہم، ہوشِ جنوں کا کیسا!
یوں گریباں نہیں کیا پھاڑتے ؟ سودا کیسا!
(جلال)

کہتی تھی جنوں جس کو دنیا، بگڑی ہوئی صورت عقل کی تھی
پھاڑا نہ گریباں تیرے لئے، جب تو نہ رہا سینا ہی پڑا
(جمیل مظہری)

عقل و فراست سلب ہوئے سب ہائے جنوں اے وائے جنوں
گلیوں گلیوں لڑکے ہمکو گھیرے گھیرے پھرتے ہیں
(بھورے خاں آشفتہ)

کھینچ لے جائے جو ترے در تک
ایسی دیوانگی کو کیا کہئے
(روشن صدیقی)

ہزار طوق و سلاسل ہوں لاکھ دار و رسن
جُنوں کو حوصلۂ کار آہی جاتا ہے
(آل احمد سرور)

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جُنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
(حسرت موہانی)

ہے جُنوں کا زور طوفاں ان دنوں
میں ہوں اور میرا گریباں ان دنوں
(میر مظہر علی جذب عظیم آبادی)

جوشِ جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا
بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کئے ہوئے!
(آرزو لکھنوی)

ہر اک صورت ہر اک تصویر مُبہم ہوتی جاتی ہے
الٰہی کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے
(جگر مراد آبادی)

مری باتوں پہ دُنیا کی ہنسی کم ہوتی جاتی ہے
مری دیوانگی شاید مُسلّم ہوتی جاتی ہے
(آنند نرائن مُلّا)

اپنے جُنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
(میر)

جُنوں، پسند مجھے چھاؤں ہے بُبولوں کی
عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولوں کی
(ناسخ)

جُنوں کو عقل کا پابند کرنے کی ہدایت ہے
اب اہلِ ہوش بھی دیوانہ پن کی بات کرتے ہیں
(کلیم الدین احمد عاجز)

جنون و خرد:-

خرد کا نام جُنوں پڑ گیا، جُنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے
(حسرت موہانی)

ہمارے کام آخر آگیا جوشِ جنوں، ورنہ / خرد کی رہبری میں ہم خدا جانے کہاں جاتے
(خورشید حسن شفق بھاگلپوری)

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے / کیوں خردمند بنایا، نہ بنایا ہوتا
(سلطان بہادر شاہ ظفر)

چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی / وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
(قتیل شفائی)

خرد زنجیر پہناتی رہے گی / جو دیوانے ہیں دیوانے رہیں گے
(کلیم الدین عاجز)

دامن و گریباں:-

نہ جانے کیوں زمانہ ہنس رہا ہے میری حالت پر / جنوں میں جیسا ہونا چاہیئے ویسا گریباں ہے
(سراج لکھنوی)

ہزار ہا جو گریباں میں تار باقی ہے / جنوں بتا کہ یہ کیسی بہار باقی ہے
(شاد عظیم آبادی)

جاؤں صحرا میں دِوانوں میں مری عزت ہو / اپنے ہاتھوں سے مرا چاک گریباں کر دے
(میر مستقیم جرأت)

یہ دامن ہے یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں / موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا
(حفیظ جالندھری)

ہائے کب تک نہ میں گھبراؤں گا اے دستِ جنوں / اب تو دامن بھی نہیں ہے کہ بہل جاؤں گا
(تسلیم)

ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ / جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
(غالبؔ)

دیوانہ :-

عاشق تو تھا ہوسؔ، کہو دیوانہ کب ہوا
لو اٹھ گیا حجاب، بڑا ہی غضب ہوا
(مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ)

کوئی ایسا نہیں یارب جو اس کے درد کو سمجھے
نہیں معلوم کیوں خاموش ہے دیوانہ برسوں سے
(اصغرؔ گونڈوی)

اس کی وحشت کیلئے کتنی ادائیں ہوئیں صرف
لاکھ برباد سہی، آپ کا دیوانہ تو ہے
(آل احمد سرورؔ)

کوئی ناصح ہے۔ کوئی دوست ہے، کوئی غمخوار
سب نے مل کر مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
(آسیؔ الدنی)

مستی و نا آشنائی، وحشت و بیگانگی
یا تری آنکھوں میں دیکھی یا ترے دیوانے میں
(ذوقؔ)

دیکھتا ہے نہ عمارت کو نہ ویرانے کو
جس جگہ پڑ رہا نیند آ گئی دیوانے کو
(آسیؔ الدنی)

کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منہ
کل میرؔ کھڑا تھا یاں سچ ہے کہ دوانہ تھا
(میرؔ)

چل کے بسملؔ کی حکایت تو سنو
کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے
(سید حسن عرف شاہ چھبو بسملؔ عظیم آبادی)

عشق کو محض جنوں میں نے سمجھ رکھا تھا
عقل آئی مجھے مل کر ترے دیوانے سے
(جوشؔ ملسیانی)

ہے مرا نقش قدم سجدہ گہہ اہلِ خرد
آپ چاہیں تو مجھے شوق سے دیوانہ کہیں
(آل احمد سرورؔ)

زِنداں :-

بڑے خطرے میں ہے حُسنِ گلستاں ہم نہ کہتے تھے
چمن تک آ گئی دیوارِ زنداں ہم نہ کہتے تھے
(سیف الدین سیفؔ)

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیراں ہونا
وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا
(عزیز لکھنوی)

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی قیدی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا
(فانیؔ)

زنجیر :-

حال باقی نہ رہا کچھ ترے دیوانے میں
اب تو زنجیر ہی زنجیر نظر آتی ہے
(جلیل مانکپوری)

دل دھڑکتا ہے الٰہی خیر دیوانے کی ہو
آج دو دن سے صدا موقوف ہے زنجیر کی
(ماجد)

ہے مدّتوں سے خانۂ زنجیر بے صدا
معلوم ہی نہیں کہ دوانے کدھر گئے
(سودا)

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
(فانی)

اِک موج ہوا پیچاں اے میرؔ نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
(میر)

صحرا و دشت :-

ہے دشت اب بھی دشت مگر خونِ پا سے فیضؔ
سیراب چند خارِ مغیلاں ہوئے تو ہیں
(فیض احمد فیضؔ)

خاکِ فانیؔ کی قسم ہے تجھے، اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذرّوں نے بیاباں ہونا!
(فانی)

صحرا نوردی :-

ازل سے دشت نوردی کا شوق ہے دل کو
غزالِ دشت کے اندازِ رم کی بات نہیں
(جوش ملیح آبادی)

اپنی قسمت میں ازل سے تھی لکھی سرگشتگی
گرد و باد آسا جو کارِ دشت پیمائی ملا
(سلطان شاہ عالم آفتاب)

جنگل جنگل، صحرا صحرا مارے مارے پھرتے ہیں
آہو وحشی جان کے ہمکو ساتھ ہمارے پھرتے ہیں
(امداد امام اثرؔ نیوری عظیم آبادی)

عقل :-

گذر جا عقل سے آگے، کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے (اقبال)

یہ کھیل سب ہے بگاڑا ہوا ترا اے عقل
کہ ذرّہ ذرّہ مجھے اِک طلسم خانہ ہوا
(بیتابؔ عظیم آبادی)

وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں
فہم کی ابتدا ہے وہم، عقل کی حد قیاس ہے
(فانی)

مجنوں و فرہاد :-

کچھ یہی کوہکن و قیس پہ گزری ہوگی
ملتی جلتی ہے کہانی مرے افسانے سے
(ظہیر دہلوی)

تحقیق ہو تو جانوں کہ میں کیا ہوں، قیس کیا
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں
(صدرالدین آرزو)

قیس کا ذکر مری شانِ جنوں کے آگے!
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا!
(اکبر الہ آبادی)

قیس بن کر پھر نہ اٹھا کوئی دشتِ نجد سے
عاشقی دشوار ہے، لیلیٰ وشی مشکل نہیں

(سیماب)

محمل :-

ہائے وہ شیفتہ کی بے تابی!
تھام لینا وہ تیرے محمل کا!

(شیفتہ)

حال محمل نشیں ترے دل کا
کھلتا جاتا ہے پردہ محمل کا

(جمیل مظہری)

دستِ جنوں تھا یا کوئی موجِ ہوائے نجد!
کیوں سو جگہ سے پردۂ محمل نکل گیا

(ریاض)

ہوتے جاتے ہیں بند دیدۂ قیس
ہٹتے جاتے ہیں پردے محمل کے

(عبدالمنان بیدل عظیم آبادی)

اُٹھ گیا قیس، اُٹھ گئی لیلیٰ
پردہ اب تک اُٹھا نہ محمل کا

(عبدالمجید مضطر مظفر پوری)

ناقۂ لیلیٰ :-

آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلیٰ
صد حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا

(ذوق)

نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ اے مجنوں
کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلیٰ

(انشا)

وحشت :-

کیا ارادے ہیں وحشتِ دل کے
کس سے ملنا ہے خاک میں مل کے

(ابوالحسن ناطق گلاؤ ٹھی)

دل پر اپنا بس چلتا تو وحشت کاہے کو ہوتی
اور کسی سے کیا مطلب ہے، تو خود کیا کہتا ہوگا!
(افسر میرٹھی)

لوگ کہتے ہیں مجھے تم سے محبّت ہے مگر
تم جو کہتے ہو کہ وحشت ہے، تو وحشت ہوگی
(عاجز)

چاک چاک اپنا گریباں نہ ہوا تھا، سو ہوا
وحشتِ دل کا جو ساماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
(نواب واجد علی شاہ اختر)

چین آئے گا کہاں دل کو خدا ہی جانے
دشت سے بھی وہی وحشت ہے، جو تھی گھر سے مجھے
(وحشت کلکتوی)

میری وحشت کے سامنے صحرا!
مجھ کو دامن سمیٹنا ہوگا
(وصی حیدر زیدی بلگرامی)

سراپائے محبوب

ابرو:-

ترے ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے
کسی اُستاد شاعر کا یہ بیتِ عاشقانہ ہے
(آتش)

قتل کو بس ہے خنجرِ ابرو
حاجتِ تیغِ آبدار نہیں
(منشی گنگا لال دماغ گیاوی)

زُلفوں کی ہر گرہ کو عطا کی متاعِ دل
ابرو کی ہر شکن کو رگِ جاں بنا دیا
(جوش ملیح آبادی)

یادِ ابرو میں ہے اکبر محو کیوں!
کب تری یہ کج خیالی جائے گی
(اکبر الٰہ آبادی)

آنکھیں :-

وہ چشمِ مست، وہ ترچھی نظر، معاذ اللہ
حیا ہزار بھری ہے، مگر معاذ اللہ!
(شاد عظیم آبادی)

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے
(میرؔ)

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم بازی سے
(میرؔ)

آفت کی سفیدی ہے قیامت کی سیاہی
تیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
(امیر مینائی)

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے
دو زہر کے پیالوں میں قضا کھیل رہی ہے
(اخترؔ شیرانی)

جو پھری تو تیغِ قضا بنی، جو ملی تو آبِ بقا بنی
یہ عجب طرح کا کمال ہے تری چشمِ عشوہ طراز میں
(شاہ ولی الرحمٰن ولیؔ کاکوی گیاوی)

یہ تری چشمِ فسوں گر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال بُرا، ایک کا حال اچھا ہے
(بلالؔ)

کیفیّتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا، کہ چلا میں
(سوداؔ)

دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے
(حسرتؔ موہانی)

بسی ہوئی ہے جن آنکھوں میں شوخیوں کی بہار
ادائے شرم انہیں کیوں سکھائی جاتی ہے!
(حسرت موہانی)

نہ اور کھول ابھی نیم باز آنکھوں کو
ترے نثار یہ جادو ابھی جگا کے جا
(فراق گورکھپوری)

جینے نہ دیں گی آنکھیں تری دلربا مجھے
ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے
(شمس لکھنوی)

جس طرف تُو نے کیا ایک اشارہ نہ جیا
نہ جیا، آہ تری چشم کا مارا نہ جیا
(؟)

دُور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا
(میر)

ان مست آنکھڑیوں کو کنول کہہ گیا ہوں میں
محسوس کر رہا ہوں، غزل کہہ گیا ہوں میں
(عبدالحمید عدم)

آئینۂ رخ:-

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے
(داغ)

آنکھیں بہت مست، چہرہ کتابی
بادۂ شبانہ جامِ آفتابی
(حفیظ جالندھری)

یہ نورِ رخ ہے مہ جبیں کا کہ ہو خجل چاند چودھویں کا
جو حلقہ ہے زلفِ عنبریں کا، وہ ایک نافہ ہے مشکِ چیں کا
(ناسخ)

آئینہ رخ کو ترے اہلِ صفا کہتے ہیں
اس پہ دل اٹکے ہے میرا، اِسے کیا کہتے ہیں
(جرأت)

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت — ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

(ناسخ)

بڑے سیدھے سادے بڑے بھولے بھالے — کوئی دیکھے اس وقت چہرہ تمہارا

(آغا شاعر دہلوی)

پا و کفِ پا :-

رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنین — میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی

(حسرت موہانی)

ترے پیشِ قدِ بے ہمہ ناز و ادا اِ سر اُٹھا نہ سکا کبھی سروِ چمن — گلِ تازہ باغ کی نرمی کو نہ تری نازکی کفِ پا نے کیا

(راسخ عظیم آبادی)

بھیگے سے ترا رنگِ حنا اور بھی چمکا — پانی میں نگاریں کفِ پا اور بھی چمکا

(مصحفی)

پہلو :-

رشکِ آئینہ ہے اس رشکِ قمر کا پہلو — صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

(میر مستحسن خلیق)

پسینہ :-

عَرَق ہے مُنہ پہ ترے یا گلاب ٹپکے ہے — عجب ہے تجھ کو کہ شُعلے سے آب ٹپکے ہے

(محمد حسین کلیم)

عارض اس کے نخے عَرَق سے یوں سحر بھیگے ہوئے — جس طرح شبنم سے دو گُل برگ تر بھیگے ہوئے

(شیخ ولی اللہ محب)

اُس روئے تابناک پہ ہر قطرۂ عَرَق — گویا کہ اِک ستارہ ہے صبحِ بہار کا

(ذوق)

تناسبِ اعضا:۔

وہ مستی قامت کہ گھٹا جھوم کے اُٹھے
وہ چستی ہر عضو کہ بجلی کو غش آ ئے
(فراق گورکھپوری)

فقط تجھ میں عناصر نے عجب ترکیب پائی ہے
بدن شفّاف، شانے گول، قد موزوں، کمر پتلی
(میر اوسط علی رشک فیض آبادی)

ثمرِ جوانی:۔

کسی کے محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا
(آتش)

جبیں:۔

غضب کی عشوہ گری رُوئے خشمگیں میں رہی
کرشمہ بن کے شکن یار کی جبیں میں رہی
(ریاض خیرآبادی)

جسم:۔

ہر وضع دلفریب ہے، ہر رنگ دلپذیر
کیا بات ہے کسی کے تنِ جامہ زیب کی
(حسرت موہانی)

گلِ تر، سرو رواں، نرگسِ شہلائے چمن
صدقے آنکھوں کے، فداقد پہ، نثار عارض
(فانی)

اللہ رے جسمِ یار کی خُوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام
(حسرت موہانی)

ہمہ شیشہ، ہمہ بادہ، ہمہ مینا، ہمہ جام
ساقیِ گلبدن و نشّہ گلِ پیرہنی
(روش صدیقی)

کیا کیجئے بیاں اِس تنِ نازک کی حقیقت
خوشبو میں ہے گل بُو، تو لطافت میں ہے سب رنگ
(حسرت موہانی)

خال :-

خال تیری بیاض گردن پر
نقطۂ انتخاب ہے گویا
(میرشمس الدین فقیر)

کمسنی کا حُسن تھا وہ، یہ جوانی کی بہار
تھا یہی تل پہلے بھی رُخ پر، مگر قاتل نہ تھا
(ماجد)

رُخسار :-

دیکھنا ہر صبح تجھ رُخسار کا
ہے مطالعہ مطلعِ انوار کا
(ولی دکنی)

ہے تکلّف نقاب، وے رُخسار
کیا چھُپیں آفتاب ہیں دونوں
(میر)

عارضِ گلگوں پہ اُن کے رنگ سا اِک آ گیا
اِن گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کر دیا
(اصغر گونڈوی)

جوشِ سرمستی میں وہ موجِ صبا کی چھیڑ چھاڑ
وہ ترے عارض پہ اِک ہلکے تبسم کی شکن
(معین احسن جذبی)

دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسو اُن کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں
(سید شبیر حسن نسیم بھرت پوری)

کچھ تو ہے ویسے ہی رنگیں لب و رُخسار کی بات
اور کچھ خونِ جگر ہم بھی ملا دیتے ہیں
(آل احمد سرور)

زُلف :-

از زُلفِ سیاہِ تو بدل دُوم پری ہے
در خانۂ آئینہ گتنا جُوم پری ہے
(امیر خسرو)

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا
رُخ پر تری زُلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا
(اصغر گونڈوی)

بَل کھا رہے ہیں چہرے پہ گیسوئے پُرشکن
مارِ سیاہ کھیل رہے ہیں چراغ سے
(؟)

آہ وہ غارت گرِ صبر و شکیب
سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
(حسرت موہانی)

پریشاں ہوں تو سُنبل اور جو بَل کھائیں تو کالے ہیں
تُمہارے گیسوؤں کے ڈھنگ دُنیا سے نرالے ہیں
(؟)

نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تری زُلف کا بندھا چھوٹا
(سودا)

جُنوں انگیزیاں بڑھتی چلی ہیں اُس کے گیسو کی
بہت سے ہاتھ اب صرفِ گریباں ہوتے جاتے ہیں
(وحشت کلکتوی)

بکھیر دے جو وہ زُلفوں کو اپنے مُکھڑے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے
(مصحفی)

کس نے بھیگی ہوئی زُلفوں سے یہ جھٹکا پانی
جُھوم کے آئی گھٹا، ٹُوٹ کے برسا پانی
(آرزو لکھنوی)

وہ زُلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو تھرّا رہا ہے
(جگر مرادآبادی)

بکھر رہے ہیں ابھی سے حیات کے اجزا
ابھی تو دوش پہ وہ کاکُل دراز نہیں

(علی اختر اختر علی گڑھی)

میں سوچتا ہوں زمانے کا حال کیا ہوگا
اگر یہ اُلجھی ہوئی زُلف تو نے سُلجھائی

(احمد راہی)

ہے تیرے کان زُلف معنبر لگی ہوئی
رکھّے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

(ذوقؔ)

اِک نہ اِک ظُلمت سے جب وابستہ رہنا ہے تو جوشؔ
زندگی پر سایۂ زُلف پریشاں کیوں نہ ہو

(جوشؔ ملیح آبادی)

خیالِ زُلفِ دوتا میں نصیرؔ پیٹا کر
گیا ہے سانپ نِکل اب لکیر پیٹا کر

(شاہ نصیر الدین نصیرؔ)

تُمھاری زُلف خود دِل مانگ لیگی
یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

(نسیمؔ بھرتپوری)

زُلف کی بُو (شمیمِ زُلف) :-

مُعطر ہے اسی کوچے کی صورت اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبُو کہاں تک ہے!

(شفقؔ عماد پوری)

نہیں ہوا میں یہ بُو نافۂ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زُلف پُرشکن کی سی

(نظیرؔ اکبر آبادی)

اُڑا کے نکہتِ گیسوئے عنبریں لائی
تری گلی سے صبا مشکِ ناب ہو کے پھری

(شفقؔ عماد پوری)

ہم غُنچۂ بُوئے گُل سے کیا اِتراتی پھرتی ہے
ذرا سُونگھے شمیمِ زُلف خوشبو اس کو کہتے ہیں

(اکبرؔ الہ آبادی)

حریمِ شوق مہکتا ہے آج تک عابدؔ — یہاں سے نکہتِ گیسوئے یار گذری ہے
(عابد علی عابدؔ)

کسی نے کہہ کے کہ لائے گی زُلفِ یار کی بُو — پھری تو بادِ صبا کا دماغ بھی نہ ملا
(جلالؔ)

شمیمِ طرۂ گیسوئے یار لایا ہوں — میں اپنے ساتھ چمن کی بہار لایا ہوں
(ابراہیم نجمؔ ناروی)

یہ بھینی بھینی سی مست خوشبو، یہ ہلکی ہلکی سی دلنشیں بُو — یہیں کہیں تیری زُلف کے پاس کوئی پروانہ جل رہا ہے
(عبدالحمید عدمؔ)

ہوری کہیں کھلے نہ نسیمِ بہار کی — خوشبو اڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی
(آغا حشر کاشمیری)

قامت :-

دور سے جلوۂ قامت ہی سہی — کچھ تو دکھلاؤ قیامت ہی سہی
(انور علی یاسؔ آروی)

تُم کہ بیٹھے ہوئے اِک آفت ہو — اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
(شاہ حاتمؔ)

تفاوت قامتِ یار و قیامت میں ہے کیا ممنونؔ — وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے
(میر نظام الدین ممنونؔ سونی پتی)

تصوّر قامتِ محبوب کا ہے دیدۂ تر کو — طریقِ عشق میں سرو لبِ جو اس کو کہتے ہیں
(اکبرؔ الہ آبادی)

شوق قامت میں ترے اے نونہال — گُل کی شاخیں لیتی ہیں انگڑائیاں
(میرؔ)

کمر :-

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی
(پنڈت مہتاب رائے بیتاب دہلوی)

رفتار قیامت یونہیں کیا کم تھی، پھر اس پر
اک طرّہ ہے فتنہ تری نازک کمری کا
(حسرت موہانی)

پائے طلب شکستہ، نہ کوتاہ دستِ شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو
(مومن)

لب و دہن :-

یہ گیسوؤں کی گھٹائیں، لبوں کے بیخانے
نگاہِ شوق، خدایا! کہاں کہاں ٹھہرے
(آل احمد سرور)

تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سے کہونگا
جادو ہے ترے نین، غزالاں سے کہونگا
(ولی اللہ ولی دکنی)

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
(میر)

ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
منہ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب
(جگر مرادآبادی)

گلشن میں تیرے لبوں نے گویا
رس چوس لیا کلی کلی کا
(داغ)

باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے
(میر انیس)

موجِ بادہ رنگیں ہے اِس قدر کہاں رنگیں ! — اس کے لعلِ لب دیکھو جب وہ مسکراتا ہو

(جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

ان کے لبوں کے بادۂ احمر کی بات ہے — بے رنگ آج بادۂ و ساغر کی بات ہے

(آلِ احمد سرور)

وہ لب کھُلیں تو بکھر جائیں نغمہ ہائے ارم — وہ آنکھ اُٹھے تو برس جائے کیفِ میخانہ

(شاہد عزیز روشن صدیقی)

رشکِ نیلم ہی نہیں رنگِ مسی کی یہ نمود — لب بھی ہے غیرتِ لعلِ یمن سرخ ترا

(نصیر)

کچھ تو مِل جائے لبِ شیریں سے — زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

(آرزو لکھنوی)

ہاتھ :-

دِل چھین لیا اُس نے دکھا دستِ حنائی — کیا ہات ہے، کیا ہات ہے، کیا ہات ہے، واللہ

(جرأت)

سامانِ آرائش و آرائش

آرائش :-

وہ آپ اپنی نظر میں سمائے جاتے ہیں — سنورتے جاتے ہیں اور مُسکرائے جاتے ہیں

(عبد المجید مضطر مظفر پوری)

یاد ہے ہنگامِ آرائش کسی کی دیکھ بھال — ہائے وہ تن تن کے قد، جھک جھک کر کاکُل دیکھنا

(مبارک حسین مبارک عظیم آبادی)

دیدنی تھا یہ سماں تیرے نکھرنے کی قسم — سکتہ آئینے کا، جلوہ ترا حیرت میری

(شاد عظیم آبادی)

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا — کھڑا اس پہ میں جان وارا کیا

(میر حسن)

تزئیں کچھ اور کہتی ہے، دیکھو تو آئینہ — میں کیا کہ آپ اپنے سے تم بدگماں ہو آج

(آرزو لکھنوی)

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام — تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

(داغ)

آئینہ :-

مدت تکا ہی کرے ہے جس تس کا — حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

(میر)

سما رہے ہیں مگر تیرے تو بہ تو جلوے — کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ

(مومن)

آئینہ میں نہیں صرف تیرا ہی عکس — آئینہ ساز کا خواب روشن بھی ہے

(آل احمد سرور)

جب سے آیا ہے وہ مکھڑا نظر آئینے کو — تب سے اپنی بھی نہیں ہے خبر آئینے کو

(مجنوں عظیم آبادی)

نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے — بھروسہ کچھ نہیں اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

(سودا)

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئینے میں وہ — اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو!

(نظام رامپوری)

دیکھئے گا سنبھل کے آئینہ
سامنا آج ہے مقابل کا

(ریاض خیر آبادی)

مجھ کو کیا کام کہ آئینہ کی حیرت دیکھوں
دیکھ تو آئینہ، اور میں تری صورت دیکھوں

(مومن)

تابِ نظارہ نہیں، آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہونگے

(مومن)

آستیں :-

یہ ساعدوں کا ہے اُنکے عالم، کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
نیام تیغ قضائے مبرم، ہے نام قاتل کی آستیں کا

(ناسخ)

بُوئے دوست :-

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بُو ہر ایک شئے میں

(شیفتہ)

صبا تصدق ترے نفس پر، چمن ترے پیرہن پہ قرباں
شمیم دوشیزگی میں کیسا بسا ہوا ہے شباب تیرا

(جوش ملیح آبادی)

تارِ تارِ پیرہن میں بس رہی ہے بُوئے دوست
مثل تصویر نہالی میں ہوں یا پہلوئے دوست

(آتش)

مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بُو تیری

(آتش)

مرا پیام صبا میرے گُل سے کہدینا
چلی گئی مجھے بیہوش کرکے بُو تیری

(تعشق لکھنوی)

نسیم تیرے شبستاں سے ہو کے گذری ہے — مری سحر میں مہک ہے ترے بدن کی سی

(فیض احمد فیض)

پیرہن و بوئے پیرہن :-

اِک تو تھا آتشِ سوزاں بدنِ سرخ ترا — شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہنِ سرخ ترا

(مصحفی)

پیرہنِ اُس کا ہے سادہ رنگیں — یا عکس مئے سے شیشہ گلابی

(حسرت موہانی)

یہی پوشاک کا ہے رنگ تو اے گُل ہوگا — تشنۂ خونِ چمن پیرہنِ سرخ ترا

(مصحفی)

رونقِ پیرہن ہوئی خوبیِ جسمِ نازنیں — اور بھی سرخ ہوگیا رنگ ترے لباس کا

(حسرت موہانی)

کھولے ہیں اُس نے پیرہنِ یوسفی کے بند — تہہ کر رکھے، نسیم سے کہہ دو، قبائے گُل

(آمنہ الفاطمہ صاحبہ)

آج تک جس سے معطر ہے محبت کا مشام — آہ کیا چیز تھی وہ پیرہنِ یار کی بُو

(حسرت موہانی)

بسا ہوا ہے ترے پیرہن سے اپنا دماغ — ہزار پھولوں کو سونگھا کسی میں بُو ہی نہیں

(شاد عظیم آبادی)

ہے تیرے عطرِ بوئے گریباں سے مست گُل — گُل سے چمن، چمن سے صبا، اور صبا سے ہم

(ممنوں)

حنا

چشمِ خوں بار مری آپ کی تلووں سے ملی — ورنہ ایسا بھی کہیں رنگِ حنا ہوتا ہے

(؟)

حنائے ناخن پا ہو کہ حلقۂ سرِ زلف — چھپاؤ بھی تو یہ جادو نکل ہی آتے ہیں

(محمد دین تاثیر)

چھیڑتی ہے مجھے بے باکیٔ خواہش کیا کیا — جب کبھی ہاتھ وہ پابندِ حنا ہوتے ہیں

(حسرت موہانی)

ادھر لاؤ ذرا دستِ حنائی — پکڑ لیں چور کا دل ہم یہیں سے

(سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور)

تنہا نہ وہ ہاتھوں کی حنا، لے گئی دل کو — مکھڑے کے چھپانے کی ادا لے گئی دل کو

(مصحفی)

مہندی نے غضب دونوں طرف آگ لگا دی — تلووں میں اُدھر اور ادھر دل میں لگی ہے

(؟)

عجب رسائی قسمت ہے لے حنا تیری — چمن سے چھوٹ گیا، دستِ نازنیں میں رہی

(ریاض خیرآبادی)

چھوڑ کر تجھ کو مجھے اور سے جو لاگ لگی — نہیں یہ مہندی، ترے تلووں سے یہ آگ لگی

(شاہ ولی اللہ اشتیاق شاہجہاں آبادی)

دامنِ محبوب :-

یوں تو ہر در پہ لٹکتے نظر آئے دامن — کھینچتے ناز سے جس کو وہی داماں نہ ملا!

(اختر شیرانی)

دستارِ محبوب :-

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میر — سمندِ ناز پہ اِک اور تازیانہ لگا

(میر)

اَرے او نیپچی دستار وا لے! نثارِ طُرّہ دستار آنکھیں!

(مبارک حسین مبارک عظیم آبادی)

دوپٹہ :-

آنچل ڈھلا رہا مرے مست شباب کا اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے

(ریاض خیر آبادی)

یہ سیر ہے کہ دوپٹہ اُڑا رہی ہے ہوا چھپانے ہیں جو وہ سینہ کر نہیں چھُپتی

(داغ)

رنگ پاں :-

پان کھانے کی ادا یہ ہے تو اک عالم کو خوں رُلائے گا مری جان دہن سرخ ترا

(مصحفی)

قیامت خیز ہے سُرخی یہ پانوں کی لب تر میں خدا جانے یہ دونوں لعل ہیں کس کے مقدر میں

(صفیر بلگرامی)

سُرخیٔ لب ہر آن میں کچھ ہے یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے

(محمد سجاد سجاد)

مسی آلودہ لب پر رنگِ پاں ہے تماشہ ہے تہہ آتش دھواں ہے

(ناسخ)

دیکھنا اے ذوق ہوں گے آج پھر لاکھوں کے خوں پھر جما یا اُس نے لعلِ لب پہ لاکھا پان کا

(ذوق)

غُسل :-

کنار کھول کے حسرت سے رہ گیا دریا حباب پھوٹ کے روئے جو تم نہا کے چلے

(آتش)

نہانے میں جو لہراتی ہے زُلفِ یار پانی میں
تڑپنے لگتی ہیں پانی پہ موجیں مچھلیاں ہو کر
(خواجہ وزیر)

دریا پہ جب نہا کر کل اُس نے بال باندھے
ہم نے بھی اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے
(مصحفی)

شوخی و ادا و انداز

ادا و ناز :-

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے
(ریاض خیرآبادی)

عشوہ و ناز کو ترے پیارے
یہ ترا خاکسار جانے ہے
(محمد یار خاکسار)

یہ بات، یہ تبسّم، یہ ناز، یہ نگاہیں
آخر تمہیں بتاؤ، کیونکر نہ تم کو چاہیں
(جوش ملیح آبادی)

مجھ سے ارشاد یہ ہوتا ہے کہ تڑپا نہ کرو!
کچھ تمہیں اپنی اداؤں پہ نظر ہے کہ نہیں
(جلیل مانک پوری)

یہ سادگیٔ ناز، یہ معصوم نگاہی
اعجاز ہے منجملہ آیات الٰہی
(روشن صدیقی)

اداسے جُھک کے ملتے ہو، نگہ سے قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کماں ہو کر
(خواجہ وزیر)

یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں پھنسایا
دے پیچ اُدھر زُلف اڑا لے گئی دِل کو
(مصحفی)

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بُوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
(مومن)

ثابت اپنا نہ ہوا خُون کسی پر دمِ حشر
ناز نے غمزے پہ، غمزے نے ادا پر رکھا
(امیر لکھنوی)

ادا وہ کیا کہ چُرا لے نہ دل کو دم بھر میں
وہ حُسن کیا جو سراپا دلنشیں نہ ہو جائے
(شاہ عطاء الرحمن عطاؔ کاکوی گیاوی)

انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال اپنے حد سے بڑھا سو مسا ہوا
(نجم الدین عرف شاہ مبارک آبروؔ)

ادائے بے نام :-

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سا لاکھ سہی، تو مگر کہاں
(حالیؔ)

آفت تو ہے وہ ناز بھی، انداز بھی لیکن
مرتا ہوں میں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے
(امیر مینائی)

عشوہ بھی ہے، شوخی بھی، تبسّم بھی، حیا بھی
ظالم میں اور اِک بات ہے اس سب کے سوا بھی
(اکبر الہ آبادی)

اہلِ نظر کی جان ہے جس چیز پر نثار
اِک بات ان میں اور بھی کچھ ہے ورائے ناز
(حسرت موہانی)

الھڑ پن :-

گھر سے ہر وقت نکل آتے ہو کھولے ہوئے بال
شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو
(حسرت موہانی)

اِک تیر لگانا جانتے ہو
دیکھو نہ جگر نہ دل نہ سینہ
(مبارک عظیم آبادی)

اُمنگیں:-

معصوم اُمنگیں جھول رہی ہیں دِلداری کے جھولے میں
یہ ننھی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مُرجھانا ہے
(حفیظ جالندھری)

آنسو:-

دیکھیں اربابِ نظر مانگ میں اُن کے موتی
ہم تو پلکوں پہ جو چمکے وہ گہر دیکھتے ہیں
(جمیل مظہری)

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نظر کو آب تو دے
(غالبؔ)

کیا مرے حال پہ سچ مچ انہیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی!
(اصغر گونڈوی)

تیری آنکھوں سے یہ آنسو کا ڈھلکنا توبہ
میں نے گرتی ہوئی کونین کی قیمت دیکھی
(؟)

۸۸، دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو
میری آنکھوں میں نہ آ جائیں تمہارے آنسو
(اختر شیرانی)

کیا جانئے کہ دِل پر گذرے ہے میرؔ کیا کیا
کرتا ہے بات کوئی آنکھیں پُرآب کر کے
(میرؔ)

سرشکِ چشم سے موتی بہت لٹائے گئے
تری نگہ کے شہیدوں کو خوں بہا نہ ملا
(آلِ احمد سرور)

اَنگڑائی:-

عشق پر بھی چھا گئیں رعنائیاں
اُف! تری ٹوٹی ہوئی انگڑائیاں
(آرزو لکھنوی)

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حُسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا
(عزیز لکھنوی)

لبریز تموّج تھا اِک اِک خطِ پیمانہ
محفل سے جو اُٹھے وہ لیتے ہوئے انگڑائی
(فانی بدایونی)

توڑ ڈالا ترے دیوانوں نے زنجیروں کو
اُف رے مستانہ وہ عالم تری انگڑائی کا
(لاڈلے صاحب بیتاب عظیم آبادی)

حسبِ منشا دلِ پُرشوق کی باتوں کا جواب
دبا یا شرم میں ڈوبی ہوئی انگڑائی نے
(جعفر حسین منظر لکھنوی)

جب تقاضا نیند کا ہو، اور تنہائی نہ ہو
اُف وہ کیفیت، کہ ہو بھی اور انگڑائی نہ ہو
(جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

الٰہی کیا علاقہ ہے، وہ جب لیتا ہے انگڑائی
مرے سینے کے سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں
(؟)

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ
(نظام رامپوری)

بانکپن :-

صورت میں تو کہتا نہیں، ایسا کوئی کب ہے
اِک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے
(سودا)

قسم ہے ذوقِ نظر کی کہ ہو گئی مخصوص
ادائے کج کُلہی تیرے بانکپن کے لئے
(وحشت کلکتوی)

تجھ پہ ہے اِن دنوں میں نامِ خُدا
کچھ عجب دھوم دھام کا عالم
(نواب سلیمانی شکوہ سلیمان)

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں — کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

(فانیؔ)

غمزے بھی ہوں خونریز، نگاہیں بھی ہوں سفّاک — تلوار کے باندھے سے تو قاتل نہیں ہوتا

(داغؔ)

بدگمانی :-

کہیں جواب ہے اس حد کی بدگمانی کا — کہ شکر بھی جو کروں آپ اسے گلہ کہیئے

(شادؔ عظیم آبادی)

میرے مرنے کی خبر سن کے خفا ہو جانا — بدگمانی یہ نہیں تو اسے کیا کہتے ہیں

(فانیؔ)

ادھر وہ بدگمانی ہے، ادھر یہ ناتوانی ہے — نہ پوچھا جائے ہے اُس سے۔ نہ بولا جائے ہے ہم سے

(غالبؔ)

حیرتیں ہیں خلوصِ عشق کو بھی — نہ گئیں بدگمانیاں تیری

(فراقؔ گورکھپوری)

دکھائے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں — کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سے بدگمان نہیں

(مومنؔ)

برہمی و عتاب :-

میں اِس برہم مزاجی کے تصدق — اُلجھتے ہیں وہ زُلفِ عنبریں سے

(؟)

لاکھوں لگاؤ، ایک چُرانا نگاہ کا — لاکھوں بناؤ، ایک بگڑنا عتاب میں

(غالبؔ)

نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ
کہ بدلنے لگا نقاب کا رنگ
(ریاض خیر آبادی)

بگڑے ہوئے ہیں، ضد پہ ہیں، کون اُن سے کیا کہے
اس وقت بات بات کے دفتر بنائیں گے
(سیّد ابن الحسن موہانی بسمل)

لبوں پہ موجِ تبسّم، نگہ میں برق غضب
کوئی بتائے یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟
(جگر مرادآبادی)

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات اُن کو بہت ناگوار گذری ہے
(فیض احمد فیض)

چھیڑا ہے دستِ شوق نے مجھ سے خفا ہیں وہ
گویا کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار ہے
(حسرت موہانی)

غصّے میں ترے ہم نے بڑا لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے
(انشاء)

اُن کو آتا ہے پیار پر غصّہ
مجھ کو غصّے پہ پیار آتا ہے
(جگر مرادآبادی)

شکوے کے بدلے کیا شکر ستم
پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے
(داغ)

عرض مطلب پہ بُرا مان کے غصّہ کیسا
شادؔ دیوانہ بھی تیرا ہے، گدا بھی تیرا
(شادؔ عظیم آبادی)

بگڑ بیٹھے عبث ذکرِ عدو پر
سُنا کیا آپ نے، میں نے کہا کیا!
(داغ)

کچھ اُن کے مہر و لطف نے مشہور کر دیا — کچھ رنجش و عتاب نے رُسوا کیا مجھے
(داغ)

مِلتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں — کیا آپ کی نگاہ سے ہم آشنا نہیں
(حسرت موہانی)

تجھے جو خفا وہ ہیں خفا آج تک — کیوں ہیں خفا یہ نہ کھُلا آج تک
(جعفر علیخاں اثر لکھنوی)

نگاہِ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے — کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب تقدیر پھرتی ہے
(غافل)

ڈروں میں کس لیئے غصّے سے پیار میں کیا تھا — میں اب خزاں کو جو رُوؤں، بہار میں کیا تھا
(فضل علی ممتاز)

تُو تو جس خاک کو چاہے وہ بنے بندۂ پاک — میں خُدا کس کو بناؤں جو خفا تُو ہو جائے!
(برق)

بے اعتنائی :-

جیسے ہم صُورت آشنا ہی نہیں — صدقے اِس مُنہ چھُپا کے جانے کے!
(آرزو لکھنوی)

ہم برسوں پہ واں گئے پر اُن نے — یہ بھی نہ کہا کہ تو کہاں تھا!
(راسخ عظیم آبادی)

اُو آنکھ چُرا کے جانے والے! — ہم بھی تھے کبھی تری نظر میں
(جلیل مانکپوری)

بیٹھے تکتے تو ہیں کنکھیوں سے — یہ نہیں پُوچھتے کھڑے کیوں ہو
(آرزو لکھنوی)

وہ اپنے در کے فقیروں سے یُوں پُوچھتے بھی نہیں
کہ تم لگائے ہوئے کس کی آس بیٹھے ہو
(تعشق)

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یُوں کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا
(حسرت موہانی)

نظر جس کی طرف کر کے نگاہیں پھیر لیتے ہو
قیامت تک پھر اس دِل کی پریشانی نہیں جاتی
(آنند نرائن مُلّا)

یوں یاد آؤ گے ہمیں اصلا خبر نہ تھی
یوں بھول جاؤ گے ہمیں وہم و گماں نہ تھا
(آزاد انصاری)

میں اپنے حال سے تو دبے خبر ہوں
تمہاری کم نگاہی کا گلہ کیا!
(سیماب)

آپ کے ہوتے دُنیا والے میرے دل پر راج کریں
آپ سے مجھ کو شکوہ ہے، خود آپ نے بے پروائی کی
(قتیل شفائی)

ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اعتنائی کو
مگر جب غور سے دیکھا تو اِک لُطفِ نہاں پایا
(حسرت موہانی)

پشیمانیٔ جفا :-

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا
(غالب)

رُوح اربابِ محبّت کی لرز جاتی ہے
تو پشیمان نہ ہو، اپنی جفا یاد نہ کر
(فانی)

غمِ پنہاں کی نہ ہو جائے کہیں پردہ دری
آہ رہنے دو یہ اندازِ پشیماں نظری
(روش صدیقی)

آپ پچھتائیں نہیں جَور سے توبہ نہ کریں
آپ کے سر کی قسم داغؔ کا حال اچھا ہے
(داغؔ)

جفا سے اپنی پشیماں : ہو، ہوا سو ہوا
تری بَلا سے مری جی پہ جو ہوا، سو ہوا
(عبدالحی تاباںؔ)

دِے ترا حُسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تُو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا!
(فانیؔ)

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تُجھے اے زندگی، لاؤں کہاں سے
(مومنؔ)

تبسّم :

تُم نے ہر ذرّے میں برپا کر دیا طوفانِ شوق
اِک تبسّم، اس قدر جلووں کی طُغیانی کیسا تھا!
(علی اختر اخترؔ علی گڑھی)

اِک برقِ تپاں ہے کہ تکلّم ہے تمہارا
اِک سحر ہے لرزاں کہ تبسّم ہے تمہارا
(حسرتؔ موہانی)

تبسّم تھا اس رنگ سے اُن کے لب پر
میں سمجھا کوئی جام چھلکا رہے ہیں
(جلیلؔ مانکپوری)

اِک برق سرِ طُور ہے لہرائی ہوئی سی
اُف وہ ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی!
(فانیؔ)

غضب وہ دیکھنا نیچی نظر سے
ستم وہ مُسکرانا مُنہ پھرا کر
(نظام شاہ رامپوری)

ہائے وہ تیرے تبسّم کی ادا وقتِ سحر
صُبح کے تاروں نے اپنی جان تک کردی نثار
(معین احسن جذبیؔ)

اک تبسم ناز بس ہے ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجئے، دیکھ کے بس مسکرا دیجئے
(شیفتہ)

تم تو نگاہ پھیر کے ناز سے مسکرا دیئے
شیشۂ آرزو مگر ٹوٹ کے کیا سے کیا ہوا
(اثر صہبائی)

ہاتھ میں لیکے جامِ مئے اُس نے جو مسکرا دیا
عقل کو سرد کر دیا، رُوح کو جگمگا دیا
(اصغر گونڈوی)

وہ تبسم بھی قیامت ہے ترا لبِ جفا
تُو نے دی ہر جسے خدمت نمک افشانی کی
(حسرت موہانی)

لُٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
بس اک تبسم عاجز نواز رہنے دے
(جگر مراد آبادی)

گزر رہا ہے اِدھر سے تو مسکراتا جا
چراغ مجلس رُوحانیاں جلاتا جا
(جوش ملیح آبادی)

یہ تو ٹھیک ہے کہ تری جفا بھی ہے اک عطا مرے واسطے
مری حسرتوں کی قسم تجھے، کبھی مسکرا کے بھی دیکھ لے
(آنند نرائن مُلّا)

لو تبسم بھی شریکِ نگہِ ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری
(فانی)

تبسم اُن کے لب پر ایک دن وقتِ عتاب آیا
اُسی دِن سے ہماری زندگی میں انقلاب آیا
(ناطق لکھنوی)

یوں دیکھ کے مجھ کو مسکرانا
پھر تم کو میں بے خبر کہوں گا
(نظام رامپوری)

نہیں اے ہمنفس بیوجہ میری گریہ سامانی
نظر اب واقفِ رازِ تبسّم ہوتی جاتی ہے
(علی اختر اختر)

میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا
میں یونہی نالہ کش رہوں تو یونہی مُسکرائے جا
(جگر)

جبت تُم اپنی رُکاوٹ سے مُنہ بناتے ہو
وہ آئی لب پہ ہنسی، دیکھو مُسکراتے ہو
(ذوق)

نہ پھُولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھِلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مُسکرانے کا
(جوشش عظیم آبادی)

تجاہل :-

انجان تم بنے رہے یہ اور بات ہے
ایسا تو کیا ہے تم کو ہماری خبر نہ ہو
(عبد المنان بیدل عظیم آبادی)

تغافل :-

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز
اِلتفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں
(حسرت موہانی)

نظرِ تغافلِ یار کا، گلہ کس زباں سے کروں ادا
کہ شرابِ حسرت و آرزو خمِ دل میں تھی سو بھری رہی
(سراج الدین اورنگ آبادی)

مانعِ ظُلم ہے تغافلِ یار
بخت بد کو خبر نہ ہو جائے
(مومن)

دل گوارا نہیں کرتا ہے شکستِ اُمید
ہر تغافل پہ نوازش کا گماں ہوتا ہے
(روشن صدیقی)

اِک طرزِ تغافل ہے، سو وہ اُنکو مبارک
اِک عرضِ تمنّا ہے سو ہم کرتے رہینگے
(فیض احمد فیضؔ)

آنے میں سدا دیر لگاتے ہی رہے تم
جاتے رہے ہم جان سے آتے ہی رہے تم!
(راسخؔ عظیم آبادی)

نہاں شانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اس کا
بہ اندازِ جفا ہے التفاتِ دلنواز اس کا
(حسرتؔ موہانی)

سادگی و پُرکاری، بیخودی و ہشیاری
حُسن کو تغافل میں جراءت آزما پایا
(غالبؔ)

پھر اور تغافل کا سبب کیا ہے خدایا
میں یاد نہ آؤں، نہیں، ممکن ہی نہیں ہے
(حسرتؔ موہانی)

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے ہم سے
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
(غالبؔ)

اَب بھی دلِ حزیں سے تغافل شعاریاں!
اَب یہ تری نظر ہے، مرا دل نہیں رہا
(اقبال احمد سہیلؔ)

تغافل سازگارِ شوق اہلِ درد کیا ہوگا!
ادا سے دو فریب ایسا کہ دِل دیوانہ ہو جائے
(نواب محمد زکریا خاں زکیؔ)

اُن کا تغافل، اُن کی توجہ
ایک دِل اُس پر لاکھ تہلکے
(اداؔ جعفری بدایونی)

تقریرِ معشوق :-

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
(غالبؔ)

جادُو ہے یا طلسم تُمہاری زبان میں
تُم جُھوٹ کہہ رہے تھے مجھے اعتبار تھا
(بیخود دہلوی)

لے میں سو جان سے اس طرزِ تکلّم کے نثار
پھر تو فرمائیے کیا آپ نے ارشاد کیا؟
(جوش ملیح آبادی)

تاثیرِ برقِ حُسن جو اُن کے سخن میں تھی
اِک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی
(حسرت موہانی)

مُنہ پھیر کے ہنس ہنس کر وہ اقرار کی باتیں
اِس طور سے کرتے ہیں کہ باور نہیں آتا
(نظام شاہ رامپوری)

اثر لُبھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادُو، تری زبان میں ہے
(؟)

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
کچھ پا گئے ہیں آپ کے طرزِ بیاں سے ہم
(حالی)

تلوّنِ طبعی:-

اَللہ رے تلوّن، ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو
شوخی ہو تو شوخی ہو، حیا ہو تو حیا ہو
(داغ)

کبھو دوستی ہے کبھو دشمنی
تری کون سی بات پر جائیے
(میر محمد اثر)

ترے تلوّن نے مار ڈالا، تری نہیں اور ہاں کے صدقے
نہ جانے پھر شام ہوتے ہوتے نہیں ہوگی کہ ہاں ہوگی
(بیتاب عظیم آبادی)

عنایت تخلیئے میں، بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا
(اکبر الٰہ آبادی)

تیوری :-

تیوری جو اُس کی چڑھ گئی، عاشق پہ آ بنی
بن کر ادا بنی، تو بگڑ کر قضا بنی

(جلالؔ)

چتون :-

کیا ہے، دیکھو ہو جو ادھر کو تم
اور چتون میں پیار سا ہے کچھ

(میرؔ)

میں عرضِ حال میں جبتک زبان کو روکوں
تری بدلتی ہوئی چتونوں نے کیا نہ کیا

(آرزوؔ لکھنوی)

دل میں کیا کیا ہوسِ عرضِ تمنّا تھی مرے
تیری چتون کا وہ ڈھب مانعِ تقریر رہا

(میر نظام الدین ممنونؔ، سونی پتی)

چتونوں سے مِلتا ہے کچھُ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پر سادگی برستی ہے!

(یگانہ چنگیزی)

حیا :-

اِضطرابِ خودنمائی کو حیا سمجھا تھا میں
وہ نگاہِ ناز کیا کہتی تھی، کیا سمجھا تھا میں!

(جمیلؔ مظہری)

پھُول ڈوبا ہوا گلاب میں تھا
اُف، وہ چہرہ حجاب آلودہ

(جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

کِس نے حیا سے نیچی نظر کی، کہ ہو گیا
آساں نہ دیکھنا مجھے دُشوار دیکھنا

(محمد زکریا خاں زکیؔ)

بَرق کو اَبر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے
ہَم نے اُس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

(حسرتؔ موہانی)

رم سے آنکھ مِلاتے نہیں دیکھ ان کو — پار ہوتی ہیں کلیجے کے نِگاہیں کیوں کر
(داغ)

خود نُمائی :-

ہوئی جو چشمِ ہوس کامیاب نظارہ — کرم ہے یہ بھی ترے ذوقِ خود نُمائی کا
(وحشت کلکتوی)

آرسی دیکھ کر نہ ہو مغرور — خود نُمائی نہ کر خُدا سوں ڈر
(ولی دکنی)

خُوئے دوست :-

زک معاملہ ہے بہت خوئے دوست کا — دیکھ اُس کو، اور اپنی نظر سے چھپا کے دیکھ
(ماہر القادری)

ں بلائے جاں سے آتش، دیکھئے کیونکر نبھے — دِل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خُوئے دوست
(آتش)

ہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم — آسماں بدلا، زمیں بدلی، نہ بدلی خُوئے دوست
(شاد عظیم آبادی)

رَفتار :-

ری رَفتار سے اِک بے خبری نکلے ہے — مَست و مدہوش کوئی جیسے پَری نکلے ہے
(مصحفی)

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی — دِل کانپتا ہے آپ کی رَفتار دیکھ کر
(یگانہ چنگیزی)

رمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا — سیکھ لیں شبنم کے قطرے آپ کی رَفتار سے
(جوش ملیح آبادی)

خُدا جانے کریگا چاک کس کس کے گریباں کو
اداسے اُن کا چلنے میں وہ دامن کا اُٹھالینا
(جرأت)

مُجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی
یہ جو دامن اُٹھائے جاتا ہے
(مصحفی)

تُم تو سکونِ خاطرِ ناشاد بن گئے
سمجھا تھا میں کچھ اور یہ رفتار دیکھکر
(ضمیر حسن خاں دل شاہجہاں پوری)

کون آئے ہے کہ سینے میں بیدار ہو گئیں
صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ
(میر نظام الدین ممنون)

اسی خرام کو کہتے ہیں فتنۂ محشر
کہ اس گلی میں ہمارا مزار باقی ہے!
(بیتاب عظیم آبادی)

اے او مُنہ چھپا کر آنے والے میری میت پر
ترے قدموں کی لغزش کو صفِ ماتم نے پہچانا!
(؟)

سادگی :-

ہے جوانی خُود جوانی کا سنگار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے
(امیر مینائی)

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خُدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
(داغ)

شوخی و شرارت :-

آنکھوں ہی میں رہے ہو، دل سے نہیں گئے ہو
حیران ہوں، یہ شوخی آئی تمہیں کہاں سے
(میر)

وہ شوخیِ محتاط کے بچتے ہوئے انداز
دُنیا بھی نہ رہنے دے قیامت بھی نہ ڈھائے
(فراق گورکھپوری)

قسمت ہوئی تھیں روزِ ازل جتنی شوخیاں
سب جمع ہو گئیں نگہِ شرمسار میں
(فانی بدایونی)

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برقِ بلا دیکھئے گرتی ہے کِدھر آج
(داغ)

شریر آنکھ، نگہ بیقرار، چتونِ شوخ
تُم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لئے
(داغ)

فقط اِک سادگی پر شوخیوں کے ہے گماں کیا کیا
نگاہِ شرمگیں میں ہے نہاں کیا کیا، عیاں کیا کیا!
(سیّد ظہیرالدین ظہیر)

صدقے شوخی کے، یہ ڈرتا ہوں دمِ وعدۂ وصل
لب پہ آجائے تبسّم نہ قسم سے پہلے
(ریاض خیرآبادی)

ایک سی شوخی خُدا نے دی ہے حُسن و عشق کو
فرق بس اتنا کہ وہ آنکھوں میں ہے یہ دِل میں ہے
(میر ضامن علی جلال)

عشوؤں کو چین ہی نہیں آفت کئے بغیر
تُم! اور مان جاؤ شرارت کئے بغیر!!
(جوش ملیح آبادی)

ناصح کو بلاؤ مرا ایمان سنبھالے
پھر دیکھ لیا اُس نے شرارت کی نظر سے
(حفیظ جالندھری)

حسرت! تری نگاہِ محبّت کو کیا کہوں
محفل میں اُن سے رات شرارت نہ ہو سکی
(حسرت موہانی)

عشوہ سازی :-

بہ یک کرشمہ جو بے اختیار کر ڈالے — وہ عشوہ ساز کسی کے کب اختیار میں آئے
(جرأت)

لن ترانی نیاز مندوں سے — ناز بیجا نہیں تو پھر کیا ہے؟
(جلیل مانک پوری)

غرور :-

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن! — مجھ کو ترا غرور نہ جانوں کرے گا کیا
(غلام مصطفٰے خاں یکرنگ)

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا — کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے
(سراج الدین خاں آرزو)

غرورِ حسن ممکن کیا کسی کی داد کو پہنچے — غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے!
(محمد حسین کلیم)

غرور (عاشق کا) :-

خاکساروں میں اپنے دے کے جگہ — تم نے مغرور کر دیا ہم کو
(حسرت موہانی)

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں — نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے
(داغ)

کج ادائی :-

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
(میر)

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے، وگرنہ
کافی ہے تسلّی کو مرے ایک نظر بھی
(سودا)

آئے جو مرے پاس تو منہ پھیر کے بیٹھے
یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا
(جرأت)

کچھ حد سے بڑھ گئی ہیں تری کج ادائیاں
اس درجہ اعتبارِ تمنّا نہ چاہیئے
(حسرت)

عذرِ گناہ پر بھی اس درجہ کج ادائی
اللہ ری کم نگاہی، اللہ ری بیوفائی
(حسرت موہانی)

ہماری خاک دامن گیر ہو گی!
چھڑا کر ہاتھ سے دامن چلے کیا!
(مبارک حسین مبارک عظیم آبادی)

کرم و مہربانی :-

اثرِ آہِ دلِ زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھ پر کرمِ یار کی افواہیں ہیں
(شیفتہ)

دل کی ہر لرزشِ مضطر پہ نظر رکھتے ہیں
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں
(فانی بدایونی)

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے
(حسرت موہانی)

تری نگاہ کا مرہونِ فیض ہے عالم
ترا کرم ہو تو ذرہ بھی آفتاب بنے
(شہاب الدین رحمت اللہ شہاب)

ذرا جو ہم نے انہیں آج مہرباں دیکھا
نہ ہم سے پوچھئے کیا رنگِ آسماں دیکھا
(ریاض خیرآبادی)

مدّت کے بعد اُس نے جو کی لُطف کی نگاہ
جی خوش تو ہو گیا مگر آنسو نکل پڑے
(کیفی اعظمی)

مجھے کونین کی کوئی خوشی راس آ نہیں سکتی
جسے تیری نوازش ہائے بے پایاں نے مارا ہو
(ماہر القادری)

عجب نہ تھا کہ غمِ دل شکست کھا جاتا
ہزار شکر ترے لُطف میں کمی آئی
(عرش ملسیانی)

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے؟
محبت میں بتا اے ضبطِ غم! ایسا بھی ہوتا ہے؟
(حسرت موہانی)

یہ بے تکلّفی، یہ نوازش، یہ ربطِ ضبط
گستاخ کر نہ دیں، یہ کرم ہائے بے حساب
(ماہر القادری)

لُطفِ جاناں ہے جَور کی تمہید
دیکھ حسرت نہ کھا فریبِ سراب
(حسرت موہانی)

لُطف پر اُس کے ہمنشیں مت جا
کبھی ہم پر بھی مہربانی تھی
(میر)

نہاں نہ ہو کرمِ یار میں ستم حسرت
بہت نہ کیجیے اظہار شادکامی کا
(حسرت موہانی)

اپنے دیوانے پہ اتمامِ کرم کر یارب
درو دیوار دیے، اب انہیں ویرانی دے!
(فانی)

مہربانی کو محبّت نہیں کہتے اے دوست
آہ اب مجھ سے تری رنجشِ بیجا بھی نہیں
(فراق گورکھپوری)

نامہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں
(فانی)

تخیل جس سے ہونا پڑے دل ہی دل ہیں
وہ کچھ اور ہے مہربانی نہیں ہے
(جگر مرادآبادی)

تسکینِ دلِ محزوں نہ ہوئی وہ سعی کرم فرما بھی گئے
اس سعیِ کرم کو کیا کہیئے بہلا بھی گئے تڑپا بھی گئے
(اسرار الحق مجاز)

کیفیتِ بیداری :-

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
(شاہ مبارک آبرو)

نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اُٹھ
جب انکھڑیوں کو وہ مَلتا ہوا خمار میں آئے!
(جرأت)

یوں کُھلی ہے چشمِ مخمور اُس کی خوابِ ناز سے
جس طرح جادو جگا کر کوئی جادوگر اُٹھے
(ناطق لکھنوی)

مخمورِ خوابِ بسترِ گُل سے اُٹھے ہیں وہ
انگڑائی لی ہے باغ میں صبحِ بہار نے
(اختر شیرانی)

انگڑائی لیتے اُٹھے جو وہ خوابِ ناز سے
ہر چیز غرق ہو گئی رنگِ شباب میں
(اثر صہبائی)

یہ اُڑی اُڑی سی رنگت یہ کُھلے کُھلے سے گیسو
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ
(احسان دانش)

لگاوٹ :-

تو کیا، ہمیں ہیں گنہگار، حسنِ یار نہیں
لگاوٹوں کا گناہوں میں کیا شمار نہیں؟
(یگانہ چنگیزی)

بزمِ اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ ہے
ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا
(حسرت موہانی)

دینا کسی کا ساغرِ مئے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو، اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ
(نظام رامپوری)

نزاکت :-

نزاکت اس گلِ رعنا کی دیکھو انشا
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا
(انشا)

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں نازو نزاکت والے
(ذوق)

نزاکتِ آواز :-

یہ کیسی سرگوشیِ ازل، سازِ دل کے پردے ہلا رہی ہے
مری سماعت کھنک رہی ہے کہ تیری آواز آرہی ہے
(عبدالحمید عدم)

صبر پر دل کو تو آمادہ کیا ہے لیکن
ہوش اُڑ جاتے ہیں اب بھی تری آواز کے ساتھ
(آسی الدنی)

اُس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو!
(مومن)

دشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہمنفس نزاکتِ آواز دیکھنا!
(مومن)

نقشِ پا :-

کیا بہارِ نقشِ پا ہے ! اے نیازِ عاشقی
لطف سر رکھنے میں کیا، سر رکھ کے مرجانے میں ہے
(اصغر گونڈوی)

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
(تسکین)

پڑتا ہے پاؤں ٹھیک جو تاریک راہ میں
اے چشم! روشنی یہ کسی نقشِ پا کی ہے
(شاد عظیم آبادی)

کیا خبر بیخودیٔ شوق کہاں لے جاتی
خیریت ہے کہ ترا نقشِ قدم یاد رہا
(کلیم الدین احمد عاجز)

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
(مومن)

کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم
کہیں پامال سر نہ ہو جائے
(مومن)

نگاہ و ناوکِ نگاہ :-

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو
جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو
(میر)

عرفان و آگہی کے تقاضے بدل گئے
جادو عجیب اس نگہِ سحر فن میں ہے
(آلِ احمد سرور)

شرکتِ سحر ہے طرزِ نگہِ یار کے ساتھ
مار رکھا ہے اسے دیکھا جسے ٹک پیار کے ساتھ
(راسخ عظیم آبادی)

کلمہ بھرے ترا جسے دیکھے تو پھر نظر ۔۔۔ کافر اثر ہے یہ تری کافر نگاہ میں
(جرأت)

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ۔۔۔ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
(سودا)

کہے دیتی ہیں یہ نیچی نگاہیں ۔۔۔ کہ بالائے زمیں کیا کیا نہ ہوگا
(نسیم دہلوی)

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح! ۔۔۔ طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو
(مومن)

دل گرمیٔ نگاہ سے بیتاب ہوگیا ۔۔۔ جب تک اسے میں تھاموں جگر آب ہوگیا
(نواب غازی الدین خان عماد الملک)

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیمکش کو ۔۔۔ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
(غالب)

جو اُڑ کے شہبازِ نظر، پر گرا ۔۔۔ ٹوٹ کے ہر خستہ جگر پر گرا
(داغ)

ایک حالت پر نہ رہنے پائیں دل کی حسرتیں ۔۔۔ تُم نے جب دیکھا نئے انداز سے دیکھا مجھے
(آسی الدنی)

کیا کہہ گئی کسی کی نظر کچھ نہ پوچھئے ۔۔۔ کیا کچھ ہوا ہے دل پہ اثر کچھ نہ پوچھئے
(اختر شیرانی)

بیساختہ اُٹھی جو وہ توبہ شکن نگاہ ۔۔۔ خود مجھ کو شک ہوا کہ مسلماں نہیں رہا
(آسی الدنی)

اِک اچٹتی سی نگہ پر ہے یہ ہیتا بیِ دل
حال پوچھے کوئی اِس وقت تو مشکل ہو جائے
(جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

سو سو اُمیدیں بندھتی ہیں اِک اِک نگاہ پر
مجھ کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی
(اقبال)

یوں یکا یک نظر اٹھی اُن کی
ہم نے جانا کہ کامیاب ہوئے
(شمس الحسن شمس فرخ آبادی)

گھڑی گھڑی نہ اِدھر دیکھئے کہ دل پہ ہمیں
ہے اختیار، پہ اتنا بھی اختیار نہیں
(نیاز فتحپوری)

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ کیوں نہ خُوبیِ قسمت پہ اپنی ناز کرے
(حسرت موہانی)

نہ اب سکون ہی میرا، نہ اضطرار مرا
عجیب حال ہوا ہے نگاہِ یار مرا
(روش صدیقی)

کچھ نہیں کہتی وہ نگاہ مگر
بات پہنچتی ہے کہاں سے کہاں!
(فراق گورکھپوری)

اس نظر کے اُٹھنے میں، اس نظر کے جُھکنے میں
نغمۂ سحر بھی ہے، آہِ صُبحگاہی بھی!
(مجروح سُلطانپوری)

ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تُم نے تو مُسکرا کے رگِ جاں بنا دیا
(اصغر گونڈوی)

مستی نگاہِ ناز کی کیفِ شباب میں
جیسے کوئی شراب ملا دے شراب میں
(بدرالدین صبر رضوی مخدوم آبادی)

نگاہِ بے حجابا چاہتا ہوں تغافل ہائے تمکیں آزما کیا
(غالبؔ)

اٹھا کے ناز سے شب آفریں نگاہوں کو کسی کی سوئی ہوئی رُوح کو جگاتا جا
(جوشؔ ملیح آبادی)

دلِ ستم زدہ ہر چند کانپ کانپ اٹھا نگہ سے اُن کی مگر اجتناب ہو نہ سکا
(جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی)

آپ سے آنکھ مِلاؤں، یہ مِری طاقت ہے! دیکھتا ہوں کہ وہ اگلی سی نظر ہے کہ نہیں
(جلیلؔ مانک پوری)

اِک فسوں سامانِ نگاہِ آشنا کی دیر تھی اس بھری دُنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے
(فراقؔ گورکھپوری)

جینا بھی آ گیا مجھے مرنا بھی آ گیا پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں
(اصغرؔ گونڈوی)

پھر آ گیا قرار دلِ بیقرار کو پھر ایک بار دیکھ لو مجھ کو اسی طرح
(بیخودؔ دہلوی)

وہ دُشمنی سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں میں شاد ہوں کہ ہوں تو کِسی کی نگاہ میں
(امیرؔ مینائی)

نظر ملا نہ سکے ہم سے وہ، تو غم کیا ہے کہ دل سے دل کے دھڑکنے کا سِلسلہ تو مِلا
(آلِ احمد سرورؔ)

عجب اِک سانحۂ ہوش رُبا تھی وہ نگاہ میں ہوں اِک عمر سے فانیؔ ہمہ تن ماتمِ ہوش
(فانیؔ بدایونی)

بہت دِنوں پہ تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اِک نظر جو بظاہر نگاہ سے کم ہے
(غالبؔ)

ختم تھا جس پر کبھی اندازِ حُسنِ دلبری
آہ، اب لاؤں کہاں سے وہ نگاہِ التفات
(حسرتؔ موہانی)

نگاہِ یار کچھ ایسی پھری ہجراں نصیبوں سے
کہ اَب تو جس کا جی چاہے وہی غمخوار ہو جائے
(فراقؔ گورکھپوری)

کیسا نظارا، کس کا اشارہ، کہاں کی بات
سَب کچھ ہے اور کچھ نہیں نیچی نِگاہ میں
(داغؔ)

نِگہ کیا اور مژہ کیا، ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اِسے تیرِ قضا، اُس کو پرِ تیرِ قضا سمجھے
(ذوقؔ)

لاگ اس پلک کی اتنی ہی معلوم ہے کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر میں مرے ہے چُبھا ہوا
(راسخؔ عظیم آبادی)

رقص کرتی ہوں جیسے راگنیاں
ان نِگاہوں کی بات کیا کہیئے
(مہندر چند نقشؔ)

شباب و پیری

آمدِ شباب :-

نام ہے کیا اِسی ہنگامے کا آغازِ شباب
ایک آندھی سی چلی آتی ہے ارمانوں کی
(نہالؔ سیوہاروی)

اس بُت کی اِبتدائے جوانی مُراد ہے
مومنؔ کچھ اور فِتنۂ آخر زماں نہیں
(مومنؔ)

جوش و ولولہ :-

اُن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اِک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا
(فانیؔ)

شباب :-

شباب نام ہے اُن جاں نواز لمحوں کا
جب آدمی کو یہ محسوس ہو، جواں ہوں میں
(نیاز فتحپوری)

مُعطّر سانس، چہرہ رشکِ گُل، مستی بھری آنکھیں
جوانی ہے کہ اِک سیلاب رنگ و بُو کا دھارا ہو
(احسان دانش)

بدمستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں
گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں
(سیّد شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انورؔ)

چھلکائیں لاؤ بھر کے گُلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی
(ریاضؔ خیرآبادی)

یہ مئے چھلک کے بھی اس حُسن کو پہنچ نہ سکی
یہ پھول کِھل کے بھی تیرا شباب ہو نہ سکا
(اخترؔ شیرانی)

قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی
جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
(جگرؔ مرادآبادی)

اُس فتنۂ شباب کا عالم نہ پُوچھیے
اِک حشر اُٹھ رہا ہے تماشا لِئے ہوئے
(حفیظؔ جالندھری)

جوانی حاصلِ حُسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے
ارے توبہ قیامت قدِ آدم ہوتی جاتی ہے
(جگرؔ مرادآبادی)

گھٹا، سبزہ، ستارے، پھول سب اپنی جگہ برحق
تری کافر جوانی، پھر تری کافر جوانی ہے
(ماہر القادری)

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک
(فانی)

اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی
(داغ)

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں، فلک تو کیا عرش کانپ اٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا، تمام زورِ شباب تیرا
(جوش ملیح آبادی)

خیال اور کسی کا اگر نہیں، نہ سہی
تجھے تو چین سے تیرا شباب رہنے دے!
(امید امیٹھوی)

وہ شباب کے فسانے جو میں سُن رہا ہوں دل سے
اگر اور کوئی کہتا تو نہ اعتبار ہوتا
(ثاقب لکھنوی)

ابھی شباب ہے کرلوں خطائیں جی بھر کے
پھر اس مقام پہ عمرِ رواں ملے، نہ ملے
(آنند نرائن ملاّ)

کمبخت جوانی سینے میں ناگن کی طرح لہراتی ہے
ہر موجِ نفس اک طوفاں ہے کونین شکن ارمانوں کا
(جوش ملیح آبادی)

مری جوانی کے گرم لمحوں پہ ڈال دے گیسوؤں کا سایہ
یہ دوپہر کچھ تو معتدل ہو، تمام ماحول جل رہا ہے
(عبدالحمید عدمؔ)

شباب آیا، کسی بُت پر فدا ہونے کا وقت آیا
مری دُنیا میں بندے کے خُدا ہونے کا وقت آیا
(پنڈت ہری چند اخترؔ)

آیا تھا ساتھ لے کے محبّت کی آفتیں جائے گا جان لے کے زمانہ شباب کا

(جگر بسوانی)

ضعیفی (پیری) :-

کل ہم آئینے میں رُخ کی جُھریاں دیکھا کئے کاروانِ عمرِ رفتہ کا نشاں دیکھا کئے

(صفی لکھنوی)

مُنھ پھیر کے یوں گئی جوانی یاد آ گیا رُوٹھنا کسی کا

(جلیل مانک پوری)

یہ جُھرّیاں نہیں ہاتھوں میں ضُعفِ پیری سے چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

(میر انیس)

دن جوانی کے گئے موسمِ پیری آیا آبرو خاک ہے اب وقت حقیری آیا

(؟)

پیری ہے اب تو کہئے سو کیا کہئے ہمنشیں کس رنج و غم میں گذری ہیں اپنی جوانیاں

(میر)

ضُعفِ پیری جو بڑھا موت کے پیغام چلے آ گیا وقتِ سفر، صُبح چلے، شام چلے

(ریاض خیرآبادی)

عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں مُوند یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

(میر)

وقتِ پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

(ذوق)

وہی شباب کی باتیں، وہی شباب کا رنگ تمہیں ریاض بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

(ریاض خیرآبادی)

عُمرِ رفتہ :-

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عُمرِ رفتہ کو آواز دینا
(صفی لکھنوی)

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عُمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
(خواجہ میر درد)

اَب جو اِک حسرت جوانی ہے
عُمرِ رفتہ کی اِک نشانی ہے
(حسرت موہانی)

کرعہدِ گذشتہ کو شریکِ غمِ امروز
خاکسترِ ماضی سے کچھ اُٹھتا ہے دھواں بھی
(فراق گورکھپوری)

کیا بار بار عشرتِ رفتہ کو روئیے
اِک خواب تھا کہ دیکھ لیا تھا بہار میں
(صفیر احمد جان صفیر)

شاد نہ وہ دیدار پرستی اور نہ وہ بے نشّہ کی مستی
تجھ کو کہاں سے ڈھونڈھ کے لائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
(شاد عظیم آبادی)

یادِ شباب :-

شباب مِٹ چکا یادِ شباب باقی ہے
ہے بُو شراب کی، ساغر میں اب شراب نہیں
(اختر شیرانی)

اَب ہے دل باقی نہ دل کی شورشیں
آہ! وہ ہنگامۂ عہدِ شباب!
(حسرت موہانی)

ہائے وہ دورِ زندگی جس کا لقب شباب تھا
کیسی لطیف نیند تھی، کیسا حسین خواب تھا
(قدیر لکھنوی)

ہائے جوانی، کیا کیا کہیئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے، وہ عہد گیا، وہ موسم وہ ہنگام گیا
(میر)

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
(میر)

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی، شباب نہ تھا
(میر انیس)

ریاض اب کہاں وہ جوانی کا عالم!
گلے سے لگاتے جوانی جو ملتی
(ریاض خیرآبادی)

ہنوز دل میں ہے اک پرتو نشاطِ دوام
بہت قلیل تھیں گو ساعتیں جوانی کی
(علی اختر اختر)

ہر چیز پر بہار تھی ہر شئے پہ حسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں
(سیماب)

کہنے لگتے ہیں جوانی کی کہانی جو کبھی
پہلے ہم دیر تلک بیٹھ کے رو لیتے ہیں
(شاد عظیم آبادی)

چھڑی ہوئی ہے حکایت شبِ جوانی کی
تڑپ کے جوش! پھر اک بار نعرۂ یاہو
(جوش ملیح آبادی)

پیو شراب جوانو! کہ موسمِ گل ہے
ہمیں بھی یاد وہ عہدِ شباب آتا ہے
(خواجہ احسن اللہ بیاں)

شباب رفتہ کے قدم کی چاپ سن رہا ہوں میں
ندیم! عہدِ شوق کی سنائے جا کہانیاں
(جوش ملیح آبادی)

مئے رنگیں تھا سادہ پانی بھی ہائے کیا چیز تھی جوانی بھی

(جوش ملیح آبادی)

اے ہمنفس نہ پوچھ جوانی کا ماجرا موجِ نسیم تھی، ادھر آئی، اُدھر گئی

(تلوک چند محروم)

شوق دیدار و دیدار

تابِ دیدار :-

سب کو ہے تیرے جلوۂ رنگیں کی جستجو یہ کون سوچتا ہے کہ تابِ نظر نہیں

(آقم لکھنوی)

جلوہ گریِ دوست :-

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

(خواجہ میر درد)

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے، کہ نہیں جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے، کہ نہیں

(سودا)

ہر گُل میں تُو ہے، تجھ میں ہزاروں تجلّیاں دیوانہ کر دیا مجھے فصلِ بہار نے

(عزیز لکھنوی)

عجب اِس جلوۂ یکتا میں نیرنگِ تماشا ہے نئی صورت سے چمکا، خاطرِ شیخ و برہمن پر

(عبدالغنی ارشد گورگانی)

نمودِ جلوۂ نیرنگ سے ہوش اِس قدر گُم ہیں کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

(اصغر گونڈوی)

مجھے دھوکا نہ دیتی ہوں کہیں ترسی ہوئی نظریں
تمہیں ہو سامنے یا پھر وہی تصویر خواب آئی
(آنند نرائن ملّا)

تا بکے شکلِ مجازی میں تری جلوہ گری
اس حقیقت کو جو پوشیدہ ہے، عُریاں کردے
(وحشت کلکتوی)

بس آج جلوۂ عام اے حضور ہو جائے
کلیم و طور کی تخصیص دور ہو جائے
(اختر بہاری)

خوشا وہ ساعت کہ نور رہیگا، تری تجلی عیاں رہیگی
نہ کوئی پردہ رہیگا حائل، نہ کوئی قیدِ مکاں رہیگی
(بیتاب عظیم آبادی)

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی
(میر)

پردے سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے
مشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے
(حسرت موہانی)

ہے غلط دھوم کہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا
(میر عبدالرحمٰن آہی)

جمالِ دوست :-

دیکھا تو ہوگا ہم نے ازل میں جمالِ دوست
لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا
(شاد عظیم آبادی)

کس جلوے پہ مرتے ہیں ہم سے نہ کوئی پوچھے
پہچان نہیں سکتے لیکن کبھی دیکھا ہے
(ثاقب لکھنوی)

جمالِ دوست کی رنگینیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے
(حسرت موہانی)

تیرے جلووں نے مجھے گھیر لیا ہے اے دوست!
اب تو تنہائی کے لمحے بھی حسیں ہوتے ہیں
(سیماب)

انداز بلا کے ہیں، قیامت کی نظر ہے
جلوے کا یہ عالم ہے کہ دیوانہ بنا دے
(شاطر دہلوی)

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں
(جلیل مانک پوری)

رات محفل میں ترے حُسن کے شعلے کے حضور
شمع کے مُنہ پہ جو دیکھا تو کہیں نُور نہ تھا
(خواجہ میر درد)

نگاہِ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم، آپ کا جواب نہیں
(فانی)

گر میرے بُت ہوش رُبا کو نہیں دیکھا
اِس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا
(داغ)

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے
(داغ)

لِلّٰہ یہ تُم دیکھنے والوں سے نہ پُوچھو
کیا چیز ہو تُم دِیکھنے والوں کی نظر میں
(افسر میرٹھی)

تیری صُورت کو دیکھتا ہوں میں
اُس کی قُدرت کو دیکھتا ہوں میں
(داغ)

حجاب و بے حجابی :-

جب چاہا پردہ اُٹھوایا، جب چاہا پردہ کر بیٹھے
یہ چھیڑ اور اِک دیوانے سے، معلوم نہیں کیا کر بیٹھے
(ناطق لکھنوی)

ردائے لالہ و گل ، پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے
(اصغر گونڈوی)

اللہ اللہ حُسن کی یہ پردہ داری دیکھئے
بھید جس نے کھولنا چاہا وہ دیوانہ ہوا
(آرزو)

بے حجابی یہ کہ ہر صُورت میں جلوہ آشکار
گھونگھٹ اُس پردہ، کہ صُورت آج تک نادیدہ ہے
(آسی جونپوری)

ہر اِک شئے میں تم مُسکراتے ہو گویا
ہزاروں حجابوں میں یہ بے حجابی!
(احسان دانش)

یہ حجابات نظر کچھ بھی نہیں ہیں اے دوست!
میں نے تجھ کو تری آواز سے پہچان لیا!
(غلام احمد علی)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
(غالب)

خیال میں مُسکرا رہا ہے، نگاہ میں جگمگا رہا ہے
حریم خلوت کہ ماہِ تاباں! حجاب کچھ دِلگی نہیں ہے
(طالب باغپتی)

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
ہم سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
(داغ)

مری نگاہ سے چھُپ کر خوشا رعائت ذوق
مری نگاہ پہ بجلی گرائی جاتی ہے
(علی اختر اختر)

قیامت ہی نہ ہو جائے جو پردے سے نکل آؤ
تمہارے مُنہ چھپانے میں تو یہ عالم نکلتا ہے
(صفی لکھنوی)

شُکر پردے ہی میں اُس بُت کو حیا نے رکھّا
وَرنہ ایمان گیا ہی تھا، خدا نے رکھا
(ذوقؔ)

نہ صاف اقرار کا پہلو، نہ صاف انکار کی صُورت
بڑے دھوکے دیئے تیرے حجابِ نیم حائل نے
(اُمیدؔ امیٹھوی)

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چُھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
(داغؔ)

چُھپنے وَالے تجھے خبر بھی ہے!
نگہِ شوق پردہ دَر بھی ہے
(جلیلؔ مانک پوری)

کام آئی کچھ نہ پردہ نشینی حضور کی
دیکھ آئی جاکے بادِ صبا، سر سے پاؤں تک
(امیرؔ مینائی)

حسرتِ دیدار :-

کچھ ایک عجب حسرتِ دیدار ہے، ورنہ
کیا گُل نہیں دیکھے کہ گُلستاں نہیں دیکھا!
(اُمیدؔ امیٹھوی)

کیا ہی شرمندہ چلے ہیں دلِ مجبور سے ہم
آئے تھے اُن کی زیارت کو بہت دُور سے ہم
(حسرتؔ موہانی)

ایک دن بھی نہ اُس کو دیکھا حیف
یوں ہی ایک تمام سال گیا
(مرزا پھوؔ فدوی)

ہائے حسرت نہ بر آئی کبھی دل کی آزاد
ساتھ ہی لے کے چلیں حسرتِ دیدار آنکھیں
(محمد حسین آزادؔ)

حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا حال
آنکھ کمبخت سے پہچان گئے تم مجھکو!
(جلالؔ)

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا ۔۔۔ اور بھی وقت تھے بہانے کے

(میر)

مری آنکھیں تری صورت کو ترسیں ۔۔۔ گلہ ہے مجھ کو صورت آفریں سے

(جلال)

دیدار کی گدائی :۔

کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس ۔۔۔ ہم نے دیدار کی گدائی کی

(میر)

آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے ۔۔۔ دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

(آتش)

بٹتی ہے دولتِ دیدار قیامت کی ہے بھیڑ ۔۔۔ کاسۂ چشم لئے جمع ہیں سائل کیا کیا

(عبدالمجید مضطر مظفرپوری)

دیدارِ دوست :۔

دیدار کی طلب کے طریقوں سے بے خبر! ۔۔۔ دیدار کی طلب ہے تو پہلے نگاہ مانگ

(آزاد انصاری)

میری آنکھیں اور دیدار آپ کا! ۔۔۔ یا قیامت آ گئی یا خواب ہے

(آسی غازی پوری)

سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر ۔۔۔ بارے تو آج آیا تو بستی نظر پڑی

(میر حسن)

درپیش ہے پھر مسئلہ طاقتِ دیدار ۔۔۔ پھر کچھ نگہِ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی

(فانی)

عام ہے وہ جلوہ، لیکن اپنا اپنا طرزِ دید
میری آنکھیں بند ہیں اور چشم انجم باز ہے
(اصغر گونڈوی)

بار ہا دیکھ لیا ہے اُن کو
اور اکثر نہیں دیکھا جاتا
(داغ)

دل تھا منا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ
ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا
(فراق گورکھپوری)

ہم برق و شرر کو کبھی خاطر میں نہ لائے
اس فتنۂ دوراں کو مگر دیکھ نہ پائے
(آل احمد سرور)

پہلے سو بار ادھر اُدھر دیکھا
جب تجھے ڈر کے اِک نظر دیکھا
(میر محمد اثر)

جس وقت نظر پڑتی ہے اُس شوخ پہ تسکیں
کیا کہیئے کہ جی میں مرے کیا کیا نہیں آتا
(میر حسین تسکیں دہلوی)

کوئی موسم ہو، سماں ہو کہ تغیر کوئی
تم کو جب دیکھ لیا وقت فراموش ہوا
(مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزمِ ہستی کو
کہ جو شئے ہے خدائی میں، حسیں معلوم ہوتی ہے
(اختر شیرانی)

خرابِ لذّتِ دیدارِ یار ہم بھی ہیں
ترے شریک دلِ بیقرار ہم بھی ہیں
(فانی)

کئی دن سے اُن کو جو دیکھا نہیں
مری رُوح قالب میں گویا نہیں
(شاہ امین الدین امین بہاری)

دیکھا دمِ نزع دل آرام کو
عید ہوئی ذوق وے شام کو
(ذوق)

بیتاب سا پھرتا ہے کئی روز سے آسی
بیچارے نے پھر تم کو کہیں دیکھ لیا ہے
(آسی الدنی)

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دَیر میں قائمؔ
مرا کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
(شیخ قیام الدین قائم)

ذکرِ محبوب :-

چمن کی بات ہو یا بزم مے کا نام آئے
لبوں پہ تذکرۂ یار آ ہی جاتا ہے
(آل احمد سرور)

لوگ جب ذکرِ یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر مُنہ سب کا
(میر)

ہمنشیں! کہتے ہیں ذکرِ عیش نصفِ عیش ہے
میں کہوں، تو سُن جمالِ یار کا افسانہ آج
(آتش)

اے ناصحِ شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے
(داغ)

یوں کر رہا ہوں اُن کی محبّت کے تذکرے
جیسے کہ اُن سے میری بڑی رسم و راہ تھی
(ماہر القادری)

منحصر موسمِ گُل پر نہیں سودا میرا
آگیا ذکر ترا، اور میں دیوانہ ہوا
(جلیل مانکپوری)

ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی ہے آرزو کہ کاش
کوئی کہے کہ بزمِ ناز، تُو جو نہیں، اُداس ہے
(فانی)

ذوقِ نظر:-

جو دیکھتے ہیں تجھے اور دیکھ سکتے ہیں
مری نگاہ میں ذوقِ نظر نہیں رکھتے
(تاجور نجیب آبادی)

جلوۂ برقِ حُسن ہے، دشمنِ خرمنِ قرار
دل کو بچاؤں کس طرح ذوقِ نظر کو کیا کروں
(تلوک چند محروم)

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی
مُنہ پھیر لیا ہم نے تو دُنیا نہ رہے گی
(فانی)

کیا دردِ ہجر اور یہ کیا لذّتِ وصال
اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے
(اصغر گونڈوی)

شوقِ دیدار:-

یہ عطا ہوئی کہ جفا ہوئی یہ ستم ہوا، کہ کرم ہوا
اسے شوقِ دید عطا کیا، جو نگہ کی تاب نہ لا سکے
(جوش ملسیانی)

مانا کہ تری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ، مرا انتظار دیکھ!
(اقبال)

تری نوید میں ہر داستاں کو سُنتے ہیں
تری اُمید میں ہر رہگذر کو دیکھتے ہیں
(مولا بخش قلق)

حرم ہو، مدرسہ ہو، دَیر ہو، مسجد کہ میخانہ
یہاں تو صرف جلوے کی تمنّا ہے، کہیں آ جا
(جوش ملیح آبادی)

میں شوقِ دید میں کیا جانے کتنی دُور آیا
کھُلی کچھ آنکھ مری جب قریبِ طُور آیا
(جلال)

جو اور کچھ ہو تری دید کے سوا منظور
تو مجھ پہ خواہشِ جنّت حرام ہو جائے
(حسرت موہانی)

اُمید نہیں ان سے ملاقات کی ہرچند
آنکھوں سے مگر ذوقِ تماشا نہیں جاتا
(حسرت موہانی)

گذاری دیکھنے میں اُس کے ساری زندگی میں نے
مگر یہ شوق ہے دیکھا نہیں گویا کبھی میں نے
(ناطق لکھنوی)

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لُوں، کوئی اللہ کا بندہ ہوگا!
(اکبر الٰہ آبادی)

جلوۂ یار سے کیا شکوۂ بیجا کیجئے
شوقِ دیدار کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا!
(عابد علی عابد)

محبوب :-

مہر طلعت، حور پیکر، مشتری رُو، مہ جبیں
سیم بر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
(نظیر اکبر الٰہ آبادی)

نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک کمر
غنچہ لب، رنگیں ادا، شکر دہاں، شیریں سخن
(نظیر اکبر الٰہ آبادی)

بس رہا ہے مری آنکھوں میں وہی جانِ بہار
جس کا ہم رنگ کوئی پھول، چمن بھر میں نہیں
(تاجور نجیب آبادی)

گُلشن میں دیکھ کر مرے مستِ شباب کو
شرمائی جا رہی ہے جوانی بہار کی
(آغا حشر کاشمیری)

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے، ایمان ہے تو سب کچھ
(ذوق)

گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اُجالا کچھ اور
مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے
(فانیؔ)

ترا تبسّم فروغِ ہستی، تری نظر اعتبارِ ہستی
بہار اقرار کر رہی ہے، شراب ایمان لا رہی ہے
(عبدالحمید عدمؔ)

اَللہ رے تری فسوں نوازی
جو دل ہے طلسمِ آرزو ہے
(فانیؔ)

بہت لگتا ہے جی صحبت میں تیری
تُو اپنی ذات سے اِک انجمن ہے!
(حسرتؔ موہانی)

نازو انداز و حُسن و خوبی میں
کون ہے تم سا، اس کا نام تو لو!
(رندؔ)

ہم کیا کریں نہ تیری اگر آرزو کریں
دُنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا!
(حسرتؔ موہانی)

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے رُوبرو کرتے
ہم اور بُلبلِ بیتاب گُفتگو کرتے
(آتشؔ)

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے
(غالبؔ)

ہوش میں آؤ ذرا تم تو بھلا کیا ہو جلال
اچھے اچھوں کو وہ دیوانہ بنا دیتے ہیں
(جلالؔ)

ابھی جانا نہیں حالیؔ نے، کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لُطف کو پائیں گے مزہ، یاد رہے
(حالیؔ)

نامِ محبوب :-

زبانِ عشق پر اک چیخ بن کر اُن کا نام آیا
خرد کی منزلیں طے ہو گئیں دل کا مقام آیا
(آنند نرائن مُلّا)

فانی کو یا جنوں ہے، یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا
(فانی)

وفورِ شوق سے اے رِند ضبط ہو نہ سکا
زبان پکار اُٹھی جب دل میں تیرا نام آیا
(رِند)

اگر مرتے ہوئے لب پر نہ تیرا نام آئے گا
تو میں مرنے سے باز آیا، مرے کس کام آئیگا
(شاد عظیم آبادی)

مرے لب پر یہ کیوں بیساختہ آج اُن کا نام آیا
رہِ اُلفت میں شاید پھر کوئی نازک مقام آیا
(ماہر القادری)

تمہارا حافظہ ہے کیوں محفل میں اس کا نام آیا تھا
تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا
(حسرت موہانی)

جب نام ترا لیجئے تب اشک بھر آئے
یوں زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے
(میر)

تذکرہ رہتا ہے دل سے سحر و شام اُن کا
لب پہ آ جائے نہ بھولے سے کہیں نام اُن کا
(روش صدیقی)

نام اس کا تو مرے دل میں نہاں تھا ناصح!
ہائے کمبخت! ترے مُنہ سے یہ کیونکر نکلا
(داغ)

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
(میر)

زباں پہ بار آہا ! یہ کس کا نام آیا !!
کہ میرے نُطق نے بوسے مری زباں کے لئے
(غالبؔ)

دخل ہے اس کو بہت کچھ مرے تڑپانے میں
وہ جو لذّت ہے ترے نام کے دہرانے میں
(مرزا جعفر علی خاں اثرؔ)

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سُنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
(مومنؔ)

ترے ہم نام کو کوئی جو پکارے ہے کہیں
جی دَھڑک جائے ہے میرا کہ کہیں تُو ہی نہ ہو
(میر حسنؔ)

نہیں اِک بار بھی اب سُننے کی طاقت دل میں
پہلے سو بار ترا نام لیا کرتا تھا
(قربان علی سالکؔ)

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کے کوئی غافل ہوگیا
(فانیؔ)

نظارۂ جمال :-

ٹک باغ میں شتاب چلو اے بہارِ حُسن !
گُل چشم ہو رہا ہے تمہارے نظارے کو
(شاہ مبارک آبروؔ)

ہوگی کسی کو فرصتِ نظارۂ جمال
فانیؔ، خرابِ حُسنِ تماشائے یار ہے
(فانیؔ)

تھا حاصلِ نظارہ فقط ایک تحیّر
جلوے کو کہے کون کہ اب گُم ہے نظر میں
(اصغرؔ گونڈوی)

نظر بھر کے جو دیکھ سکتے ہیں تجھ کو
میں اُن کی نظر دیکھنا چاہتا ہوں
(تاجورؔ نجیب آبادی)

اَللہ رے اضطرابِ تمنائے دیدِ یار! اِک فرصتِ نگاہ میں سو بار دیکھنا
(شیخ امیر اللہ تسلیم)

مصلحت کا ہے تقاضا احتیاط دِل یہ کہتا ہے کہ دیکھا کیجیے
(افسر میرٹھی)

کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، سو مرتبہ دیکھوں پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
(داغ)

کیا خبر ان کو ترے جلوے کا عالم کیا تھا تیری خاطر جو سرِ بزم تماشا نہ ہوئے
(حسن نعیم)

کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
(مومن)

گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد! خُدا نے یہ جلوہ دکھایا، تو دیکھا
(امتہ الفاطمہ بیگم صاحب)

دیکھا جو کہیں گرمِ نظر بزمِ عدو میں وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر
(حسرت موہانی)

آ، مگر اس قدر قریب نہ آ کہ تماشا محال ہو جائے
(آزاد انصاری)

قطرۂ اشک ہوں پیارے، مرے نظارے سے کیوں خفا ہوتا ہے، پَل مارتے ڈھل جاؤں گا
(سودا)

نقاب و بے نقابی:-

میں ہی اپنا نقاب ہوں، ورنہ تیرے مُنہ پر کوئی نقاب نہیں
(فانی)

نہ آنکھ دیکھ سکی جب وہ بے نقاب ہوا
تحیّرِ نگہِ شوق خود حجاب ہوا
(جلال)

میں اضطرابِ شوق کہوں، یا جمالِ دوست
اِک برق ہے جو کوند رہی ہے نقاب میں
(اصغر گونڈوی)

نگاہِ شوق کی تھیں بدحواسیاں ورنہ
ہزار بار وہ محفل میں بے نقاب آیا
(اثر صہبائی)

میری حیرت کی قسم، آپ اُٹھائیں تو نقاب
میرا ذِمّہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے
(جگر مرادآبادی)

دیکھے بغیر حال یہ ہے اضطراب کا
کیا جانے کیا ہو پردہ جو اُٹھے نقاب کا
(اثر صہبائی)

کہے کون صیدِ رمیدہ سے، کہ ادھر بھی پھر کے نظر کرے
کہ نقاب اُلٹے سوار ہے، ترے پیچھے کوئی غبار میں
(میر)

عزیز منہ سے وہ اپنے نقاب تو اُلٹیں
کریں گے جبر اگر دل پہ اختیار رہا
(عزیز لکھنوی)

اُدا شناس بھی تھے عرصۂ قیامت میں
سمجھ کے آپ کو رُخ سے نقاب اُٹھانا تھا
(صفدر مرزاپوری)

عشق و عاشقی

ابتدائے عشق :-

بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا
اب تو اظہارِ محبت برملا ہونے لگا
(حسرت موہانی)

نین سے نین جب ملائے گیا — دل کے اندر مرے سمائے گیا
(شاہ مبارک آبرو)

شروعِ راہِ محبت، ارے معاذ اللہ! — یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
(جگر مرادآبادی)

شروعِ عشق ہی میں ہیں دل و جگر بیتاب — ابھی سے حال یہ ہے اپنے ساتھ والوں کا
(جلال)

ابتدائے عشق ہے، روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
(میر)

آغازِ محبت کے اللہ وہ کیا دن تھے — وہ شوق کے ہنگامے وہ شوق کی تمہیدیں
(فانی)

اظہارِ محبت:-

صاف ظاہر ہے نگاہوں سے کہ ہم مرتے ہیں — منہ سے کہتے ہوئے یہ بات مگر ڈرتے ہیں
(اختر انصاری)

اظہارِ عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ — یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا لیا
(شیفتہ)

آغازِ التفات:-

دور ہی دور سے اقرار ہوا کرتے ہیں — کچھ اشارے پسِ دیوار ہوا کرتے ہیں
(داغ)

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں — اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں
(داغ)

کون کہتا ہے بڑھا شوق اِدھر سے پہلے — کس نے دیکھا تھا کسے ترچھی نظر سے، پہلے!

(جمیل مظہری)

اقرارِ محبّت (محبوب کا):-

اگر تو محبت کا اقرار کر دے — تو اختر دو عالم سے انکار کر دے

(اختر اورینوی مونگیری)

محبّت کے اقرار سے شرم کب تک — اگر سامنا ہو تو مجبور کر دوں

(اختر شیرانی)

اِضطرابِ شوق:-

پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع — مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں!

(مومن)

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں — حالت اب اضطراب کی سی ہے

(میر)

اُس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات — افسوس میں نے کچھ نہ سُنا اضطراب میں

(شیفتہ)

جب یہ سُنتے ہیں کہ ہمسایہ ہیں آپ آئے ہوئے — کیا دَر و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

(جرأت)

یہ اضطراب دیکھ، کہ اب دشمنوں سے بھی — کہتا ہوں، اس سے ملنے کی کچھ تم دُعا کرو

(میر)

آج اِس راہ دلرُبا گذرا — جی پہ کیا جانیئے کہ کیا گذرا

(سیّد محمد میر سوز)

کل آیا تھا جہاں سے ہو کے بیزار — وہیں پھر آج مجھ کو لے چلا دل
(نظامؔ رامپوری)

چلے نہ اُٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تم میرؔ — ابھی نہ اُن کی گلی سے پکار لایا ہوں!
(میرؔ)

بدبختیٔ عشّاق :-

نام بدبختیٔ عشّاق خزاں ہے بلبل — تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے
(مومنؔ)

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا — کیوں آسماں! وہ باغ ہی سارا اُجڑ گیا!!
(فانیؔ)

بخت بد نے وہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں میں — تو اگر لطف کی باتیں بھی کبھی کرتا ہے
(مومنؔ)

ہم گلشنِ دوراں میں، اے خفتگیٔ طالع! — سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ
(میر دردؔ)

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے! — وہ بدنصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا
(یگانہ چنگیزی)

بدگمانیٔ عاشق :-

کل نہ آنے میں ایک یاں تیرے — آج سو سو طرف گمان گیا
(میرؔ)

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری — خط دیا، لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست
(آتشؔ)

بڑھی ہے آپس میں بدگمانی، مزہ محبت کا آ رہا ہے
ہم اس کے دل کو ٹٹولتے ہیں، تو ہم کو وہ آزما رہا ہے
(حفیظ جونپوری)

بدنامیِ عشاق :-

تصدق عصمت کونین اس مجذوبِ اُلفت پر
جو ان کا غم چھپائے اور خود بدنام ہو جائے
(شعری بھوپالی)

مرا ہی نام زمانے نے کر دیا بدنام!
میں جس کے نام پہ مرتا ہوں اس کا نام نہیں
(رسا جالندھری)

نہ آزاد، میکش نہ شاہد پرست
وہ کمبخت بدنام ہے اور بس
(آزاد انصاری)

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو!
(مومن)

بیزاریِ طبع وافسردگی :-

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں
(انشا)

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا
ہائے طبیعت، تجھے کیا ہو گیا
(داغ)

بجھا ہوا ہے دل ایسا کہ کچھ اثر ہی نہیں
نگاہِ یار کی شوخی نگاہِ یار میں ہے
(وحشت کلکتوی)

فسردہ دل ہوں، مجھے کیا ہے، کوئی موسم ہو
بھری بہار میں کیا تھا، جو اب خزاں میں نہیں
(ریاض خیرآبادی)

مرے دل کو ہے یہ فسردگی کہ خیالِ عیش بھی خار ہے / تو بھرے نصیب! میں کیا کروں جو شبِ نشاط بہار ہو
(سیماب)

اب کیا ملیں کسی سے کہاں جائیں اب نظام / ہم وہ نہیں رہے، وہ طبیعت نہیں رہی
(نظام رامپوری)

وہی میں ہوں آثر، وہی دل ہے / اب خدا جانے کیا ہوا مجھ کو
(میر محمد آثر)

اب تو افسردگی ہی ہے ہر آن / وے نہ ہم ہیں نہ وے زمانے ہیں
(میر)

کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا، ورنہ آج کل / کیفیتِ بہار کی شدت چمن میں ہے
(حسرت موہانی)

اُن کی ہنسی پہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے / اب دل خوشی کا بھی متمنی نہیں رہا
(حکیم منّے آغا فاضل لکھنوی)

کوئی دھڑکن ہے، نہ آنسو، نہ اُمنگ / وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے
(زہرہ نگار)

اب جو اُچاٹ ہوئی ہے طبیعت، شاید اب ہم رخصت ہیں / بن کارن بے بات دگرنہ ایسی کبھی دلگیر نہ تھی
(مختار صدیقی)

دل بجھا، شمعِ کائنات گئی / زندگی کی اُجالی رات گئی
(آنند نرائن ملا)

بیچارگیِ عشق :-

یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں / مجھے چاہیئے ہے جس سے بہت احتراز کرنا
(میر)

دل کی مجبوری بھی کیا شے ہے کہ در سے اپنے
اس نے سو بار اٹھایا تو میں سو بار آیا
(حسرت موہانی)

اشک آنکھ سے، دل ہاتھ سے، جی تن سے چلا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے
(میر مدد اللہ)

اخفائے خلش دشوار بہت، تشریح خلش ممکن ہی نہیں
چپ رہنے میں دم گھٹتا ہے، کہتا ہوں تو دل تھراتا ہے
(ضمیر حسن خاں دل شاہجہاں پوری)

کوئی اے شکیل دیکھے، یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم، جو نہ ہو سکا ہمارا
(شکیل بدایونی)

ٹھانی تھی دل میں، اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
(مومن)

کھا کے چڑ کے ہنسو، یہ بات ہے اور
آرزو! جی ہی جانتا ہوگا!!
(آرزو لکھنوی)

کچھ اختیار کسی کا نہیں طبیعت پر
یہ جس پہ آتی ہے بے اختیار آتی ہے
(جلیل مانکپوری)

کیا چلے بدر کا جادو ترے سنگیں دل پر
کوئی فرہاد کا تیشہ ہو تو پتھر ٹوٹے
(بدرالدین بدر عظیم آبادی)

بیخودی و وارفتگی شوق :-

میری وارفتگی، معاذ اللہ
تم بھی آئے تو کچھ خبر نہ ہوئی
(جوش ملیح آبادی)

گذر گئی حد سے جب محبت تو ایک ایسا بھی وقت آیا
کہ کوئی بیٹھا ہوا ہے بالیں پر اور کسی کو خبر نہیں ہے
(جمیل مظہری)

اپنی حالت کا خود احساس نہیں ہے مجھ کو میں نے اوروں سے سُنا ہوں کہ پریشاں ہوں میں

(عبدالباری آسی)

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا

(میر)

ہم پر عبث ہے تہمتِ نظارۂ جمال تم آکے بیٹھے بزم میں پھر ہم کہاں رہے

(وحشت کلکتوی)

اس نے کس لُطف سے پوچھا کہ اثر کیسے ہو بیخودی کا ہو بُرا، کہہ دیا کچھ یاد نہیں

(اثر لکھنوی)

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

(جوش ملیح آبادی)

اِک بیخبرِ ہوش کا عالم ہی جدا ہے نالے ہیں نہ آہیں، نہ اثر ہے نہ دُعا ہے

(دل شاہجہانپوری)

یہی حرم نہیں ہے، یہ کُوئے بُتاں نہیں اَب کچھ نہ پوچھئے کہ کہاں ہوں کہاں نہیں

(اصغر گونڈوی)

جس میں ہو یاد بھی تری شامل ہائے اس بیخودی کو کیا کہیئے!

(روشن صدیقی)

وہ بےخودیٔ وہ دِل اُمڈا ہوا، وہ رُونے لگا! نظر بھی صورتِ شبنم بکھر گئی ہو گی

(فراق گورکھپوری)

اِن دِنوں کچھ عجب ہے دل کا حال دیکھتا کچھ ہے، دھیان میں کچھ ہے

(میر درد)

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے
جنہیں تیرے جلوے کے سامنے مری طرح بے خبری رہی
(راسخ عظیم آبادی)

جس پہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب
بیخودی نے اب اسے محسوس عریاں کر دیا
(اصغر گونڈوی)

بے پیے کہتے ہیں سب رندِ مے آشام مجھے
بے خودی تو نے کیا مفت میں بدنام مجھے
(جلیل مانکپوری)

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
(غالب)

خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
(مومن)

تیرے بیخود جو ہیں سو کیا چیتیں
ایسے ڈوبے کہیں اُبھرتے ہیں!
(میر)

بے نیازی و سرد مہریِ عاشق :-

وہ جگر پہ زخم نہ دے سکے، میں جبیں پہ داغ نہ لے سکا
وہ نگاہِ ناز اٹھی نہیں، یہ سرِ نیاز جھکا نہیں
(جمیل مظہری)

جب کشتی ثابت و سالم تھی، ساحل کی تمنّا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنّا کون کرے!
(معین احسن جذبی)

دور تھا اک گذر گیا، نشّہ تھا اک اُتر گیا
اَب وہ مقام ہے جہاں شکوۂ بے رخی نہیں
(احسان دانش)

اپنے غم خانے میں بیٹھا ہوں اس انداز سے آج
جیسے مجھ کو ترے آنے کی ضرورت نہ رہی
(ماہر القادری)

یہ تو بُرے آثار ہیں فانیؔ! غم ہو خوشی ہو، کچھ تو ہو
دِل کا یہ کیا حال ہوا! مغموم نہیں، مسرور نہیں
(فانیؔ)

کون سی تیری نگاہوں میں کمی تھی کہ جمیلؔ
چار دن بھی خلشِ دردِ جگر رکھ نہ سکا!
(جمیلؔ مظہری)

میں تو بدلا نہیں، لیکن تری بے مہری نے
جوشِ کچھ طبعِ وفا کوش میں رہنے نہ دیا
(اکبرؔ الہ آبادی)

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد! دولت زیادہ!
(داغؔ)

آپ کے سر کی قسم، داغؔ کو پروا بھی نہیں
آپ سے ملنے کا ہوگا جسے ارماں ہوگا
(داغؔ)

راضی ہو تو راضی ہو، خفا ہو تو خفا ہو
ہم کوئی گنہگار ہیں؟ تم کوئی خدا ہو؟!
(؟)

پہلی نظر:-

دوبارہ دل میں کوئی انقلاب ہو نہ سکا
تمہاری پہلی نظر کا جواب ہو نہ سکا
(ناطقؔ لکھنوی)

ہاں یاد ہے کسی کی وہ پہلی نگاہِ لُطف
پھر خوں کو یوں نہ دیکھا رگوں میں رَواں کبھی
(آنند نرائن مُلّاؔ)

یاد جب بھی آ گئی تیری نگاہِ اوّلیں
کھُل گیا اِک دفترِ مہرِ وفا میرے لئے
(تلوک چند محرومؔ)

اس نگاہِ اوّلیں کو رو رہا ہوں آج تک
جس نے بنیا دیں جمائی تھیں خیالِ خام کی
(نخشبؔ جارچوی)

پھر بھی کبھی نگاہِ کرم ہو گی اس طرف؟ | اُمید آج تک اسی پہلی نظر کی ہے
(سیّد اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی)

سہمی ہوئی تھی صبح کی پہلی کرن کی طرح | ان کی طرف نگاہ جو پہلے پہل گئی
(آثرؔ لکھنوی)

نظر سے ان کی پہلی ہی نظریں مل گئی اپنی | کہ جیسے مدتوں سے تھی کسی سے دوستی اپنی
(جگرؔ)

آہ! اس نگاہِ مست کی شوخی جو بے خبر | خُوبی پہ رُوئے یار کی پہلے پہل گئی
(حسرتؔ موہانی)

پیار :-

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی، دعا کر میرؔ | کہ اَب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آئے
(میرؔ)

پیار کرنے کا جو خوباں رکھتے ہیں ہم پر گناہ | ان سے بھی تو پُوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے
(میرؔ)

میں نے جو تمہیں چاہا، کیا اس میں خطا میری | یہ تُم ہو یہ آئینہ، انصاف ذرا کرنا
(جلیلؔ مانک پوری)

دین و دل و قرار و صبر، عشق میں تیرے کھو چکے | جیتے جو اَب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا
(سوداؔ)

مَلامت گرو! ان کو ضد پر تمہاری | نہیں بھی اگر چاہتا، چاہتا ہوں
(تاجورؔ نجیب آبادی)

چاہ کا نام جب آتا ہے، بگڑ جاتے ہو | وہ طریقہ تو بتا دو، تمہیں چاہیں کیوں کر
(داغؔ)

تُم آئینے میں اپنے لب چُوم لینا ۔۔۔ یہی دورافتادہ کا پیار ہوگا

(عندلیب شادانی)

حیات وقفِ غمِ روزگار کیوں کرتے ۔۔۔ میں سوچتا ہوں کہ وہ مجھ سے پیار کیوں کرتے!

(ظہور نظر)

تعلّیٔ عشق :-

تھے اس آئینۂ عالم کے نہ آثار ہنوز ۔۔۔ تب سے ہوں حیرتیِ حُسنِ رُخِ یار ہنوز

(راسخ عظیم آبادی)

سب پہ جس بار نے گرانی کی ۔۔۔ اُس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا

(میر)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جُنبش میں ۔۔۔ جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے!

(شیفتہ)

کہہ دیکھ تو اُستم سے سر تیغ تلے دھرئے ۔۔۔ پیارے یہ ہمیں سے ہے، ہر کارے و ہر مَردے!

(سودا)

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں ۔۔۔ کہ اِس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(سودا)

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں ۔۔۔ قبلہ وکعبہ لکھا کرتا تھا القاب مجھے

(ذوق)

فنا تعلیم درسِ بے خودی ہوں اس زمانے سے ۔۔۔ کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

(غالب)

میرے سنگِ مزار پر فرہاد ۔۔۔ رکھ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد

(میر)

قیس کا نام نہ لو، ذکرِ جنوں جانے دو — دیکھ لینا مجھے تم، موسمِ گل آنے دو
(محمد رضا برق)

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغِ ہجراں کا — طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
(ناسخ)

غرور اور ہمارا غرورِ محبت! — مہ و مہر کو ان کے در پر جھکا دیں!
(اختر شیرانی)

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے — بلا یہ کون لیتا اپنے سر لیتے تو ہم لیتے
(؟)

ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے — لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے
(جرأت یا جعفر علی حسرت)

ترکِ محبت و ترکِ طلب :-

محبت انسان کی ہے فطرت کہاں ہے امکان ترکِ الفت — وہ اور بھی یاد آ رہا ہے، میں اس کو جتنا بھلا رہا ہوں
(ناطق لکھنوی)

مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی — خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا
(وحشت کلکتوی)

اگر کارِ الفت کو مشکل سمجھ لوں — تو کیا ترکِ الفت میں آسانیاں ہیں؟
(آزاد انصاری)

ترکِ محبت کرنے والو! کون بڑا جگ جیت لیا — عشق کے پہلے کے دن سوچو، کون بڑا سکھ ہوتا تھا!
(فراق گورکھپوری)

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح — ایک ہم سے یہ ہو نہیں سکتا
(خواجہ احسن اللہ بیاں)

دِل، اور تہیۂ ترکِ خیال کرے! کیسے یقیں ہے کون اس پر اعتبار کرے!
(حسرت موہانی)

حقیقت کھُل گئی حسرت، ترے ترکِ محبت کی تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھکر یاد آتے ہیں
(حسرت موہانی)

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، ہم اُن کو چھوڑ بیٹھے ہیں جب آنکھیں چار ہوتی ہیں، مروّت آ ہی جاتی ہے
(ظہیر دہلوی)

اُٹھاتا ہے جو پتھر رکھ کے سینے پر وہ کام آیا محبت میں تری ترکِ محبت کا مقام آیا
(آنند نرائن مُلّا)

جُنونِ محبت، یہاں تک تو پہونچا کہ ترکِ محبت کیا چاہتا ہوں
(جگر مرادآبادی)

دل میں نہ جانے کیا رہا مثلِ شرارِ جستجو جوشِ طلب کے وقت بھی، ترکِ طلب کے بعد بھی
(حسن نعیم)

گو عہدِ ترکِ محبت پر قائم ہوں لیکن کیا کہیے! جب ان پہ نظر پڑ جاتی ہے، کیا دل کی حالت ہوتی ہے
(انجم مانپوری گیاوی)

رسمِ جہاں نہ چھوٹ سکی ترکِ عشق سے جب مِل گئے تو پرسشِ حالات ہو گئی
(سلیم احمد)

اَب بھاگتے ہیں سایۂ زُلفِ بتاں سے ہم کچھ دِل سے ہیں ڈرے ہوئے، کچھ آسماں سے ہم
(حالی)

افسوس ہے کہ مجھ کو وہ یار بھُول جاوے وہ رسم، وہ محبت، وہ پیار بھُول جاوے
(شاہ مبارک آبرو)

نہیں ملتے، نہ ملیئے، خیر، کوئی مر نہ جائے گا — خدا کا شکر ہے، پہلے محبت آپ نے کم کی

(آغا شاعر دہلوی)

چاہ کے ارمان :-

پریشاں ہوا دوستی کرکے میں — بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا

(میر)

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس — ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

(مومن)

چشم و نگاہِ عاشق :-

رسوا ابھی سے کرتی ہے اے چشمِ تر مجھے — آتا ہے اس کی بزم میں بارِ دگر مجھے

(خواجہ احسن اللہ بیاں)

یہ جو چشمِ پُر آب ہیں دونوں — ایک خانہ خراب ہیں دونوں!

ایک سب آگ ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

آگے دریا تھے دیدۂ تر میر — اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

(میر)

فانی! جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا — ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

(فانی)

نظر میں ڈھل کے ابھرتے ہیں دل کے افسانے — یہ اور بات ہے دنیا نظر نہ پہچانے

(صوفی تبسم)

حالِ عاشق :-

پتّہ پتّہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے — جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

(میر)

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے | کہ رونا رات دن، اور کچھ نہ کہنا
(میر عبدالحی تاباں)

حال مجھ غم زدہ کا جس تس نے | جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا
(درد)

پوچھ مت، دیکھ کہ کیا حالِ ادیبؔ آج بھی ہے | اپنے ہی شہر میں بیچارا، غریب آج بھی ہے
(سلیمان ادیب)

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں | لگا کے آگ مجھے قافلہ روانہ ہوا
(آتش)

ناصح نے میرا حال جو مجھ سے بیاں کیا | آنسو ٹپک پڑے مرے بے اختیار آج
(داغ)

سینۂ نَے پہ جو گزرتی ہے | وہ لبِ نَے نواز کیا جانے
(جگر مرادآبادی)

اے سحرِ حسنِ یار! میں اب تجھ سے کیا کہوں | دل کا جو حال تیری بدولت ہے آج کل
(حسرت موہانی)

اب حالِ نظام کچھ نہ پوچھو | غم ہوگا تمہیں بھی گر کہوں گا
(نظام رامپوری)

مختصر یہ ہے کہ اب داغؔ کا حال | بندہ پرور نہیں دیکھا جاتا
(داغ)

دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم | وہی رونا ہے نت، وہی غم ہے
(درد)

جو گزری مجھ پہ، مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا — بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا، سو ہوا!

(سودا)

جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے — آپ بندہ نواز کیا جانیں!

(داغ)

وہ عالمِ زار ہے میرا، کہ گاہ غیر سے بھی — تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

(مومن)

اب یہ عالم ہے، تیرے حُسن کی خیر — ہوش و مستی میں امتیاز نہیں

(حکیم نواب جان خاں عارف)

جلتے ہیں اور دیکھنے والا کوئی نہیں — شمعِ سرِ مزارِ غریباں ہمیں تو ہیں

(تسلیم لکھنوی)

ان سے بھی ہو سکا نہ ضبط، ان کو بھی رحم آگیا — پائے برہنہ دیکھ کر، جسمِ فگار دیکھ کر

(جگر مرادآبادی)

فرد کی کیا خوب حالت، عشق میں پہنچی ہے اب — جس کے جو کچھ جی میں آئی، مُنہ پہ آ کر کہہ گیا

(شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی عظیم آبادی)

مرے لبوں کا تبسم تو سب نے دیکھ لیا — جو دل پہ بیت رہی ہے وہ کوئی کیا جانے

(اقبال صفی پوری)

کُچھ بھی ہو، مرا حال نمایاں تو نہیں ہے — دل چاک سہی، خیر، گریباں تو نہیں ہے

(علیم مرتضیٰ)

دیکھو اے دوستاں! اچھا ضیا کیوں ہو گیا — مر گیا بے تاب ہو، یا روتے روتے سو گیا

(ضیاء الدین ضیا)

حالِ دل میرؔ کا رو رو کے سب اے ماہ سُنا
شب کو القصہ عجب قصۂ جانکاہ سُنا!

(میرؔ)

امراوانہ زیست کرتا تھا
میرؔ کا طور یاد ہے ہم کو

(میرؔ)

سوداؔ کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

(سوداؔ)

میرے تغیرِ رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

(مومنؔ)

میرے تغیرِ حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

(میرؔ)

میرے تغیرِ حال پر مت جا
یوں بھی اے مہربان ہوتا ہے

(میر دردؔ)

جو اُٹھے ہیں تو گرمِ جستجوئے دوست اُٹھے ہیں
جو بیٹھے ہیں تو تو آرزوئے یار بیٹھے ہیں

(آزادؔ انصاری)

میری ہر بات کو اُلٹا وہ سمجھ لیتے ہیں
اب کے پوچھا تو یہ کہ دوں گا کہ حال اچھا ہے

(جلیلؔ مانکپوری)

سوداؔ! جو ترا حال ہے، اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیئے تُو نے اسے کس آن میں دیکھا!

(سوداؔ)

حُسن گرفتارِ محبت :-

زُلف، اِک انداز سے برہم ہے، خدا خیر کرے!
حُسن پر عشق کا عالم ہے، خدا خیر کرے!

(جمیلؔ مظہری)

میں پریشاں تھا، پریشاں ہوں، نئی بات نہیں
آج وہ بھی ہیں پریشان، خدا خیر کرے!
(عمر انصاری)

آہ وہ دن جبکہ تو بے کل تھا میرے واسطے
ہائے وہ راتیں کہ تو بے خواب تھا میرے لئے
(برقی موسوی)

جذبِ اُلفت کے یہ آثار نمایاں کیوں ہیں؟
آپ خاکم بدہن، آج پریشاں کیوں ہیں؟
(ماہر القادری)

اے دینِ وفا! اے جانِ کرم!! یوں غم میں میرا ہاتھ بٹا
مر جاؤں گا میں اے شمع! خدارا روپ نہ بھر پروانے کا
(جوش ملیح آبادی)

بربادیوں نہ ہوتی مری زندگی مگر
اس نے بھی مجھ کو پیار کیا، ہائے کیا کیا
(ایشوری لال گہر گورکھپوری)

بسا اوقات، دل کے ساتھ بارِ غم اٹھانے میں
سُنا ہے حُسن بھی اپنی نزاکت بھول جاتا ہے
(فراق گورکھپوری)

خانہ خرابی و بے خانمانیٔ عاشق :-

کل جا کے ہم نے میرؔ کے در پر سنا جواب
مدّت ہوئی یہاں وہ غریب الوطن نہیں
(میرؔ)

خانہ برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف و دیوار و در و بام سے کچھ کام نہیں
(ناسخؔ)

چلو، دیکھیں تو، ناطقؔ اپنی حد سے بڑھ نہ آیا ہو
اٹھا ہے شور کعبے میں کہ اک خانہ خراب آیا
(ناطقؔ لکھنوی)

خبرِ عاشق :-

اڑتی سی شیفتہؔ کی خبر کچھ سنی ہے آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہ ہو
(شیفتہؔ)

مرے غم کی انہیں کس نے خبر کی — گئی کیوں گھر سے باہر بات گھر کی

(ناطق گلاؤٹھی)

دل کو تو دل سے راہ ہے مشہور ہے یہ بات — کچھ بھی خبر ہے تم کو کسی بے قرار کی!

(نظام رامپوری)

خواریٔ عشق :-

پھرتے ہیں میرؔ خوار، کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

(میرؔ)

پھرتے ہیں داد خواہ ترے حشر میں خراب — تو پوچھتا نہیں، تو کوئی پوچھتا نہیں

(قربان علی سالکؔ)

کوچے سے نکلواتے ہو عبث ہم ایسے وطن آواروں کو — اپنے دو پڑے ہیں ایک طرف دُکھ دیتے ہو کیوں بیچاروں کو

(ضیا)

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے — آہ! یہ چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے

(میر عبدالحی تاباںؔ)

تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو — ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

(غالبؔ)

رشکِ دشمن بھی گوارا۔ لیکن — تجھ کو مضطر نہیں دیکھا جاتا

(داغؔ)

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضعداریاں — جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

(؟)

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

(غالبؔ)

تم کہو میر کو چاہو سو، کہ چاہیں ہیں تمہیں
ورنہ ہم لوگ تو سب ان کا ادب کرتے ہیں
(میرؔ)

گرایا جب نظر سے آپ نے تو دل پہ کیا بیتی
گرا جب دستِ ساقی سے تو پیمانے پہ کیا گذری
(حسن امام وارثی گیاوی ثم کراچوی)

جنھوں کے نامے پہنچتے ہیں یار تک دن رات
انہیں کا، کاش کہ جرأت بھی نامہ بر ہوتا
(جرأتؔ)

خودداری عشق:-

بندگی میں بھی وہ آزادہ وہ خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
(غالبؔ)

اے سجدہ فروشِ کوئے بتاں ہر سر کیلئے اک چوکھٹ ہے
یہ بھی کوئی شانِ عشق ہوئی جس دَر پہ گئے سر پھوڑ لیا!
(جمیلؔ مظہری)

وفا کیسی! کہاں کا عشق! جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو!
(غالبؔ)

دَرد کا میرے یقیں آپ کریں یا نہ کریں
عرض اتنی ہے کہ اس راز کا چرچا نہ کریں
(وحشت کلکتوی)

خودفراموشی:-

ہم ہیں اور بیخودی و بے خبری
اب نہ رِندی نہ پارسائی ہے
(امرناتھ ساحرؔ)

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی
(غالبؔ)

گم کر دیا ہے دید نے یوں سر بسر مجھے
ملتی ہے اب انہیں سے کچھ اپنی خبر مجھے
(آغا شاعر گونڈوی)

نگاہِ مست سے، اُو مُڑ کے دیکھنے والے
تجھے تو ہے، مجھے اپنی خبر نہیں نہ سہی
(زائل شاہجہاں پوری)

ذکرِ عاشق :-

اُن کے لب پر ذکر آیا ہے چاہا نہ مرا
منزلِ تکمیل تک پہنچا اب افسانہ مرا
(ناطق لکھنوی)

جب سُنا یاد کیا کرتے ہو تم بھی مجھ کو
کیا کہوں حد نہ رہی کچھ مری حیرانی کی
(حسرت موہانی)

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پہنچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
(میر درد)

کیا جانے دل ہی دل میں وہ کرتا تھا کس کا ذکر
ہر دم زبانِ یار پہ یادش بخیر تھا
(مرزا محمد تقی خاں ہوس)

گرچہ ہے کس کس خرابی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
(غالب)

بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کوئی مذکور نہ ہو
(مرزا احسن علی احسن)

جو ترے پاس سے آتا ہے میں پوچھوں ہوں یہی
کیوں جی، کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں ہوتا تھا
(سعادت یار خاں رنگین)

سُنی تھی شب کو میں نے بھی صدا غیروں کے ہنسنے کی
تمہاری بزم میں کوئی تو میرا نام لیتا تھا
(ناصری)

ذکر کر بیٹھے بُرائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
(مومنؔ)

کہے ہے سُن کے مری سرگذشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے، جانے بھی دو، ہوا سو ہوا
(سوداؔ)

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا، نہیں آتا
(ذوقؔ)

برسوں ہوئے گئے اسے پر بھولتا نہیں
یادش بخیر! میرؔ رہے خوش جہاں رہے
(نیرؔ)

دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا
کلیم طور پر ان سے جو گفتگو آئے
(ریاض خیرآبادی)

راز و افشائے راز :—

علیحدہ نہ کر الفاظ سے معانی کو
مجاز ہی میں حقیقت کا راز رہنے دو
(ناطقؔ لکھنوی)

آگے بڑھے نہ قصّۂ زلفِ بُتاں سے ہم
سب کچھ کہا، مگر نہ کھلے رازداں سے ہم
(حالیؔ)

راز کی جستجو میں مرتا ہوں
اور میں خود ہوں ایک پردۂ راز
(اصغرؔ گونڈوی)

اِک ایسا راز دیا ہے مجھے چھپانے کو
جسے وہ چاہیں تو خود بھی چھپا نہیں سکتے
(معین احسن جذبیؔ)

راز اگر کونین کے ظاہر ہوئے ناطقؔ تو کیا
کاش وہ معلوم ہو جائے جو اس کے دل میں ہے
(ناطقؔ لکھنوی)

دفن کر سکتا ہوں سینے میں تمہارے راز کو
اور تم چاہو تو افسانہ بنا سکتا ہوں میں
(اسرار الحق مجاز)

راز ان کے کھلے جاتے ہیں اک ایک سے ہوں
اور اس پہ تماشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا!
(دتاتریہ کیفی دہلوی)

سینے میں دل ہے، دل میں داغ، داغ میں سوز و سازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں، پردہ نشیں کا رازِ عشق
(سحر بھوپالی)

حسن کے رازِ نہاں شرح بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے، دل سے زباں تک پہنچے
(محمد دین تاثیر)

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں، سزا چاہتا ہوں
(اقبال)

جسے کبھی سرِ ممبر نہ کہہ سکا واعظ
وہ بات اہلِ جنوں زیرِ دار کہتے ہیں
(اصغر سلیم)

بیانِ رازِ دل کی خواہشیں اور وہ بھی ممبر پر
خبر بھی ہے یہ باتیں دار پر کہنے کی باتیں ہیں
(آزاد انصاری)

کوئی کس طرح رازِ الفت چھپائے
نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے
(نخشب جارچوی)

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
(داغ)

رفتہ نظر ہو جا، سب سے بے خبر ہو جا
کھل گیا ہے راز اپنا، کھل نہ جائے راز اُن کا
(فانی)

زبان بندی ہزار کیجیے، یہ ختم اب داستاں نہ ہوگی
نگاہیں کہہ دینگی رازِ الفت، نہ ہوگی منھ میں زباں نہ ہوگی
(دگمبر پرشاد گوہر، دہلوی)

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
(مومن)

افشائے رازِ عشق میں گو ذلّتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا!
(داغ)

مری تو بپتا بیاں مُسلّم، مگر یہ دل سے نظر کی سازش!
تو اپنی کافر نگاہ سے کہہ کہیں نہ افشائے راز کر دے
(اختر اورینوی)

تم نے اک داستاں بنا ڈالی
ہم نے تو رازِ غم کہا ہی نہیں
(باقر مہدی)

رُسوائیِ عاشق :-

ہو گئی شہر شہر رُسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی
(میر)

محبّت نے کیا بدنام و رسوا اس قدر مجھ کو
کہ ہر محفل میں میری داستاں دُہرائی جاتی ہے
(محمد نقی قیس شیخوپوروی)

کیا کیا شرر ذلیل ہوئے آبرو گئی
ایسا بھی عاشقی کا کسی کو مزہ نہ ہو
(عبدالحلیم شرر)

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رُسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کمبخت جو رُسوا ہو جائے
(داغ)

اے داغ سب یہ حضرتِ دل کے سلوک ہیں
جو کچھ کیا جناب نے رُسوا کیا مجھے
(داغ)

کل کی رُسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق
اس کے کوچے میں ضیاؔ تو آج پھر جانے لگا
(ضیاء الدین ضیاؔ)

پاس مجھ کو بھی نہیں ہے اب، کہ میرؔ
دُور پہنچی ہیں مری رُسوائیاں
(میرؔ)

رُسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے
ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
(آفتاب رائے رُسوا)

مل گیا ہوگا خاک میں جوں اشک
تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
(خواجہ امین الدین امیںؔ)

چاہ کی چتون مری، آنکھ اُس کی شرمائی ہوئی
تاڑ لی مجلس میں سب نے، سخت رُسوائی ہوئی
(داغؔ)

ایک عالم میں بسر کرتے ہیں ہم اور بُلبل
کوئی رُسوائے جہاں ہے کوئی رُسوائے بہار
(ناصرؔ)

سو بار مست کعبے میں پکڑے گئے ہیں ہم
رُسوائی کے طریق سے کچھ نابلد نہیں
(میرؔ)

سادگیِ عاشق :-

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ، کیا چاہتا ہوں
(اقبالؔ)

میں، اور اُس غنچہ دہن کی آرزو!
آرزو کی سادگی تھی میں نہ تھا
(عبدالحمید عدمؔ)

ہے وہی رنگِ حسنِ بے پردا
عشق کی سادگی کو کیا کہئے!
(روشؔ صدیقی)

سادہ دل کتنے ہیں، ارباب محبت، ہے ہے! کہ ترے حشوۂ پنہاں کو حیا کہتے ہیں
(وحشت کلکتوی)

دلِ مضطر کی سادگی دیکھو پھر انہیں سے سوال کرتا ہے
(حسرت موہانی)

نہ تلطف، نہ مروت، نہ محبت، نہ وفا سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں
(سودا)

سادگی دیکھ کہ بوسے کی ہوس رکھتا ہوں جن لبوں سے کہ میسر نہیں دشنام مجھے
(مصحفی)

نہ پوچھ سادگیِ شوق، مان جاتا ہوں یہ جانتے ہوئے، وعدہ فقط بہانہ ہے
(آثر لکھنوی)

ثبوت ہے یہ محبت کی سادہ لوحی کا جب اُس نے وعدہ کیا ہم نے اعتبار کیا
(جوش ملیح آبادی)

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر رُوٹھا تھا آپ تجھ سے میں اور آپ مَن گیا
(شیخ قیام الدین قائم)

یونہی سی اِک اُمید پہ جیتے رہے سرور ہم سادہ لوحِ حُسن کی باتوں میں آگئے
(آلِ احمد سرور)

سحر و شامِ عاشق:-

شام ہوتی نہیں، اِک دل پہ بلا آتی ہے صُبح ہوتی نہیں، اِک جی پہ غضب آتا ہے
(شیخ قیام الدین قائم)

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے، نہ خواب آتا ہے رات کیا آتی ہے اِک سر پہ عذاب آتا ہے
(مصحفی)

صبا یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا　　گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام بھی نہ ہوئی

(جگر مراد آبادی)

یہ راز وہ ہر جواب تک نہ کھل سکا بہزاد　　مری سحر کو خدا جانے کس نے شام کیا

(بہزاد)

شب وہی شب ہیں، دن وہی دن ہیں　　جو تری یاد میں گزر جائیں

(حسرت موہانی)

شوق :-

معراجِ شوق کہیئے یا حاصلِ تصوّر　　جس سمت دیکھتا ہوں تو مسکرا رہا ہے

(جگر مراد آبادی)

جہاں ہے شوق وہاں کیف و کم کی بات نہیں　　جہانِ عشق میں دیر و حرم کی بات نہیں

(جوش ملیح آبادی)

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی　　تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

(فانی)

ہجومِ شوق ہے دل میں مگر خاموش رہتے ہیں　　چھپایا تھا یہ ہم نے راز تم سے آج کہتے ہیں

(حسرت موہانی)

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ!　　سُن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

(جگر مراد آبادی)

اِس شوقِ فراواں کی یا ربّ آخر کوئی حد بھی ہے کہ نہیں　　اِنکار کریں وہ یا وعدہ، ہم راستہ دیکھا کرتے ہیں

(جلال الدین اکبر)

شوق کے ہاتھوں اے دلِ مضطر! کیا ہونا ہے کیا ہوگا　　عشق تو رُسوا ہو ہی چکا ہے، حُسن بھی رُسوا کیا ہوگا!

(اسرار الحق مجاز)

شوق جب حد سے گزر جاتا ہے ہوتا ہے یہی　　وَرنہ ہم، اور کرمِ یار کی پروا نہ کریں!
(حسرتؔ موہانی)

بے خودی میں قدمِ غیر پہ سر رکھتے ہیں　　شوق سا شوق ترے خستہ جگر رکھتے ہیں!
(محمد تقی بیگ مائلؔ)

وارفتگیٔ شوق کے قربان جایئے　　منزل کی جستجو ہے اور اپنی خبر نہیں
(مہدی حسن مہدیؔ شیخوپوروی)

میرے ہی شوق نے بخشا تری گردن کو یہ خم　　تیری آنکھوں کو چھری دی، تجھے جلّاد کیا
(جمیلؔ مظہری)

صورتِ عاشق :-

انقلابِ دہر سے یا گردشِ تقدیر سے　　اب نہیں ملتی مری صورت، مری تصویر سے
(؟)

یا کوئی جان بوجھ کے انجان بن گیا　　یا پھر یہی ہوا، مری صورت بدل گئی
(نواب ناظم علی خاں ہجرؔ شاہجہاں پوری)

ان کو یہ غصّہ کہ میں ان کی گلی میں کیوں گیا　　مجھ کو یہ حیرت کہ کیوں کر شکل پہچانی مری!
(آسیؔ الدنی)

عاشق :-

کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں، ہائے　　یہ عشق پیشگاں ہیں، الٰہی! کہاں کے لوگ!!
(میرؔ)

زلفِ دوراں سنوارنے والے　　ہیں بڑی چیز عاشقانِ کرام
(فضل احمد کریم فضلیؔ)

مجھ کو عاشق کہہ کے اس کے روبرو مت کہیو
دوستاں! گر دوست ہو تو یہ کبھو مت کہیو
(میر حسن)

قفس گیا حلقۂ ہائے دام گیا، رنج اسیری گیا
چمن پر مٹ گیا جو ہر طرح آزاد ہوتا ہے
(اصغر گونڈوی)

ذرا اے اہل محشر قادری کو راستہ دے دو
یہ رسوائے زمانہ عاشق بدنام آتا ہے
(شاغل قادری گیاوی)

جرم اظہار محبت ہو کہ تقصیر سکوت
مجرم عشق، بہرحال ہے گردن زدنی
(روشن صدیقی)

عاشق کی بیکسی کا تو عالم نہ پوچھئے
مجنوں پہ جو گزر گئی، صحرا گواہ ہے!
(حفیظ جون پوری)

تو لطف کرے یا نہ کرے، خوش ہوں کہ ناخوش
اس بات پہ مرتا ہوں کہ عاشق ہوں ترا میں
(خدا بخش قیصر)

سننے والے دم بخود سب، دیکھنے والے خموش
یہ ہے میرا حال، یہ ہے میرے افسانے کا حال
(اودھ کشور پرشاد کشتہ گیاوی)

بس اتنی بات ہے جس پر ہماری جان جاتی ہے
کہ ان کے جاں نثاروں میں ہمارا نام آتا ہے
(صفدر مرزا پوری)

عشق:-

دل کے کاشانے کا دیا ہے عشق
شمع ایوان کبریا ہے عشق
(راسخ عظیم آبادی)

فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لئے
یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کے لئے
(ذوق)

محبّت زندگی کی سب سے مشکل آزمائش ہے
گریہ آزما لینے کے قابل آزمائش ہے
(نیاز حیدر)

شاید اسی کا نام محبّت ہے شیفتہ
اِک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی
(شیفتہ)

عشق سنتے تھے جسے ہم، وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اِک شخص سمایا جاتا
(حالی)

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
(میر)

محبّت اِک تپشِ ناتمام ہوتی ہے
نہ صبح ہوتی ہے اس کی نہ شام ہوتی ہے
(روشن صدیقی)

محبّت کی دنیا میں سب کچھ حسیں ہے
محبّت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
(حفیظ جالندھری)

رفتہ رفتہ عشق مانوسِ جہاں ہونے لگا
خود کو تیری ہیں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم
(فراق گورکھپوری)

میرے جگر کی تاب دیکھ، رُخ کی شکستگی نہ دیکھ
فطرتِ عاشقی سمجھ، قسمتِ عاشقی نہ دیکھ
(آنند نرائن مُلّا)

بیانِ کیف مئے عشق ہو نہیں سکتا
کہ دائرے ابھی محدود ہیں زبانوں کے
(بیتاب عظیم آبادی)

زمانہ جس قدر شرحِ محبّت کرتا جاتا ہے
محبّت اور مُبہم، اور مُبہم ہوتی جاتی ہے
(حکیم مخمور لکھنوی)

جس کی ذلت میں بھی عزت ہے، سزا میں بھی مزہ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے!

(حسرت موہانی)

یہی عشق بندہ نواز بھی، یہی عشق شعبدہ باز بھی
یہی برق جلوۂ ناز بھی، یہی سوز بھی یہی ساز بھی

(فضل حق آزاد عظیم آبادی)

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

(اکبر الہ آبادی)

کہاں کی قیامت! کہاں کا ازل!
محبت کے صدقے میں سب ہو گیا

(عبدالمجید مضطر مظفر پوری)

خوشا نصیب جسے فیضِ عشقِ شور انگیز
بقدرِ ظرف ملا، ظرف سے سوا نہ ملا

(یگانہ چنگیزی)

مانگ پناہ خدا سے بندے، دل لگنا اک آفت ہے
عشق نہ کر، زنہار نہ کر، واللہ نہ کر، باللہ نہ کر

(میر)

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

(میر)

سخت کافر تھا جن نے پہلے میر
مذہبِ عشق اختیار کیا

(میر)

کیا بُری چیز ہے محبت بھی
بات کرنے میں آنکھ بھر آئی

(؟)

کیا بُری شئے ہے محبت بھی، الٰہی توبہ!
جُرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہیں

(ظہیر الدین ظہیر)

ناکامیِ عشق یا کامیابی — دونوں کا حاصل خانہ خرابی

(حفیظ جالندھری)

پہنچی ہے رفتہ رفتہ کہاں انتہائے عشق — اب دل میں اک لطافتِ غم ہے بجائے عشق

(علی اختر، اختر)

جو سینے میں دل ہے تو بارِ محبت — اُٹھے یا نہ اُٹھے، اُٹھانا پڑے گا

(آرزو لکھنوی)

عشق میں راحت ہو، یا آزار، ہونا ہو سو ہو — کیا کریں اب یہ ہوئے ناچار، ہونا ہو سو ہو

(کمترین)

نہیں رہتے عاقل علاقے بغیر — کہیں میر دل کو دوانے لگا

(میر)

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں — اِک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

(مفتی صدرالدین آرزو)

انہیں آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا — یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

(میر انیس)

نصیب سے کہیں مرنا کسی پہ ہوتا ہے — مزہ جو اس میں ہے وہ عمر جاوداں میں نہیں

(جلیل مانک پوری)

جب محبت کا نام سُنتا ہوں — ہائے کتنا ملال ہوتا ہے!

(معین احسن جذبی)

سخنِ عشق نہ گوشِ دلِ بیتاب میں ڈال — مت یہ آتش کدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

([illegible])

کیا بلا عشق ہے، جیتی ہوں تو بدنام ہوں میں
اور مرتی ہوں تو اس شوخ کی رسوائی ہے
(قمر جان شتری لکھنوی)

مری اِک عمرِ فانی، نزع کے عالم میں گذری ہے
محبت نے مرقا رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں
(فانی)

محبت، آہ محبت کی زندگی مت پوچھ
بڑی مصیبتوں میں مبتلا رہا ہوں میں
(تاجور نجیب آبادی)

خلش عشق مٹے گی مرے دل سے جبتک
دل ہی مٹ جائیگا، ایسا نظر آتا ہے مجھے
(تاجور نجیب آبادی)

محبت! آہ جو تو کامیاب ہو نہ سکی
ہوس میں عمر کو غرقِ گناہ کر دوں گا
(تاجور نجیب آبادی)

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی، دل دھڑکنے لگا
(امیر)

ہزاروں بار کوشش کر چکا ہوں
نہیں چھپتیں محبت کی نگاہیں
(آسی الدنی)

عشق سے لوگ منع کرتے ہیں
جیسے کچھ اختیار ہے اپنا
(اثر لکھنوی)

خدا جانے محبت کو سر حشر
پڑے گا واسطہ مجھ سے کہ تم سے
(داغ)

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے
(مومن)

تجھے کچھ عشق و الفت کے سوا بھی یاد ہے اے دل! سُنائے جا رہا ہے ایک ہی افسانہ برسوں سے
(عبدالمجید سالک)

کس گھڑی کون سی وحشت میں کرے مجھکو شریک عشق کی ایک اسی بات سے جی ڈرتا ہے
(حسن نعیم)

عشق و عقل :-

عشق نازک مزاج ہے بے حد عقل کا بوجھ اُٹھ نہیں سکتا
(اکبر الہ آبادی)

عشق فرمودۂ قاصد سے سُبک گام عمل عقل سمجھی ہی نہیں معنیِ پیغام ابھی
(اقبال)

عشق پہلے ہی قدم پر ہے یقیں سے واصل انتہا عقل کی یہ ہے کہ گماں تک پہنچے
(محمد دین تاثیر)

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
(اقبال)

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت انگیز تو ہے خام ابھی
(اقبال)

ایسے عالم میں کہ جب عقل کا عالم تھا جنوں زُلف کی چھاؤں میں سو یا کیا سودا تیرا
(جمیل مظہری)

محبت کو خرد کی رہبری کس موڑ پر لائی! کہ شورش بڑھ رہی ہے، بیخودی کم ہوتی جاتی ہے
(فضل الرحمٰن مظفر پوری)

غمّازیِ محبّت :-

کچھ میری خموشی بھی تھی غمّازِ محبّت اِس پر ترے اندازِ تغافل کی گواہی
(وش صدیقی)

غیروں پہ کھُل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
(مومن)

فرطِ شوق :-

کہتے بھی ہیں حکایت دل فرطِ شوق سے
روتے بھی جاتے ہیں اثرِ داستاں سے ہم
(وحشت کلکتوی)

تمہاری بات تو راسخ سمجھ میں کچھ نہیں آتی
گلہ بھی یار کا کرتے ہو اور روتے بھی جاتے ہو
(راسخ عظیم آبادی)

تصوّر عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دُھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں
(انشاء)

جبیں پر خاک ہے یہ کس کے در کی
بلائیں لے رہا ہوں اپنے سر کی
(مبارک عظیم آبادی)

فریبِ عشق :-

بہت ہی لطف سے دن کٹ گئے ہم سادہ لوحوں کے
تری عاشق فریبی پر محبت کا گماں کرتے
(واصف بنارسی)

دامِ فریبِ عشق کی اللہ رے صنعتیں
پھندے بھی ٹوٹ جائیں تو چھٹنے کے ہم نہیں
(ثاقب لکھنوی)

ہر اک شکستہ تمنّا پہ مسکراتے ہیں
وہ کیا کریں جو مسلسل فریب کھاتے ہیں
(راز مرادآبادی)

اِن ہی کا نام محبّت انہیں کا نام جنوں
مری نگاہ کے دھوکے تری نظر کے فریب
(شوکت تھانوی)

تسکین ہو سکی نہ دلِ ناشکیب کی
سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی
(حسرت موہانی)

لباسِ عاشق :-

دل سے ترے دیوانوں کے پوشش ہے فراموش
پیراہنِ تن کیا ، انہیں تن یاد نہ آیا !
(راسخ عظیم آبادی)

شہِ عشق نے ہر عطا کیا ، مجھے وہ لباسِ برہنگی
نہ جنوں کی جامہ دری رہی ، نہ خرد کی بخیہ گری رہی
(سراج دکنی)

ٹھیک آئی اپنے تن پہ قبائے برہنگی
باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے
(آتش)

تنِ عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں اُلٹا سیدھا
(؟)

مرگِ عاشق :-

مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے
(میر)

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مرگیا ، آخر کو ویرانے پہ کیا گزری
(راجہ رام نرائن موزوں عظیم آبادی)

تمہیں آہیں سُننے کا شوق تھا ، مگر اب تباؤ کرو گے کیا
جو کراہتا تھا تمام شب ، وہ مریضِ جوش تو مرگیا
(جوش ملیح آبادی)

پیرہن چاک ترے در پہ جو کل کرتا تھا
آج لوگ اس کو لئے جاتے ہیں کفنائے ہوئے
(جرأت)

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرت کا
وہ وضعِ پارسا اس کی وہ عشقِ پاکباز اس کا!
(حسرت موہانی)

دیکھو تو، نظامِ جگر افگار کہیں ہے
کہتے ہیں کسی نے کیا دُنیا سے سفر آج!
(نظامِ رامپوری)

قضا کو مژدۂ فرصت، کہ فانیؔ مجبور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا
(فانی)

اکبرؔ کے جو مرجانے کی خبر ساقی نے سُنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی لے، رندوں کیلئے کچھ کر بھی گیا!
(اکبر الہ آبادی)

مسکنِ عاشق :-

مثالِ گردِ رہ مسکن کہاں ہے ہم غریبوں کا
گھڑی بھر کے لئے تھک کر جہاں بیٹھے وہیں گھر ہے
(آسی الدنی)

ایک جا رہتے نہیں عاشقِ بدنام کہیں
دن کہیں، رات کہیں، صُبح کہیں، شام کہیں
(؟)

صحرا میں کہیں ہیں تو بیاباں میں کہیں ہیں
ہم خانہ بدوشوں کا کہیں گھر نہیں ہوتا
(؟)

کیا ٹھکانا مجھ سے رندِ لااُبالی کا شفقؔ
آج کعبے میں ہوں، کل تک ساکنِ بتخانہ تھا
(شفق عمادپوری)

تُم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غمخانے کا
(فانی)

گھر تو کیا گھر کا نشاں بھی نہیں باقی صفدرؔ
اب وطن میں کبھی جائینگے تو مہماں ہوں گے
(صفدر مرزاپوری)

جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور
(فانی)

مشتِ غُبارِ عاشق :-

نہ کسی کی آنکھ کا نُور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے، میں وہ ایک مُشتِ غبار ہوں
(سلطان بہادر شاہ ظفرؔ)

اُڑا کے ساتھ یہ مُشتِ غبار لیتا جا
مجھے رکاب میں او شہسوار لیتا جا
(ناسخؔ)

رائیگاں حسرتؔ نہ جائے گا مرا مُشتِ غُبار
کچھ زمیں لے جائے گی، کچھ آسماں لے جائیگا
(حسرتؔ موہانی)

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے!
(سوداؔ)

چھانی بادِ صبا نے کیا کیا خاک
میرے مُشتِ غبار کے باعث
(آصف الدولہ آصفؔ)

وہ خاک جس کو نہ آئے بُلند پروازی
وہ کیمیا سہی لیکن مرا غبار نہیں
(علام فخر الدین شادؔ آرزوی)

مقاماتِ راہِ عشق :-

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اِس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
(داغؔ)

یہ کس مقام پہ لایا جُنوں، خدا جانے
سنبھل سنبھل کے قدم رکھ رہے ہیں دیوانے!
(حشرؔ بجنوری)

اگر راہ میں اس کے رکھا ہے گام — گئے گذرے خضر علیہ السّلام
(میرؔ)

کس زعم میں ہو لے رہرو غم، دھوکے میں نہ آنا منزل کے — یہ راہ بہت کچھ چھانی ہے اس راہ میں منزل کوئی نہیں
(فانیؔ)

جز دلِ حیرت آشنا اور کو یہ خبر نہیں — ایک مقام ہے جہاں شام نہیں، سحر نہیں
(اصغرؔ گونڈوی)

اِک وہم کی نقاشی پر مرحلۂ دل ہے — دنیائے محبت میں رہبر ہے نہ منزل ہے
(دلؔ شاہجہاں پوری)

جو راہ اہلِ خرد کے لئے ہے لا محدود — جُنونِ عشق میں وہ چند گام ہوتی ہے
(روشؔ صدیقی)

وہ بھی ہے اِک مقامِ عشق جہاں — ہر تمنّا گناہ ہوتی ہے
(جگرؔ مرادآبادی)

احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں — سر پر تو سانجھ پڑ گئی، اور پاؤں تھک گئے
(احمدؔ گجراتی)

محبّت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے — کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی
(جگرؔ مرادآبادی)

محبّت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر — ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر
(سیمابؔ اکبرآبادی)

خدا معلوم راہ عشق کی یہ کون منزل ہے — وہ پہلو میں ہیں لیکن اشک افشانی نہیں جاتی
(ایشوری لال گوہرؔ گورکھپوری)

جانے یہ کون سا عالم ہے کہ دل میں تاباںؔ
زیست تو زیست ہے، اب موت کا ارماں بھی نہیں
(غلام ربانی تاباںؔ)

محبت کا وہ دور بھی آ رہا ہے
کہ ہر حال میں مسکرانا پڑے گا
(شوکت تھانوی)

جہاں سے چھوڑ رہے ہو مجھے اندھیرے میں
یہیں سے راہ محبت نکل تو سکتی ہے!
(سلام مچھلی شہری)

نام عاشق :-

یک بہ یک لے اٹھا ہمارا نام
جی میں کیا اس کے آ گیا ہوگا!
(زبیر دردؔ)

نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا
(نسیم دہلوی)

عدو کے ذکر کی تمہید تھی مبارک یہ
تمہارا نام تو اُس نے برائے نام لیا
(مبارک عظیم آبادی)

نباہ :-

دعوائے عاشقی ہے تو حسرتؔ کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے!
(حسرتؔ موہانی)

کہتے ہیں عشق کا انجام برا ہوتا ہے
اب تو کچھ بھی ہو محبت کو نبھانا ہے ہمیں
(ظفر تاباں)

اس بلائے جاں سے آتشؔ دیکھیے کیونکر نبھے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست
(آتشؔ)

نہ دلاسا، نہ تشفی، نہ تسلی، نہ وفا
دوستی اس بُتِ بدخُو سے نباہیں کیونکر
(داغ)

سُنتے ہی نہیں یہ بُتِ گمراہ کسی کی
ان ساتھ کٹے کس طرح اللہ کسی کی
(حسن علی شوق)

الٰہی دیکھئے کیونکر نباہ ہوتی ہے
زباں دراز ہوں میں اور بدزباں صیّاد
(رِند)

روِشِ حسنِ مراعات چلی جاتی ہے
ہم سے اور اُن سے وہی بات چلی جاتی ہے
(حسرت موہانی)

جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا
کیا فائدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا
(کنور سکھراج بہادر رحمتی عظیم آبادی)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی وعدہ یعنی نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(مومن)

نگاہِ یاس:-

نگاہِ یاس مری کام کر گئی اپنا
رُلا کے اُٹھے تھے وہ مسکرا کے بیٹھ گئے
(نظم طباطبائی)

جگر تیری نگاہِ یاس نے کیا کہدیا اُن کو
نگاہیں نیچی نیچی آنکھ پُرنم ہوتی جاتی ہے
(جگر مرادآبادی)

اُف نگاہِ نیم بسمل کا اثر
دُور تک روتا ہوا قاتل گیا
(مضطر مظفرپوری)

نمازِ عشق:-

ہم جانتے نہیں ہیں لے دردؔ کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا
(خواجہ میر درد)

پیرِ مغاں کا پائے ناز اور مرا سرِ نیاز　　ہوتی ہے اپنی یوں ادا میکدے میں نمازِ عشق

(بیدم شاہ وارثی)

یہی عاشقوں کی نماز ہے، یہی دل جلوں کی نیاز ہے　　جہاں دیکھا یار کا نقشِ پا، وہیں سر کو اپنے جھکا دیا

(؟)

باندھ کے صف ہوں سب کھڑے تیغ کے ساتھ سر جھکے　　آج تو قتل گاہ میں دھوم سے ہو نمازِ عشق

(سحر بھوپالی)

عرضِ تمنّا

اظہارِ حال :-

کہتے تو ہو یوں کہتے، یوں کہتے، جو یار آتا　　سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

(مبسم)

دکھ اس سے کون کہے، تاب التماس کہاں　　کسے ہے ہوش بجا، دل کہاں، حواس کہاں

(میر حیدر علی حیرانؔ)

اظہارِ حال پر ہمیں قدرت نہیں رہی　　ان کو یہ وہم ہے کہ محبت نہیں رہی

(جلیل مانک پوری)

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت　　ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

(اکبر الٰہ آبادی)

جی کڑا کر کے حال ... ان سے　　اب تو کہتے ہیں ہر حبیب ...

...

... ... دل　　آخر حضورِ یار بھی ...

سناتے ہو کسے احوالِ ماہرؔ وہاں تو مسکرایا جا رہا ہے!

(ماہرالقادری)

درد دل کیا بیاں کروں رشکی اس کو کب اعتبار آتا ہے

(نواب محمد علی خاں رشکی)

فانی اب ان سے عرض حال کیجئے بار بار کیا وہ نئے سرے کیا سنیں، ہم نئے سرسے کیا کہیں

(فانی)

نہ پوچھے کوئی حال اور کہہ چلیں اب ایسے گئے گزرے بھی ہم نہیں

(اثر لکھنوی)

دور خاموش بیٹھا رہتا ہوں اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

(شاہ مبارک آبرو)

بھرے ہوں آنکھ میں آنسو، خمیدہ گردن ہو تو خامشی کو بھی اظہارِ مدعا کہیئے

(شاد عظیم آبادی)

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

(میر حسن)

شب کو مری چشم حسرت کا، سب دکھ درد ان سے کہہ جانا دانتوں میں دبا کر ہونٹھ اپنا، کچھ سوچ کے اُن کا رہ جانا

(شاد عظیم آبادی)

عرضِ وفا پہ دیکھنا اس کی ادائے دلفریب دل میں کچھ اعتبار سا، آنکھ میں کچھ ملال سا

(داغ)

داستانِ دل نہیں ہے آپ سنئے تو سہی ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں!

(فانی)

جب میں نے کہا مرتا ہوں، مُنہ پھیر کے بولے
سُنتے تو ہیں، پر عشق کے مارے نہیں دیکھے
(صادق علی حسین)

آپ کچھ سمجھے؟ باتوں باتوں میں
حال کس کا سُنا دیا میں نے؟
(نظام رامپوری)

سُن تو لیا ہے حالِ دل، دیکھئے سُن کر کیا کہیں
پھر مرے مُنہ کی بات ہے، کیسی ہی دلنشیں سہی
(فانی)

اثرؔ، کیوں حالِ دل کہہ کر سُبک ہوں
کسی کو اعتبار آئے نہ آئے
(اثر صہبائی)

گذرتی ہے جو دل پر، لب پہ وہ لا ہی کے کیا ہوگا
سمجھ کر جو نہ سمجھے، اُس کو سمجھا ہی کے کیا ہوگا
(مانوس سہسرامی)

زبان، دل کی حقیقت کو کیا بیاں کرتی
کسی کا حال کسی سے کہا نہیں جاتا
(عزیز لکھنوی)

خبر کیا غیب کی غمخوار کو، اور یاں یہ عالم ہے
کہا جاتا نہیں اپنی زباں سے حالِ زار اپنا
(شاد عظیم آبادی)

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
(فانی)

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصّہ وہ اپنی ہی خرابی کا
(خواجہ میر دردؔ)

آواز:-

عالمِ ہُو میں اک آواز سی آجاتی ہے
چُپکے چُپکے کوئی کہتا ہے فسانہ دل کا
(ریاض خیرآبادی)

ذرا بولتے رہیو اے ہمصفیرو! | میں آواز دوں، تم بھی آواز دینا
(لاعلم)

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز | اسی خانہ خراب کی سی ہے
(میرؔ)

تقریرِ پیشِ یار :-

یوں آبرو بنائے دل میں ہزار باتاں | جب تیرے آگے آوے گفتار بھول جاوے
(شاہ مبارک آبرو)

یا کہتے تھے کچھ کہتے، جب اس نے کہا کہیئے | تو چُپ ہیں کہ کیا کہیئے، کھُلتی ہے زباں کوئی!
(فانی)

بات بھی آپ کے آگے نہ زباں سے نکلی | لیجئے آئے تھے ہم سوچ کے کیا کیا دل میں
(وزیر علی صبا)

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو | وَرنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں!
(حسرت موہانی)

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا | کہ مجھے آپ سے شکایت ہے
(آرزو لکھنوی)

ہم سخن اس سے ہوں ناطق میرا مطلب ہے یہی | وَرنہ کچھ معنی نہیں ہوتے مری تقریر کے
(ناطق لکھنوی)

جواب :-

جواب دینے کے بدلے وہ شکل دیکھتے ہیں | یہ کیا ہوا مرے چہرے کو عرضِ حال کے بعد!
(آرزو لکھنوی)

پلٹ کے دیکھ تو لینا، اگر جواب نہ تھا
حیا سے گڑ گئے، تجھ کو پکارنے والے
(شاد عظیم آبادی)

جواب سوچ کے دل میں وہ مُسکراتے ہیں
ابھی زبان پہ میری سوال بھی تو نہ تھا
(بیخود دہلوی)

جواب سن نہ پائے پا گیا سب کچھ فقیر اُن کا
دعا دینے سے مطلب تھا فقط آواز سُن لینا
(ناطق لکھنوی)

سوالِ شوق پہ اُن کو کچھ اجتناب سا ہے
جواب یہ تو نہیں ہے مگر جواب سا ہے
(معین احسن جذبی)

مُسکرائے وہ حالِ دل سُن کر
اور گویا جواب تھا ہی نہیں!
(فانی)

مرے سوال پہ اُس نے نظر جو نیچی کی
پھر اس کا مجھ سے جوابِ جواب ہو نہ سکا
(ناطق لکھنوی)

دُوں گا ذرا سمجھ کے جواب اُن کی بات کا
رُخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا
(اکبر الٰہ آبادی)

جھگڑتے تجھ سے تو پیارے حجاب آتا ہے
وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے
(خواجہ احسن اللہ بیان)

دونوں کا ایک حال ہے، یہ مدّعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں
(مومن)

ایسا نہ ہو کہ آتے ہی آنے جوابِ خط
قاصد جواب زندگیِ مستعار دے
(ذوق)

جواب کیا، وہی آواز بازگشت آئی — قفس میں نالۂ جانکاہ کا مزہ نہ ملا
(یگانہ چنگیزی)

چھیڑ چھاڑ :-

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو — بات میں تم تو خفا ہو گئے، لو اور سنو
(انشا)

تم چھیڑتے ہو بزم میں مجھ کو تو ہنسی سے — پر مجھ پہ جو ہو جائے ہے پوچھو مرے جی سے
(میر)

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد — نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی
(اسداللہ خاں غالب)

خموشی :-

عمر تو یوں ہو گئی ہے چپ رہتے — کوئی سنتا تو ہم بھی کچھ کہتے
(محشر لکھنوی)

تجھ پہ عیاں ہے رازِ دل، جان کے بےخبر نہ بن — معنیٔ خامشی سمجھ، صورتِ خامشی نہ دیکھ
(آنند نرائن ملا)

خموشی میری معنی خیز تھی اے آرزو کتنی — کہ جس نے جیسا چاہا ویسا افسانہ بنا ڈالا
(آرزو لکھنوی)

اسے صیّاد نے کچھ، گُل نے کچھ، بلبل نے کچھ سمجھا — چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری
(جگر مرادآبادی)

اثرِ عشق سے ہوں صورتِ شمع خاموش — یہ مرقع ہے مری حسرتِ گویائی کا
(دل شاہجہاں پوری)

جان پر آ بنی ہمدم مری خاموشی سے — بات کچھ بن نہیں آتی ہے لبِ اظہار بغیر
(رائے سرب سکھ دیوانہ)

مدت ہوئی کہ چشمِ تحیّر کو ہے سکوت
اب جنبشِ نظر میں کوئی داستاں نہیں
(اصغر گونڈوی)

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
(فانی)

حشر بھی گذرا، حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سُنے گا، غم کی حکایت کیا کہنے
(فانی)

دل ہے کس کا جس میں ارماں آپ کا رہتا نہیں
فرق اتنا ہے کہ سب کہتے ہیں، میں کہتا نہیں
(ناطق لکھنوی)

رموزِ عارِ جفا تک خیال جا نہ سکا
میں چُپ رہا تو بُرا ماننے کی بات نہ تھی
(فراق گورکھپوری)

مجھے تو ہوش نہ تھا اُن کی بزم میں لیکن
خموشیوں نے مری اُن سے کچھ کلام کیا
(بہزاد لکھنوی)

حشر کے دن میری چُپ کا ماجرا
کچھ نہ کچھ تم سے بھی پُوچھا جائیگا
(حفیظ جالندھری)

ہمارے بعد جو دُنیا کہے گی وہ بھی سُن لینا
ابھی تو تم ہماری بے زبانی دیکھتے جاؤ
(ناطق گلاؤٹھی)

کیا قیامت ہے شبِ وصل خموشی اس کی
جس کی تصویر کو بھی ناز ہے گویائی کا
(ریاض خیرآبادی)

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
(مومن)

یہ تیری خموشی کی ادائیں کوئی دیکھے — نغمے ہیں کہ شرمندۂ آواز نہیں ہیں
(فانی)

میری عرضِ شوق بے معنی ہے ان کے واسطے — ان کی خاموشی بھی اک پیغام ہے میرے لئے
(جذبی)

خامشی میں بھی کیا حلاوت ہے — کہ کبھی لب سے لب جدا نہ ہوا
(لا یعلم)

ہم اس اداس خموشی پہ مرتے ہیں اختر — نثارِ حسن یہ ہیں رعنائیاں تکلّم کی
(اختر انصاری)

چمن زارِ محبّت میں خموشی موت ہے بلبل — یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے
(اقبال)

اپنی لذّت میں گم ہوئے نغمے — اب خموشی سخن سے بہتر ہے
(اثر لکھنوی)

دستِ سوال :-

گدا نواز نے سب کے تو ہاتھ تھام لئے — ہمارا دستِ طلب مسکرا کے چھوڑ دیا
(بہزاد لکھنوی)

کچھ اور مانگنا مرے مشرب میں کفر ہے — لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں
(سراج لکھنوی)

میں اِدھر اُدھر یونہی بڑھا رہا ہوں ہوس کے دستِ سوال کو — مری بندگی کا یہ طنز ہے، تری شان بندہ نواز پر
(جمیل مظہری)

فقیری میں بھی مجھ کو مانگنے سے شرم آتی ہے — سوالی ہو کے مجھ سے ہاتھ پھیلایا نہیں جاتا
(مخمور دہلوی)

دُعا :-

جان تم پر نثار کرتا ہوں — میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے (غالب)

اثر کو ساتھ لئے کامیاب ہو کے پھری　　فلک سے میری دعا مُستجاب ہو کے پھری

(شفق عماد پوری)

پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے نمازیں ناک رگڑنی سجدے پہ سجدے　　جو نہیں جائز اُس کی دُعائیں اُف رے جوانی ہائے زمانے

(شاد عظیم آبادی)

مت پوچھو کہ کیا مانگ کر روئے ہیں خدا سے　　یوں سمجھو ہوا خاتمہ آج اپنی دُعا کا

(حفیظ جونپوری)

مرضیِ یار کے خلاف نہ ہو　　لوگ میرے لئے دُعا نہ کریں

(حسرت موہانی)

مجھے زندگی کی دُعا دینے والے　　ہنسی آ رہی ہے تری سادگی پر

(گوپال متل)

مُصیبت اور لمبی زندگانی　　بُزرگوں کی دُعا نے مار ڈالا

(مضطر خیر آبادی)

سحر نہ دیکھنی ہم کو نصیب ہو یارب　　شبِ فراق میں اپنی یہی دُعا ہوگی

(سعادت علی خاں بیتاب رامپوری)

ضُعف سے اُٹھتے نہیں دستِ دُعا　　اب ہماری شرم اُس کے ہاتھ ہے

(داغ)

بیٹھے ہیں آج ہاتھ اُٹھا کر دُعا سے ہم　　بگڑی بُتوں سے، رُوٹھ گئے ہیں خدا سے ہم

(حفیظ جونپوری)

مانگا کریں گے اب سے دُعا ہجر یار کی　　آخر تو دُشمنی ہے دُعا کو اثر کے ساتھ

(مومن)

دُعا گدائے اثر ہے، گدا پہ تکیہ نہ کر — کہ اعتبارِ اثر کیا، مِلا مِلا نہ مِلا
(یگانہ چنگیزی)

کُھلے تو بابِ قبول کیونکر کہ مصیبت قُفلِ در ہوئی ہے — دُعائیں کس مُنہ سے مانگتے ہم زبان ہی بے اثر ہوئی ہے
(صفی لکھنوی)

رہ گیا ہو لے دے کر آسرا دُعاؤں کا — وہ بھی ٹوٹ جائے گر آدمی کہاں جائے
(جمیل مظہری)

دُعا و اثر :۔

نہ کر تلاشِ اثر، تیر ہے لگا نہ لگا — جو اپنے بس کا نہیں اُس کا آسرا نہ لگا
(آرزو لکھنوی)

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی — رہ گئی بات بے قراری کی
(مومن)

طلبِ عاشقِ صادق میں اثر ہوتا ہے — گو ذرا دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے
(آزاد انصاری)

اثر دعا کا عجب کام جا کے کر آیا — اِدھر تو ہاتھ اٹھے، وہ اُدھر نظر آیا
(بیتاب عظیم آبادی)

آخر کوئی اُمیدِ اثر بھی دعا کے بعد! — کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد؟
(فانی)

رہتا ہوں کہ بیگانہ تکمیل ہے اب بھی — وہ بے اثری جو مرے شیون کیلئے ہے
(علی اختر اختر)

پاتا نہیں جو لذّتِ آہِ سحر کو میں — پھر کیا کروں گا لے کے الٰہی اثر کو میں
(اصغر گونڈوی)

ہو حسنِ طلب لاکھ، مگر کچھ نہیں مِلتا
ہو صدق طلب پھر اثرِ آہ رسا دیکھ
(؟)

دُشنام :-

دیکھیں کبتک رہے ہے یہ صحبت
گالیاں کھایئے، دُعا کریئے
(میرؔ)

دُشنام بھو کے وہ ترش ابرو، ہزار دے
یاں وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے
(ذوقؔ)

واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دُعائیں صرفِ درباں ہوگئیں
(غالبؔ)

چُوم لینے دیں وہ اپنے لب، یہ میں کیسے کہوں
ورنہ کچھ مُشکل نہ تھا، دُشنامِ جاناں کا جواب
(نیازؔ فتحپوری)

یہ میری وضع اور یہ دُشنام مُئے فروش
سُن کر جو پی گیا یہ مزہ مُفلسی کا تھا
(ریاضؔ خیرآبادی)

سَوال :-

شائد قبول ہونے کا وقت آگیا قریب
طاقت جواب دینے لگی ہر سوال میں
(ناطقؔ لکھنوی)

میں پُوچھتا تو ہوں مگر، جواب کے لِئے نہیں
یہ کیوں پھری تری نظر، یہ کیوں بدل گئی ہوا!
(فراقؔ گورکھپوری)

جس کے خیال میں ہوں گُم، اس کو بھی کچھ خیال ہے
میرے لئے یہی سوال سب سے بڑا سوال ہے
(آنند نرائن مُلّاؔ)

حسرتیں دل کی پوچھنے والے
تیرے طرزِ سوال نے مارا
(آثر لکھنوی)

سوال و جواب :-

کاش اس کے رو برو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب ہے
(امیر)

کچھ کٹی ہمّتِ سوال میں عمر
کچھ اُمید جواب میں گزری
(فانی)

آواز بازگشت ہے دیتے ہو کیا صدا؟
کس سے اُلجھ رہے ہو سوال و جواب میں؟
(یگانہ)

عرضِ تمنّا :-

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ اُن کو مبارک
اک عرضِ تمنّا ہے سو ہم کرتے رہیں گے
(فیض احمد فیض)

نُطق بخشنے والے آج شرم رہ جائے !
سرگذشتِ دل ہے اور میری بے زبانی ہے!!
(علی اختر اختر)

بے ہجومِ آرزو، تیری سزا کرتے ہیں ہم
آج اس ظالم سے عرضِ مُدّعا کرتے ہیں ہم
(وحشت کلکتوی)

کسی دن اے غرورِ عشق! عرضِ مُدّعا کر دے
مزاجِ حُسن کو تھوڑی سی بیچینی عطا کر دے
(جمیل مظہری)

غیر سے سرگوشیاں کرلیجئے، پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ درد آشنا کہنے کو ہیں
(مومن)

کل ان کے آگے شرحِ تمنّا کی آرزو
اِتنی بڑھی کہ نُطق کو بے کار کر دیا
(جوش ملیح آبادی)

[illegible] گے سُن بھی کچھ، چھین لے ذرا اے دل
وہ انجمن میں ہماری طرف نظر تو کریں
(سورج نرائن مہر)

ہم اُن سے حالِ دل رو رو کے بیتابانہ کہتے ہیں
انہیں دیکھو کہ ہنس ہنس کے مجھے دیوانہ کہتے ہیں
(احمد ارماں عظیم آبادی)

عرضِ شوق پر میری پہلے کچھ عتاب اُن کا
خاص اِک ادا کے ساتھ اُف! وہ پھر حجاب اُن کا
(جگر مراد آبادی)

حالِ دل اُن سے نہ کہنا تھا، ہمیں چُوک گئے
اَب کوئی بات بنائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
(مرزا ہادی رسوا)

آخر عرض حال ان سے، بے سوچے سمجھے
کہا تھا کہ پہلے نظر دیکھ بیٹا
(اثر لکھنوی)

میں، اور تُم سے وصل کی خواہش! خفا نہ ہو
اِک بات بیخودی میں زباں سے نکل گئی
(نواب ناظم علی خاں ہجر شاہجہاں پوری)

مجھے یہ ڈر، کہیں کچھ کہہ نہ دے نظر میری
انہیں گلہ کہ پیامِ نظر زباں پہ نہیں
(آنند نرائن مُلّا)

کوسنا :-

کچھ عنایت خاص ہوتی ہے عیاں
نام لے لے کر نہ کوسا کیجئے
(افسر میرٹھی)

نِگہ سے بڑھ کے ہیں گستاخ دستِ شوق مرے
نہ کوسئے گا ذرا ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے مجھے!
(ریاض خیر آبادی)

کہتے ہو جان جائے تری اور تمہیں ہو جان
ہئے ہئے، خدانخواستہ، یہ تم نے کیا کہا!
(میاں جان سفیرؔ دہلوی)

غیر (رقیب)

اِلتفات بہ رقیب :-

ہے نگاہِ لطف غیروں پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم او بے مروّت، کس سے دیکھا جائے ہے
(مومنؔ)

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
(مومنؔ)

رشک :-

وہ پھر فاتحہ آئے ہوئے بیٹھے ہیں مدفن پر
پھر رونا پڑا ہے آج ہم کو مرگِ دشمن پر
(ذوقؔ)

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
(غالبؔ)

فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے
(ناسخؔ)

قیامت ہے کہ ہے وہ مدّعی کا ہمسفر غالبؔ
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے ہم سے
(غالبؔ)

الٰہی کیوں نہیں آتی قیامت ماجرا کیا ہے
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں!
(داغؔ)

رشکِ پیغام ہے عناں کشِ دل — نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

(مومن)

کیا قتل اس نے غیروں کو مرے ہم رشک کر مارے — اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمناں ہو کر

(وزیر)

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک — بلائے جاں ہے ادا تیری اِک جہاں کے لئے

(غالب)

شرمندۂ وہمِ رشک سے اتنا نہ کیجئے — آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجئے

(فانی)

میں قیدِ رشک سے آزاد ہوں محبت میں — کہ تجھ کو شمع بنایا ہے انجمن کے لئے

(وحشت کلکتوی)

رقیب :-

وہ ہزار دشمنِ جاں سہی مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے — جسے خاکِ پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

(جگر مرادآبادی)

سامنے اسکے نہ کہتے، مگر اب کہتے ہیں — لذّتِ عشق گئی غیر کے مر جانے سے

(لامعلوم)

ہے امتزاج مشک مئے لالہ فام میں — آتی ہے بوئے غیر ہمارے مشام میں

(شیفتہ)

ذکرِ اشکِ غیر میں رنگینیاں! — بوئے خوں آئی تری گفتار سے

(مومن)

سچ ہے تمہیں کسی سے نہ مطلب، نہ کچھ غرض — دن رات گھر میں غیر کے مہماں ہمیں تو ہیں!

(تسلیم لکھنوی)

غلط ہے، آپ نہ تھے ہمکلام خلوت میں
عدو سے آپ کی تصویر بولتی ہوگی!
(ریاض خیرآبادی)

عدو کی طرف پھر نظر ہو گئی
کدھر کی ہوا تھی کدھر ہو گئی
(شمس کلکتوی)

غیر ہے مورد عنایت ہائے
ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں
(میر)

لیں ان کی بلائیں بھی تو اغیار
اللہ! اب ایسے ہو گئے ہم
(رب لطیف تپش لاہوری)

میں نے کہا کہ غیر سے پردہ نہیں ہوا
کہنے لگے کہ آپ کو پھر کیا نہیں ہوا
(شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور)

کہتے ہو کہ ہم دردِ کسی کا نہیں سنتے
میں نے تو رقیبوں سے سنا اور ہی کچھ ہے
(امیر مینائی)

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیوں کر
میں بھی دیکھوں کہ پلٹتی ہیں نگاہیں کیوں کر
(داغ)

خاک میں مل جائے یارب بیکسی کی آبرو
غیر میری لاش کے ہمراہ روتا جائے ہے!
(مومن)

وصلِ غیر:-

غیر کے گھر ہیں وہ مہمان، بڑی مشکل ہے
جان جانے کا ہے سامان، بڑی مشکل ہے
(شبیر حسن نسیم بھرت پوری)

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا، کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا
(قیام الدین قائم)

لے شبِ وصل غیر بھی کاٹی! تو مجھے آزمائے گا کب تک

(مومن)

جان نہ کھا۔ وصل عدو سچ ہی سہی پر کیا کروں جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

(مومن)

اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے جتنا کہ وصلِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

(غالب)

فراق و وصل

اعتبار :-

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ کہ خُدا بھی ہے ، ناخدا ہی نہیں

(فانی)

اَللہ رے اعتمادِ نوازش! کہ ہے مجھے اُمیدِ لطف ہر ستم ناروا کے بعد

(فانی)

کبھی دامانِ دل پر داغِ مایوسی نہیں آیا ادھر وعدہ کیا اس نے ادھر دل کو یقیں آیا

(ناطق لکھنوی)

فانی، یقینِ وعدۂ فردا کو کیا کہوں اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

(فانی)

وعدے کا اعتبار تو لے یار ہے مگر کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا

(جلیل مانکپوری)

آپ کا اعتبار کون کرے روز کا انتظار کون کرے

(داغ)

میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمہیں یقینِ فنا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا، تمہیں نہیں اعتبار میرا
(فانی)

سچ ہے میری بات کا کیا اعتبار
سچ کہوں گا، جھوٹ مانی جائیگی
(دل شاہجہان پوری)

مری داستانِ غم کو وہ غلط سمجھ رہے ہیں
کچھ انہیں کی بات بنتی اگر اعتبار ہوتا
(ثاقب لکھنوی)

آمدِ یار کی خبر:-

آنے کی خبر ہے اس کی لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو
(جرأت)

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
(غالب)

تیری آمد کی صبا نے وہ ہوا باندھی ہے
پھول گلشن سے اُڑے جاتے ہیں پتّے ہو کر
(لایعلم)

اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم
اِک رنگ آرہا ہے، اِک رنگ جا رہا ہے
(جگر مراد آبادی)

پہنچی جس وقت خبر اس کی مجھے آنے کی
سُدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی
(مرزا احسن علی حسن)

آنے کی دھوم کس کے گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ آر گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے
(انندرام مخلص)

آمدِ یار :-

شبِ فراق کی آمد ہی تھی کہ تو پہونچا
ترے نثار، کہ آئی بلا کو ٹال دیا
(شادؔ عظیم آبادی)

تم آ گئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی
باقی نہیں تھی جان مرے جسم زار میں
(امراؤ جان ادؔا)

تم جو آئے ہو تو شکلِ در و دیوار ہے اور
کتنی رنگین مری شام ہوئی جاتی ہے
(نہال سیوہاروی)

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پر آ پہونچے، نہیں ہو ہی چکا تھا
(ذوقؔ)

حیرت کے غمکدے میں خوشی کا گذر کہاں
تم آ گئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی
(عبدالمجیب حیرتؔ)

تم آ رہے ہو کہ بجتی ہیں میری زنجیریں
نہ جانے کیا مرے دیوار و بام کہتے ہیں
(فیض احمد فیضؔ)

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
(غالبؔ)

سرگذشت آتے ہی کیا پوچھے ہے اے میری جاں
سب سُناؤں گا تجھے آپ میں آنے دے مجھے
(جرأتؔ)

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کیلئے
(شیفتہؔ)

آنے میں سدا دیر لگاتے ہی رہے تم
جاتے رہے ہم جان سے آتے ہی رہے تم!!
(راسخؔ عظیم آبادی)

نہ جانا کہ دُنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
(داغ)

انتظار :-

آنکھوں مت کسو کے پیش دردِ انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو، جب تک بہار آوے
(میر تقی غریب)

فریب کاریاں ہیں یا دِ جوشِ انتظار کی
سُنا کیا ہوں رات بھر صدا خرام یار کی
(اقبال سہیل)

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کس کے وعدے پہ ہے اتنا انتظار مجھے
(شیفتہ)

ہے کس کا انتظار، کہاں دھیان ہے لگا
کیوں چونک چونک پڑتے ہو آوازِ پا کے ساتھ
(نظام رامپوری)

کوئی آیا، نہ آئے گا لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں
(فراق گورکھپوری)

بلاکشانِ غمِ انتظار، ہم بھی ہیں
خراب گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں
(حسرت موہانی)

کچھ روز یہ بھی رنگ رہا انتظار کا
آنکھ اُٹھ گئی جدھر بس ادھر دیکھتے رہے
(اثر لکھنوی)

پھر بیٹھے بیٹھے وعدۂ وصل اُس نے کر لیا
پھر اُٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا
(امیر مینائی)

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات، قیامت کا انتظار کیا
(داغ)

نہ رات کٹتی ہے کمبخت اُمیدواروں کی
نہ دل کو وصلِ انتظار باقی ہے
(شاد عظیم آبادی)

کسے یقین کہ تم دیکھنے کو آؤ گے
اخیر وقت مگر انتظار اور سہی
(آغا شاعر دہلوی)

تم آئے ہو، نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گذری ہے
(فیض احمد فیض)

نہ کوئی وعدہ، نہ کوئی یقیں، نہ کوئی اُمید
مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا
(فراق گورکھپوری)

ہزار مرحلۂ انتظار ختم ہوا
ہزار مرحلۂ انتظار باقی ہے
(مبارک عظیم آبادی)

تمہیں یہ بھی کبھی خیال آیا
کہ کوئی راہ دیکھتا ہو گا!
(نظام رامپوری)

آج تو دردِ ہجر بھی کم ہے
آج تو کوئی آیا ہوتا
(فراق گورکھپوری)

ہے خوشی انتظار کی ہر دم
میں یہ کیوں پوچھوں کب ملیں گے آپ
(نظام رامپوری)

موت کا انتظار باقی ہے
آپ کا انتظار تھا، نہ رہا
(فانی)

تمہاری دید ہی مقصد رہی جس کی بصارت کا
وہ چشمِ منتظر پتھرا گئی، کیا تم نہ آؤ گے؟
(ہری چند اختر)

کریگا پرورشِ نخلِ آرزو کب تک — وہ بدنصیب جسے ذوقِ انتظار نہیں

(یگانہ)

تمہیں خبر نہ ہو شاید کہ شامِ غم دل نے — وفورِ بے بسی میں کس کس کا انتظار کیا

(نسیم اختر نسیم مجذوری)

انکارِ وصل :-

جھڑکی سہی ادا سہی چینِ جبیں سہی — سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

(انشا)

اپنے مطلب کی کہے جائیں گے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجئے گا

(زہیر کلوشتی)

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یوں ہی جبیں پر

(ریاض خیرآبادی)

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئیگی! — کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئیگی

(داغ)

جب تک تھا دل میں آپ کے اقرارِ وصل تھا — جب آگیا زبان پہ انکار ہو گیا

(بیخود دہلوی)

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد — مگر یہ بتا، طرزِ انکار کیا تھی؟

(اقبال)

بوس و کنار :-

بوسۂ زلفِ سیہ فام ملے گا، کہ نہیں — دل کا سودا ہے مجھے دام ملے گا کہ نہیں

(اکبر الٰہ آبادی)

۱ نہ کبھی کی بادہ پرست ہم، نہ ہمیں یہ کیفِ شراب ہے — لبِ یار چُومے ہیں خواب میں، وہی ہوش مستیٔ خواب ہے

(آسی جونپوری)

کہاں میں اور کہاں اندیشۂ بوس و کنار اس کا — نہ بھائی یہ خیالِ خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

(سید محمد میر سوزؔ)

ان کے ہونٹوں میں ہے کیسی مئے گلرنگ سرورؔ — دیکھئے کب وہ گھڑی آئے کہ ہم تک پہنچے

(آل احمد سرورؔ)

حسرتِ بوسہ پہ اخترؔ یہ خیال آتا ہے — کیوں مرے لب سے ہوں وہ برگِ گلاب آلودہ

(اخترؔ شیرانی)

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر — ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

(غالبؔ)

رخسار پر ہے رنگِ حیا کا فروغ آج — بوسے کا نام میں نے لیا وہ نکھر گئے

(حکیم اجمل خاں شیداؔ)

مصحفیؔ تو نے زبس گل کے لئے ہیں بوسے — رشک سے دیکھے ہے بلبل دہنِ سرخ ترا

(مصحفیؔ)

پیغام و پیغامبر:-

پیامبر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا — زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے!

(آتشؔ)

نے قاصدِ خیال نہ پیکِ نظر گیا — ان تک میں اپنی آپ ہی لیکر خبر گیا

(دیا شنکر نسیمؔ)

مزہ لینگے ہم دیکھ کر تیری آنکھیں — انہیں خوب تو نامہ بر دیکھ لینا

(جلیل مانکپوری)

قاصد پیامِ شوق کو دینا بہت نہ طُول
کہنا فقط یہ اُن سے کہ آنکھیں ترس گئیں
(جلیل مانک پوری)

تو دیکھ رہا ہے جو مرا حال ہے قاصد
مُجھ کو یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
(پنڈت دتاتریہ کیفی دہلوی)

آتی ہے بات بات مجھے بار بار یاد
کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں
(داغ)

میرا پیغام وصل اے قاصد
کہیو سب سے اسے جُدا کر کے
(شیخ شرف الدین مضمون)

کہاں تک خط میں لکھوں حالتِ غم
زبانی پوچھ لینا نامہ بر سے
(حفیظ جون پوری)

پہنچے نہ وہاں تک یہ دُعا مانگ رہا ہوں
قاصد کو ادھر بھیج کے دھیان آئے ہیں کیا کیا
(میر ضامن علی جلال)

اُلجھ نہ ہم سے تو، قاصد کو ہم نے کیا، اے دل!
سکھا دیا تھا کہ جانا تو جا کے رہ جانا
(شاد عظیم آبادی)

کب کہہ گیا تھا آنے کو، کیا وقت ہوگیا
اللہ! نامہ بر بھی گیا وقت ہوگیا!
(فانی)

وہ پھر کے آپ تو آتا، اگر جواب تھا
پیامبر تھا اجل مرا شباب نہ تھا
(میر ضامن علی جلال)

زندگی کیوں ہمہ تن گوش ہوئی جاتی ہے
کبھی آیا ہے، جواب آئیگا پیغام اُن کا
(روش صدیقی)

صدا ہے در پہ کچھ پیغامبر کی سی، خدا جانے
نوید وصل ہے یا ہجر کا پیغام لے آیا
(سیّد محمد میر سوزؔ)

الٰہی خیر ہو، قاصد تو جلد آتا ہے
ہمارے خط کا جواب اس نے کچھ دیا بھی ہو
(وارثؔ الٰہ آبادی)

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دلِ بیتاب مجھے
(تسکینؔ)

نہ چھیڑ بہرِ خدا، صاف صاف کہہ قاصد
تری نگاہ سے تیرا بیان نہیں ملتا
(اثرؔ صہبائی)

کیا بات ہے، خیر ہو الٰہی
رکتی ہے زبان نامہ بر کی
(داغؔ)

قاصد پیام اُن کا نہ کچھ دیر ابھی سُنا
رہنے دے محوِ لذّتِ ذوقِ خبر مجھے
(اثرؔ لکھنوی)

ہے شامِ ہجر گوش برآواز ہوں فراق
لرزاں ہیں کچھ، سکوتِ فضا میں پیام سے
(فراقؔ گورکھپوری)

اب نامہ و پیام ہے توہینِ دردِ دل
ماہرؔ کے حالِ زار کو تو آپ آ کے دیکھ
(ماہرؔ القادری)

رات دن نامہ و پیغام کہاں تک ہوں گے
صاف کہہ دیجئے، ملنا ہمیں منظور نہیں
(داغؔ)

پیغام و نامہ :-

گر سلسلۂ نامہ و پیغام نکلتا
تو لے دلِ ناکام! بڑا کام نکلتا
(داغؔ)

اسی اُلجھن میں نہ لکّھا انہیں اب تک نامہ
کوئی مضمون شکایت کا رقم ہو کہ نہ ہو
(اثرؔ لکھنوی)

تو خود اُن کو لکھ عریضہ، نہ کر انتظار اکبرؔ
اُنہیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں
(اکبرؔ الہ آبادی)

رکھ چکے ہم، جا چکا خط، گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
(فانیؔ)

خط ان کو لکھ کے طولانی عبث تکلیف دیتی ہے
اثر اک بات کر جائے تو سو دفتر سے بہتر ہے
(صفیرؔ بلگرامی)

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا
(ذوقؔ)

خونِ جگر سے روز و شب کیجئے رقم کہاں تلک
نامۂ شوق کی مرے شرح تو اک کتاب ہے
(مرزا احسن علی احسنؔ)

نامہ لکھتے وقت کیا جانے قلم کیوں کر چلا
اضطراب دل نظر آنے لگا تحریر میں
(ثاقبؔ لکھنوی)

اللہ رے فریب تمنّا، کہ بارہا
اپنے ہی خط کو لے کے پڑھا نامہ بر سے آپ
(آسیؔ امیٹھوی)

خط تو بھیجا ہے پر اب خوف یہی ہے دل میں
میں نے کیا اُس کو لکھا اور وہ کیا سمجھے گا
(مجنوںؔ عظیم آبادی)

کسی کو بھیج کے خط ہائے یہ کیسا عذاب آیا
کہ ہر اک پوچھتا ہے، نامہ بر آیا؟ جواب آیا؟
(احسنؔ مارہروی)

یقیں تو یہ ہے کہ خط کا جواب لکھیں گے
مگر نوشتۂ قسمت کسی کو کیا معلوم
(داغؔ)

قاصد کے آتے آتے خط اِک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
(غالبؔ)

پھر انتظار کی لذّت نصیب ہو کہ نہ ہو
خدا کرے کوئی خط کا جواب رہنے دے
(امیدؔ امیٹھوی)

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
(دلاور خاں ہیرنگ)

مرا خط اس نے پڑھا، پڑھ کے نامہ بر سے کہا
یہی جواب ہے اس کا کہ کچھ جواب نہیں
(امیرؔ مینائی)

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہونچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہونچا!
(مومنؔ)

خط اُن کا بہت خوب عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ
(داغؔ)

لیکے خط ان کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا
(جگرؔ مرادآبادی)

پڑھ کے تیرا خط، مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطرابِ شوق نے اِک حشر برپا کر دیا
(حسرتؔ موہانی)

نہاں ہے دلپذیری جس کی ہر ہر لفظ شیریں میں
یہ کس جانِ وفا کے ہاتھ کی رنگیں نگارش ہے
(حسرتؔ موہانی)

لکھا وہی تھا کہ جو حق نصیب کا لکھا
بَلا سے: خط کا جواب اُس نے کچھ دیا تو سہی
(نابؔل دہلوی)

جو نامہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا
تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا
(مرزا سعادت یار خاں رنگیںؔ)

لکھا تھا اپنے ہاتھ سے جو تم نے ایک بار
اب تک ہمارے پاس ہے وہ یادگار خط
(حسرتؔ موہانی)

تم نے اک خط جو لکھا تھا سو پئے راحتِ جان
ہم نے اس نقشِ محبت کا بنایا تعویذ
(حسرتؔ موہانی)

بقدرِ شوق کہاں تابِ التماس ہمیں
لکھیں جواب جو اس نامۂ گرامی کا
(حسرتؔ موہانی)

قاصد کوئی تم کاہے کو بھیجو گے مرے پاس
نامہ تو وہ لکھّے کہ جسے یاد ہو کوئی
(مصحفیؔ)

چھیڑ معشوق سے کیجئے تو ذرا تھم تھم کے
روز کے نامہ و پیغام بُرے ہوتے ہیں
(داغؔ)

دل چاہتا ہے نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے
(غالبؔ)

تحریر و شوخیٔ تحریر :-

شوخیٔ الفاظ کچھ لائے گی رنگ
آنکھ پڑتی ہے مری تحریر پر
(داغؔ)

ہجوم عام ہے سب رو رہے ہیں دیکھ کر اس کو
مرے بعد آج میرے گھر سے اک تحریر نکلی ہے
(عزیزؔ لکھنوی)

تسلّی :-

مجھے دے رہے ہیں تسلّیاں وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی چھپ کے منظرِ عام سے
(جگر مرادآبادی)

کنجِ تنہائی میں دیتا ہوں دلاسے کیا کیا
دلِ بیتاب کو میں اور دلِ بیتاب مجھے
(ذوق)

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹی بھی تسلّی ہو تو جیتا ہی رہوں میں
(سودا)

بھولے ہنگرِ حال نہ پوچھو، بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بے چینی دل کی ایسی تسلّی رہنے دو
(آرزو لکھنوی)

تسکینِ دلِ محزوں نہ ہوئی وہ سعیِ کرم فرما بھی گئے
اس سعیِ کرم کو کیا کہیے بہلا بھی گئے، تڑپا بھی گئے
(اسرار الحق مجاز)

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمہارا بلا ہو گیا
(فانی)

اس نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے
(غالب)

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے، وگرنہ
کافی ہے تسلّی کو مرے ایک نظر بھی
(سودا)

جاؤ بھی اب نہ دو مجھے جھوٹی تسلّیاں
مر جائیں گے تڑپ کے تمہاری بلا سے ہم
(حفیظ جونپوری)

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے
(جگر مرادآبادی)

نہ جانے محبّت کا انجام کیا ہے — میں اب ہر تسلّی سے گھبرا رہا ہوں
(احسان دانش)

جنہیں اُس نے لکھا ہے حرفِ تسلّی — وہ کمبخت برسوں تڑپتے رہے ہیں
(داغ)

بے جرم، پائمال عدو کو کیا، کیا — مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں
(مومن)

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا — تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا!
(امیر مینائی)

تیرے بغیر:-

ویران ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہے — تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے
(فیض احمد فیض)

تم کیا گئے کہ سارا زمانہ چلا گیا — وہ رات دن نہیں ہے وہ شام و سحر نہیں
(محمد دین تاثیر)

تم نہیں پاس، کوئی پاس نہیں — اب مجھے زندگی کی آس نہیں
(جگر بریلوی)

ہر سانس ایک تازہ جراحت کا ہے پیام — نشتر بنی ہوئی ہے رگِ جاں ترے بغیر
(اثر لکھنوی)

گھر ہے وحشت خیز اور صحرا اجاڑ — ہو گئی اِک اِک گھڑی تجھ بن پہاڑ
(حالی)

زندگی آزار تھی، آزار ہے تیرے بغیر — کارِ سہلِ مرگ بھی دشوار ہے تیرے بغیر
(ذوالفقار علی بخاری)

تیرے بغیر باغ میں پھُول نہ کھل کے ہنس سکے
کوئی بہار کی سی بات اِبکے بہار میں نہیں
(فانیؔ)

جگ سونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے
(فانیؔ)

اُجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہے ہر بستی، ویرانے کو کیا کہیئے
(فانیؔ)

نالے ہی صدا بھر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں
ہیں نزع میں ہم تجھ بِن، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
(شیخ محمد عابد دلؔ عظیم آبادی)

مسرور بھی ہوں خوش بھی ہوں، لیکن خوشی نہیں
تیرے بغیر زیست تو ہے، زندگی نہیں
(فانی)

جان کو صبر ہے، نہ دل کو تاب
تو نہیں ہے تو زندگی ہے خراب
(حسرتؔ موہانی)

زندگی کرنے کا ہم ڈھنگ ہی بھولے تجھ میں
ورنہ یہ مہلتِ کم کاٹنا دشوار نہ تھا
(راسخؔ عظیم آبادی)

یوں زندگی گذار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں
(جگرؔ مرادآبادی)

بے تمہارے بھی جی گئی اب تک:
تم کو کیا، خود مجھے یقین نہیں
(کوئی خاتون)

معلوم تھیں مجھے تری مجبوریاں مگر
تیرے بغیر نیند نہ آئی تمام رات
(مائلؔ نقوی)

جذب و کشش :-

کی سیر جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل
(میر)

ابھی ہیں قوتیں نا آزمودہ حسن و الفت کی
جو تم کھنچتے تو ہم بھی جذبِ دل کا امتحاں کرتے
(وحشت کلکتوی)

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا، قصور اپنا نکل آیا
(مومن)

ایک عالم تھا، مگر اللہ رے زورِ کشش
میرے ہی دل میں جگہ نکلی تمہارے تیر کی
(ثاقب لکھنوی)

جب خیال آیا، بس اک بار لگا دل کھنچنے
کیا کہوں آپ نے کیا لاگ لگا رکھی ہے
(اکبر داناپوری)

مجنوں کی رگِ دل بے وجہ خلش کیسی
کانٹا کوئی تلوے میں لیلیٰ کے چبھا ہوگا
(قتیل)

تاثیرِ جذبِ عشق کو بدنام کیوں کروں
سمجھوں محبت ان کو عداوت ہی کیوں نہ ہو
(عزیز لکھنوی)

حیا نے روک لیا، جذبِ دل نے کھینچ لیا
چلے وہ تیر کی صورت، کھنچے کماں کی طرح
(داغ)

مرا جذبِ دل میرے کام آ رہا ہے
اب اُن کی طرف سے پیام آ رہا ہے!
(بہزاد لکھنوی)

شعاعِ مہر خود بے تاب ہے جذبِ محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی
(اصغر گونڈوی)

دعوتِ محبوب :-

ین بلاتا تو ہوں ان کو، مگر اے جذبۂ دل
اُن پہ بَن آئے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے
(غالبؔ)

مری کائنات دل! میری بہارِ زندگی
آ، کہ میں یہ نہ کہہ سکوں مجھ کو خُدا نہ مِل سکا
(بہزاد لکھنوی)

کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شئے میں کسی شئے کی کمی پاتا ہوں میں
(جگر مرادآبادی)

خبر کسی کو نہ ہوگی کنارِ شوق میں آ
جہاں میں چشمِ مہ و مہر باز رہنے دے
(اصغر گونڈوی)

مری حیات کا عنوان بَن کے آجاؤ
ہیں ناتمام ابھی زندگی کے افسانے
(حماری حسن حماری شیخوپوروی مونگیری)

ہار جانفزا، بلبل کے نغمے، چاندنی راتیں
ہر اک شئے آنے والی آگئی، کیا تم نہ آؤ گے
(ہری چند اختر)

یہ موسم سہانا فضا بھیگی بھیگی
بڑا لطف آتا اگر تم بھی آتے
(شورش کاشمیری)

د ہو سکے تو چلے آؤ آج میری طرف
مِلے بھی دیر ہوئی اور جی اُداس بھی ہے
(حیلم مرتضیٰ)

مارے حال کی جا کر انہیں خبر تو کریں
وہ تا کیوں نہ آئیں گے تدبیر چارہ گر تو کریں
(سورج نرائن مہر)

نہ آؤ گے تو مرنے کی ہیں سو تدبیریں
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں
(غالبؔ)

اُن کو حالیؔ بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں! دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت!!
(حالیؔ)

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں
(مومنؔ)

سلام :-

پہونچے اس کو سلام میرا بھولے سے نہ لے جو نام میرا
(حفیظؔ جون پوری)

نگاہِ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے
(فانیؔ)

وہ دُور ہی سے ہمیں دیکھ لیں یہی ہے بہت مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے
(حسرتؔ موہانی)

یہ نصیب کی ہیں باتیں، رہوں جس کی بندگی میں نہ وہ سر اٹھا کے دیکھے نہ وہ لے سلام میرا
(؟)

پُوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو تم بھی حسرتؔ اُٹھو سلام کرو
(حسرتؔ موہانی)

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو
(مومنؔ)

اس ادا سے مجھے سلام کیا ایک ہی آن میں غلام کیا
(آصف الدولہ آصفؔ)

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
(سوداؔ)

جو چھُٹے تو پھر ملیں گے نہ چھُٹے تو یہ سمجھنا　　یہ سلام آخری ہے تجھے اے بہار اپنا
(آسیؔ الدنی)

شبِ وعدہ :-

آدھی سے زیادہ شبِ غم کاٹ چکا ہوں　　اَب بھی اگر آ جاؤ تو یہ رات بڑی ہے
(ثاقبؔ لکھنوی)

کبھی غش میں رہا شبِ وعدہ　　کبھی گردن اُٹھا کے دیکھ لیا
(داغؔ)

یہ حال تھا شبِ وعدہ کہ تا بہ راہگذر　　ہزار بار گیا میں ہزار بار آیا
(داغؔ)

ساری اُمید رہی جاتی ہے　　ہائے پھر صُبح ہوئی جاتی ہے
(سید شاہ محمد حسن بسملؔ عظیم آبادی)

شبِ وصل :-

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو　　کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا
(امیرؔ مینائی)

شبِ وصال یہ اندھیر کیا کیا میں نے　　کہ اُن کو لے کے تہِ آسمان نکل آیا
(جلالؔ)

شبِ وصل کی کیا کہوں داستاں　　زباں تھک گئی، گفتگو رہ گئی
(داغؔ)

نہ جانے رات کو تھا کون زینتِ پہلو　　مچل رہی ہے ہواؤں میں شراب کی خوشبو
(جوشؔ ملیح آبادی)

شوقِ وصل :-

حضورِ وصل کی حسرت ازل سے ہے مجھکو
خیال کیجئے کب سے اُمیدوار ہوں میں!
(امیر مینائی)

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے، تری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں اِسے پھر بھی شوقِ وصال ہے
(اختر شیرانی)

اُمیدِ وصل میں کاٹے ہیں دن جُدائی کے
خزاں کا رنگ نظر میں بہار ہو کے رہا
(بیخود دہلوی)

فریفتہ مجھے عالم کے رنگ و بُو نے کیا
بڑا ستم ترے ملنے کی آرزو نے کیا
(بیتاب عظیم آبادی)

عہد و ایفائے عہد :-

وفائے عہد، دمِ نزع! اے جزاک اللہ!!
اب آپ جایئے، آجائے گا قرار مجھے
(حسین احمد بیباک شاہجہانپوری)

جُھوٹا وعدہ ہی سہی دل تو بہل جاتا ہے
ورنہ ہم آپ کی اس "ہاں" کو نہیں جانتے کیا
(سرور کابری)

اُمید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا
(چراغ حسن حسرت)

اِس وعدے کا مطلب کیا سمجھوں، اقرار بھی ہے انکار بھی ہے
ابرو پہ ہے بل، ہونٹوں پہ ہنسی، انکار بھی ہے اقرار بھی ہے
(وحشی شاہجہانپوری)

رُوح پھونک دیتی ہے، ایک جنبشِ لب کیا
دیکھئے دکھاتا ہے، وعدۂ تذبذب کیا
(یگانہ چنگیزی)

آج کیسے زیست کی اُمید رہے — آپ نے جو وعدۂ فردا کیا

(نظام رامپوری)

کل کا وعدہ نہ کریں، کون جئیگا کل تک — آپ طولِ شبِ ہجراں کو نہیں جانتے کیا؟

(سر بیر کا بری گیاوی)

وعدوں پہ ہیں کیوں ناحق اُمید کی تاکیدیں — بندھتی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی اُمیدیں

(فانی)

اے جانِ ولی: وعدۂ دیدار کو اپنے — ڈرتا ہوں، مبادا کہ فراموش کرے تو

(ولی دکنی)

الٰہی وہ جو وعدے ہیں وفا کس طرح ہوئیں گے — نہ واں خو یاد آنے کی، نہ یاں شیوہ تقاضے کا

(میر نظام الدین ممنوں)

مت آئیو اے وعدہ فراموش! تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

(احسن اللہ بیاں)

کروں میں وعدہ خلافی کا شکوہ کس کس سے — اجل بھی رہ گئی ظالم سُنا کے آنے کی

(مومن)

وعدے پہ تُم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

(نواب سید محمد خاں رند)

تُم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی — ہاں! مگر چین سے بسر نہ ہوئی

(؟)

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

(غالب)

بھولنے والے کو شاید یاد وعدہ آگیا مجھ کو دیکھا مسکرایا، خود بخود شرما گیا

(اثر لکھنوی)

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا؟

(داغ)

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جئے عمر نے ہم سے بے وفائی کی

(میر)

سو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

(میر)

وعدہ نہ دلاؤ یاد اُن کا نادم ہوں خود اعتبار کرکے

(باقی صدیقی)

غم تو اس کا ہے کہ وہ عہدِ وفا ٹوٹ گیا بیوفا کوئی بھی ہو، تم نہ سہی ہم ہی سہی

(راہی معصوم رضا)

محرومیِ وصال :-

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

(غالب)

فریاد کر رہی ہے یہ ترسی ہوئی نگاہ دیکھے ہوئے کسی کے بہت دن گزر گئے

(رضا لکھنوی)

وعدۂ وصل :-

ایک دن کی کمی نہیں جاتی وعدہ موقوف ہے قیامت پر!

(محمد عبدالرزاق بسمل حیدرآبادی)

وہ پھر وعدہ ملنے کا کرتے ہیں یعنی
ابھی کچھ دنوں ہم کو جینا پڑے گا
(آسی الدنی)

وعدہ کر کے اور بھی آفت میں ڈالا آپ نے
زندگی مشکل تھی، اب مرنا بھی مشکل ہو گیا
(جلیل مانک پوری)

اک قیامت ہے عبارت آپ کے وعدے کی بھی
دن گذرتے جائیں گے، معنی بدلتے جائیں گے
(ناطق لکھنوی)

وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو
دل کو اس وعدے سے میں شاد کروں یا نہ کروں
(میر ظفر علی آزاد مرشد آبادی)

پھر نہ آئے جو وعدہ کر کے گئے
آج کا دن ہے، اور وہ دن ہے
(اثر لکھنوی)

وہ یہاں آئیں، مجھے تو نہیں امید نظام
یہی حیرت ہے کیا آنے کا وعدہ کیونکر
(نظام رامپوری)

دلِ مشتاق میں اک شوق کا طوفان اُٹھا
وعدۂ وصل کا دن ختم ہوا، رات ہوئی
(حسرت موہانی)

شب جھوٹے وعدے پر جو ترے ہم بہک گئے
کوئی لاکھ بار گھر سے اٹھے، در تلک گئے
(احمد گجراتی)

خیالِ وعدہ ترا بسکہ شب نظر میں رہا
تمام رات مرا جی، صدائے در میں رہا
(شاہ واقف)

یاس سے آنکھ جو جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا
(شیفتہ)

اے مرے وعدہ بھولنے والے! ڈوبنے کے قریب ہیں تارے
(جوشؔ ملیح آبادی)

وصل :-

وصل کا خواب کجا، لذّتِ دیدار کجا ہے غنیمت جو ترا دَرد بھی حاصل ہو جائے
(احسانؔ دانش)

وصل اس کا خدا نصیب کرے میرؔ جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ
(میرؔ)

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا
(داغؔ)

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا
(حالیؔ)

ملتے ہی کسی کے کھو گئے ہم جاگے جو نصیب سو گئے ہم
(عبداللطیف تپشؔ لاہوری)

وصل کا دن اور اتنا مختصر دن گنے جاتے تھے جس دن کیلئے
(امیرؔ مینائی)

شکر ہے داغؔ کامیاب ہوا حق تعالےٰ بھلا کرے سب کا
(داغؔ)

اک رات دل جلوں کو یہ عیشِ وصال دے پھر آسمان چاہے جہنم میں ڈال دے
(میر ضامن علی جلالؔ)

وصل و فراق :-

فغاںؔ کو وصل میں آرام کیا ہو جُدائی کا تصوّر بندھ رہا ہے
(اشرف علی خاں فغاںؔ)

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا　　کیا جُدائی کو مُنہ دکھاؤں گا

(میرؔ)

وصل میں ہجر کا خیال بھی ہے　　دل کو شادی بھی ہے ملال بھی ہے

(اختر بہاری عظیم آبادی)

خُرمی ہائے وصلِ یار کے بعد　　اب دکھائے خدا نہ رُوئے فراق

(حسرتؔ موہانی)

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے　　تری فرقت کے صدمے کم نہ ہونگے

(حفیظ ہوشیارپوری)

تجھ سے اب مل کے تعجب ہے کہ عرصہ اتنا　　آج تک تیری جُدائی میں یہ کیونکر گزرا!

(حسرتؔ موہانی)

آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل میں، اور　　لذّتِ ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

(زبیر حسن)

دیکھ لے بلبل و پروانہ کی بیتابی کو　　ہجر اچّھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

(امیرؔ مینائی)

خیر سے دل کو تری یاد سے کچھ کام تو ہے　　وصل کی شب نہ سہی، ہجر کا ہنگام تو ہے

(لاعلم)

وداعِ یار:-

سحر ان کا ارادہ ہے سفر کا　　قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

(شیفتہ)

تم تو ہمارے پاس سے جاؤ گے کل پہ آہ　　اپنی نظر میں آج جہاں سب اُداس ہے

(ضیاء الدین ضیاؔ)

خبر کیا تھی ترے عزمِ سفر کی
روانی رُک چلی اب چشمِ تر کی!
(حسرت موہانی)

وہ جاتے ہیں، آتی ہے قیامت کی سحر آج
روتا ہے دعاؤں سے گلے مِل کے اثر آج
(داغ)

مایوسیوں میں دل کا وہ عالم دمِ وداع
بجھتے ہوئے چراغ کی لَو جیسے تھرتھرائے
(عزیز شادانی)

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے
(غلام مصطفےٰ خاں یکرنگ)

یوں نہ ویران کر کے جا ظالم!
کچھ تو کر شرم دل میں آنے کی
(رشاد عظیم آبادی)

جاتا ہے یار، کچھ تو بیاںؔ منہ سے بول لے
اے بدنصیب مانعِ گفتار کون ہے؟
(احسن اللہ بیاںؔ)

آخری ساعت شبِ رخصت کی ہے
آؤ اب تو پیار کی باتیں کریں
(چراغ حسن حسرتؔ)

وقتِ رخصت تسلیاں دیکر
اور بھی تم نے بے قرار کیا
(دلؔ شاہجہاں پوری)

آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کے سنبھلیگا نہ دل
اُس کو باتوں میں لگالوں تو چلے جائیے گا
(لا یعلم)

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اُٹھا
مِل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اُٹھا
(فانیؔ)

وہ جو پہلو سے اٹھے درد کچھ ایسا اُٹھا
تھام کر دل کو کئی بار میں بیٹھا اُٹھا
(لا یعلم)

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی
دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
(میر شیر علی افسوس)

بس اتنا ہوش تھا مجھے روزِ وداعِ دوست
ویرانہ تھا نظر میں جہاں تک نظر گئی
(تلوک چند محروم)

ان کے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
(حالی)

تم یاں سے کیا گئے مری دنیا بدل گئی
وہ لطف نہیں وہ سحر و شام نہیں ہے
(جلیل مانکپوری)

تم تھے، تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں
(فانی)

وداعِ یار سے دل پر ملال ہے سو ہے
زباں سے گو نہ کہا، جی کا حال ہے سو ہے
(شاہ واقف)

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
(غالب)

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت عاقل
جب مرا بس نہ چلا، میں نے خدا کو سونپا
(رائے سکھرام عاقل پنجابی)

(۲) ہجر:-

دن بھی دراز، رات بھی کیونکر ہے ہجرِ یار میں
کاہے سے فرق آگیا گردشِ روزگار میں
(مومن)

دن رات کی یہ بےچینی ہے، یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار بُرے ہیں فرقت میں، معلوم نہیں کیا ہونا ہے
(اکبر الہ آبادی)

ترے فراق میں کیونکر یہ دردناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا، جیے تو خاک جیے
(اشرف علی خاں فغاں)

غم جدائی سے تیرے ظالم، کہوں میں کیا مجھ پہ کیا بنی ہے
جگر گدازی ہے، سینہ کاوی ہے، دل عرق ریزی ہے، جاں کنی ہے
(ذوق)

مرغِ دل تیری جُدائی میں پڑا تڑپے ہے
اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں
(میر ظفر علی آزاد، مرشد آبادی)

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو
(ذوق)

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن
جیویں گے ہم سے شخص کیا تجھ بن
(میاں رضائی جولاں)

اس بن جہان کچھ نظر آتا ہے اور ہی
گویا وہ آسمان نہیں، وہ زمیں نہیں
(جرأت)

جب سے اوجھل ہے تو ان آنکھوں سے
رات کیسی کہ دن اندھیرا ہے
(آرزو لکھنوی)

یہ دل کے داغ تو دُکھتے تھے یوں بھی پر کم کم
کچھ اب کے اور ہے ہجرانِ یار کا موسم
(فیض احمد فیض)

حزیں اِک دم نہ جیتا تھا سجن بن
سو یوں گزرے جُدائی کے زمانے!
(سید محمد باقر حزیں)

فانیؔ اب مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی
(فانیؔ)

میں کبھی کا مر بھی رہتا، نہ غمِ فراق ستا
اگر اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہوتا
(اسمٰعیل میرٹھی)

آہ! خیالِ فرقتِ دوست
جی بھی بے کل، دل بھی اُچاٹ
(آزادؔ انصاری)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
(نظیر اکبرآبادی)

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل!
تم سے بیرحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا
(مومنؔ)

کچھ سمجھ کیا تھا جو برسوں ہجر میں تڑپا کیے
نام لے کے تیرا مرجاتا تو کچھ مشکل نہ تھا
(ناصریؔ)

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ، تیری جان سے دُور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے، مر بھی سکتا ہے!
(فانیؔ)

ہجر کی رات :-

الٰہی کس کو پکاریں، کہاں نکل جائیں
کھلی ہے آنکھ، شبِ انتظار باقی ہے
(آسی الدنی)

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے
(داغؔ)

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں
(سوداؔ)

کھل گیا میری زندگی کا راز اے شبِ ہجر، تیری عمر دراز

(فانی)

اے شبِ ہجر، راست کہہ، تجھ کو بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے

(میر)

شبِ فرقت تڑپنا داغ کا دیکھا نہیں جاتا گذر جاتی ہے ساری رات سارے گھر کو سمجھاتی

(داغ)

شبِ فراق کو میں جانوں یا خدا جانے جو تم سمجھ نہیں سکتے اسے بتاؤں کیا

(ثاقب لکھنوی)

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو کہ شبِ غم کوئی کس طرح سحر کرتا ہے

(مومن)

کیونکر بسر ہوئی شبِ فرقت نہ پوچھیے سب مجھ سے پوچھیے، یہ مصیبت نہ پوچھیے

(نوح ناروی)

شبِ فرقت میں تیری اے ظالم! ہو گیا خواب خواب آنکھوں میں

(محمد اجمل اجمل الہ آبادی)

ترے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولینگی مزے ملے انہیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے

(ناصر کاظمی)

کچھ ایسی بھی گذری ہیں ترے ہجر میں راتیں دل درد سے خالی ہے مگر نیند نہ آئے

(فراق گورکھپوری)

اور کچھ دیر نہ گذرے شبِ فرقت سے کہو دل بھی کم دُکھتا ہے، وہ یاد بھی کم آتے ہیں

(فیض احمد فیض)

تو بھی اب جا کے کہیں اپنا ٹھکانا کرلے — ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے
(مومن)

ہجر کی رات کاٹنے والے — کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی
(عزیز لکھنوی)

مرنے والوں کو کیا خبر اے صبح ! — کیا ہوا ایک شب میں کیا نہ ہوا
(ثاقب لکھنوی)

کیا تو شبِ فراق میں جیتا رہا فغاں! — یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا!
(اشرف علی خاں فغاں)

نام بدنام ہے ناحق شبِ تنہائی کا — وہ بھی اک رُخ ہے تری انجمن آرائی کا
(فانی)

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم — جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی
(فراق گورکھپوری)

یاد :-

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے — ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے
(فانی)

ان کو میں کس طرح بھلاؤں نظام — یاد کس بات پر نہیں آتے !
(نظام رامپوری)

کس کس عنواں سے بھلانا اسے چاہا تھا روشؔ — کسی عنواں سے مگر اُن کو بھلایا نہ گیا
(روشؔ صدیقی)

کب غنچہ کو دیکھ اس کا دہن یاد نہ آیا — کس وقت کہ وہ رشکِ چمن یاد نہ آیا
(راسخ عظیم آبادی)

دُنیا کی معاشی فکروں میں، یاد اس کی رُوئے زیبا کی
اِک بجلی تھی جو رہ رہ کر تاریک گھٹا میں چمکا کی
(سہیل مظہری)

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے ترے نام سے
(جگر مرادآبادی)

پکارتی ہے نہ دروازہ کھٹکھٹاتی ہے
بڑے گھمنڈ سے یاد اُن کی دل میں آتی ہے
(آرزو لکھنوی)

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں، کہاں جاؤں!
(ناسخ)

میرے قابو میں نہ پہروں دلِ ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا، جو مجھے یاد آیا
(داغ)

دل میں اب تاب ضبط بھی تو نہیں
آپ کیوں یاد آئے جاتے ہیں
(علی اختر اختر)

مانوس ہو چلا تھا تسلّی سے حالِ دل
پھر تم نے یاد آ کے بدستور کر دیا
(حسرت موہانی)

کچھ نقش تری یاد کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سروساماں سہی، ویراں تو نہیں ہے
(عظیم مرتضیٰ)

دل دُکھ کے رہ گیا یہ الگ بات ہے مگر
ہم بھی ترے خیال سے مسرور ہو گئے
(فراق گورکھپوری)

اِک ایک نفس میں روشنی ہے
یادوں کے چراغ جل رہے ہیں
(شاعر لکھنوی)

سب سے منہ موڑ کے راضی ہیں تری یاد سے ہم
اس میں اک شان فراغت بھی ہے راحت کے سوا
(حسرت موہانی)

عمر یک عمر فراغت سے بھی خوش تر گزرا
وہ جو اک لحظہ تری یاد میں ہم پر گزرا
(حسرت موہانی)

ان سے بھی چھین لو گی یاد اپنی
جن کا ایمان ہو گئی ہو گی
(سیف الدین سیف)

بنسری بج رہی تھی دور کہیں
رات کس درجہ یاد آئے ہو تم
(بلقیس رعنا)

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
(مومن)

پھر مطربِ بہار نے چھیڑا ربابِ عشق
پھر دل میں تیری یاد سے محشر بپا ہوا
(اثر صہبائی)

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
(حسرت موہانی)

وہ اُن کی یاد کی نشتر نوازیاں نہ رہیں
اگرچہ اک خلش گاہ گاہ آج بھی ہے
(آلِ احمد سرور)

یاد اُن کی بہت نہیں آتی
شاید اب دل کی زندگی کم ہے
(جوش ملیح آبادی)

کہیں یہ اپنی محبت کی انتہا تو نہیں
بہت دنوں سے تری یاد بھی نہیں آئی
(احمد راہی)

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
ناداں! پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائیگا
(میرؔ)

یاد ہیں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
بھولنے والے کبھی تجھکو بھی یاد آتا ہوں میں
(آغا شاعر)

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آسکے
تُم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے
(حفیظ جالندھری)

ہم تجھے بھول گئے! ہائے تری سادہ دلی
کوئی طائر کبھی بھولا ہے نشیمن اپنا!!
(عندلیب شادانی)

اسی کو، بھول کے بھی جس نے کی نہ بات کبھی
بغیر یاد کئے کٹ سکی نہ رات کبھی
(آنند نرائن ملّا)

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ
کیا کروگے وہ اگر یاد آیا!
(فانیؔ)

میرا دامن سے لپٹنا آپ شاید بھول جائیں
مجھ کو اب تک آپ کا دامن چھڑانا یاد ہے
(نخشب جارچوی)

تمہاری یاد سے شیریں ہے تلخیٔ ایّام
سلام لکھتا ہے شاعر تمہارے حسن کے نام
(فیض احمد فیضؔ)

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دیکے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں
(فانیؔ)

کس کی یاد آکر تجھے محوِ تحیّر کر گئی
خود فراموشِ جنوں! اس وقت کس عالم میں ہے
(تاجور نجیب آبادی)

مدتیں گذریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں
(فراق گورکھپوری)

بھرے پردیسیو! ایسی ہے یہ کس دیس کی ریت
جو تمہیں یاد کرے اس کو نہ تم یاد کرو
(اختر شیرانی)

یاد آؤ مجھے للہ، نہ تم یاد کرو
میری اور اپنی جوانی کو نہ برباد کرو
(اختر شیرانی)

یاد کرنے کی تو باتیں ہیں بہت سی ناطقؔ
پہلے وہ بھول تو جائیں، جو فراموش نہیں
(ناطقؔ گلاوٹھی)

دل میں اک درد اٹھا، آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا
(وزیر علی صباؔ)

آہ وہ یاد! کہ جس یاد کو ہو کر مجبور
دلِ مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے
(حسرتؔ موہانی)

تم جسے یاد کرو، پھر اسے کیا یاد رہے
نہ خدائی کی ہو پروا نہ خدا یاد رہے
(ذوقؔ)

سیرِ دریا کرنے والے ہم بھی یاد آئے کبھی
کوئی ٹکرایا سفینہ کیا لبِ ساحل نہ تھا؟
(ناصرؔی)

بھلائی نہیں جا سکیں گی یہ باتیں
بہت یاد آئیں گے ہم، یاد رکھنا
(حفیظؔ جالندھری)

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے، ہمکو بہت یاد کرو گے
(سوداؔ)

بس اتنی داد دینا بعد میرے، میری الفت کو
کہ یاد آؤں تو اپنے آپ کو تم پیار کر لینا
(تاجور نجیب آبادی)

یاد سے احسن ان دنوں کِن نے ہمیں بھلا دیا
سینے میں دل کو اپنے کچھ خود بخود اضطراب ہے
(مرزا احسن علی احسن)

فغان و فریاد

آہ :-

کیا جانئے یہ آہ ہے کہ کیا ہے
کچھ آگ سی آئی ہے زباں پر
(میر شبیر علی افسوس)

ہیں مرے دل میں وہ آہیں کہ جو بجلی نہ بنیں
میری آنکھوں میں وہ قطرہ ہے جو طوفاں نہ ہوا
(پنڈت دتاتریہ کیفی)

ہر نفس آہ، اور انفاس پہ جینے کا مدار
زندگی آہِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں
(فانی)

دل سے کھینچی ضعف میں اس طرح آہ
جیسے کہ اِک فرض ادا ہو گیا
(آرزو لکھنوی)

ہجوم ضعف میں لینا تھا صبر سے کچھ کام
خود اپنی آہ کی ٹھوکر سے دل نے کھائی چوٹ
(شاد عظیم آبادی)

اس مُنہ سے الٰہ کچھ نہ نکلا
بجز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
(محمد یار خاں امیر)

آہِ پیہم پہ تھا مدارِ حیات
وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے
(لااسلم)

شمع روشن ہے ہماری آہ سے — لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

(داغ)

نہیں معلوم اے یارو تمنا کے دل میں کیا آیا — ابھی جو بیٹھے بیٹھے وہ یکایک آہ کر اُٹھا

(لالہ کانجی مل صبا)

بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں — تُو نے آہِ آتشیں یہ کیا کیا!

(فانی)

کیا غم میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی — اِک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے!

(فانی)

آہ کو چاہیئے اِک عمر اثر ہونے تک — کون جیتا ہے تری زُلف کے سَر ہونے تک

(غالب)

دل میں اس شوخ کے نہ کی تاثیر — آہ نے آہ نارسائی کی

(میر)

کہانیاں اثرِ آہ کی غلط ہیں شاد — کسی کے دل پہ کسے اختیار ہوتا ہے!

(شاد عظیم آبادی)

ہمہ تن گوش ہیں گُل نغمۂ بُلبل کیلئے — سننے والا کوئی آہِ دلِ ناشاد بھی ہے!

(نظام دکن میر عثمان علی عثمان)

آج سُن کر میرے نالوں کو ز راہِ التفات — زیرِ لب اس نے بھی کھینچی ایک آہِ التفات

(حسرت موہانی)

آہ نے اتنی تو کی تاثیر پیدا شکر ہے — بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا

(تسلیم لکھنوی)

آہ جو دل سے نکالی جائے گی | کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی
(اکبر الٰہ آبادی)

جانتا ہوں مقامِ آہِ رسا | حسن کو شرمسار کون کرے
(نسیم قریشی)

زیرِ دیوار ذرا جھانک کے تم دیکھو تو لو | ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر
(داغ)

جو مست بادۂ عشرت ہیں اُن کو کیا معلوم | یہ آہِ نیم شبی بھی تو ایک دولت ہے
(آلِ احمد سرور)

بہائے درد و الم درد و غم کی لذّت ہے | وہ ننگِ عشق ہے جو آہ ہو اثر کے لئے
(اصغر گونڈوی)

رُکتے جو سانس بن گئیں، مانا کہ وہ آہیں تھیں لیکن | آپنے تیور کیوں بدلے! آہوں میں کسی کا نام نہیں
(فانی)

آنسو :-

دل کے اکثر فسانہ ہائے جمیل | آنسوؤں میں سنائے جاتے ہیں
(علی اختر اختر)

اُسے آنسو نہ کہہ، اک یادِ ایّامِ گزشتہ ہے | مری عمرِ رواں کو عمرِ رفتہ کا سلام آیا
(آنند نرائن مُلّا)

ڈبڈبا آئیں، خود بخود آنکھیں | بارہا ایسا اتفاق ہوا
(اثر لکھنوی)

دل شکستہ ہوں، نکل آتے ہیں اکثر آنسو | مے ٹپک پڑتی ہے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
(عبدالمنان بیدل عظیم آبادی)

نہ رکھ آنکھوں پہ میری آستینِ لطف اے ہمدم
کہ اشکِ سُرخ کے ہمراہ دل کا غم نکلتا ہے
(رشید ی)

ضبطِ گریہ تو ہے، پر دل میں جو اِک چوٹ سی ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
(راسخ عظیم آبادی)

مری آنکھوں میں آنسو، تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارا ہے، بہہ جائے تو پانی ہے
(فانی)

طوفانِ نوح لانے سے اے اشک فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں، اگر کچھ اثر کریں
(شیفتہ)

وہ عرضِ حال میں اشکوں پہ معترض ہیں عبث
میں کیا کروں، یہی سُرخی ہے اس فسانے کی
(جگت موہن لال رواں)

رسمِ وفا سے بے خبر ہم بھی نہیں، مگر حضور!
بس بھی تو آنسوؤں پہ ہو؛ دیدۂ تر سے کیا کہیں
(فانی)

ہے ایک خلق کا خون سر پہ اشکِ خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اُٹھا کے آنے کی
(مومن)

یہ پیتے ہی پیتے پئے جائیں گے
اے بیوفا! اشک ہیں سم نہیں
(اثر لکھنوی)

تارا ٹوٹتے سب نے دیکھا، یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا، کس کا سہارا ٹوٹا ہے
(آرزو لکھنوی)

پردۂ اشک میں مسرت ہے
آج آنکھوں کا غسلِ صحت ہے
(جوش ملیح آبادی)

مرے ضبطِ آرزو کی نہیں داد دے سکو گے
مرے آنسوؤں کو شاید نہ سمجھ سکے زمانہ
(قنبر رضوی)

فریاد و فغاں :-

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے
(غالب)

تری شورش بھی بے کل ہے، مگر میر
ملا دی ہیں کر بجلی فغاں میں
(میر)

نغموں ہی کی تخصیص نہیں اہلِ طلب میں
سُننے پہ کوئی آئے تو نالہ بھی مزہ دے
(آسی الدنی)

آتش دہِ چمن ہو یا برقِ آشیاں ہو
اے مرغ نالہ کچھ ہو، اک شب تو پرفشاں ہو
(مرزا احمد علی جوہر شاہجہاں آبادی)

مجھے چُپ سمجھنے والے، تجھے کیا خبر کہ گم ہے
ترے نغمۂ سحر میں مرا نالۂ شبانہ
(احسان دانش)

اے ظلم کے ماتو! لب کھولو، چپ رہنے والو چپ کب تک
کچھ حشر تو ان سے اُٹھیگا، کچھ دور تو نالے جائیں گے
(فیض احمد فیض)

ہمارے نالے بھی چند سُن لو، چمن میں اہلِ کرگانے والو
تمہاری محفل میں تو ہمیشہ یہ نغمۂ زیر و بم رہیں گے
(آسی الدنی)

رنگ جہاں بدل گیا، شانِ عدم بدل گئی
دُکھنے دلوں سی پچھلی رات آئی ہے وہ صدا کہ بس
(فراق گورکھپوری)

سودا! تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو، ٹک تو کہیں مر بھی
(سودا)

کمبخت وہی داغ نہ ہو، دیکھو کوئی ۔۔۔ بے چین کئے دیتی ہے فریاد کسی کی
(داغ)

کہنے لگا وہ سُن کے مرا نالہ وفغاں ۔۔۔ یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک!
(لالہ نول رائے وفا)

عشق میں سو بار نالہ آتے لب تک رُک گیا ۔۔۔ بات اکیلے کی نہیں تھی دو دلوں کا راز تھا
(آرزو لکھنوی)

ہم جو آہ و فغاں نہیں کرتے ۔۔۔ آپ کا امتحاں نہیں کرتے
(تلوک چند محروم)

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل ۔۔۔ ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
(سودا)

تو نے بدنام کیا دردِ وفا کو آسی ۔۔۔ سینکڑوں بار سُنے ہیں ترے نالے میں نے!
(آسی الدنی)

کلیجہ تھام لو گے جب سنو گے ۔۔۔ نہ سُنو اے خدا شیون کسی کا
(داغ)

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو ۔۔۔ یہاں سے تو نہیں سُنتا ہے آسماں میری
(ریاض خیرآبادی)

اے عندلیب! مِل کے کریں آہ و زاریاں ۔۔۔ تو ہائے گُل پکار، میں چلّاؤں ہائے دل
(سیّد محمد خاں رند)

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے ۔۔۔ گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے
(سید محمد خاں رند)

ہائے تم نالۂ پُر درد ہمارا نہ سُنو
گوشِ گل ہے ہمہ تن شورِ عنادل کی طرف
(آسی جونپوری)

اب کوئی صدا میری صدا پر نہیں دیتا
آوازِ طرب اور تھی آوازِ فغاں اور
(آنند نرائن ملّا)

اے زمزمہ پردازِ چمن! نالہ ہمارا
وہ مرغ نہ سمجھے جو تہِ دام نہ آیا
(سودا)

گریہ :-

پوچھیں ہیں وجہ گریۂ خونیں جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بیوفا کا رنگ
(میر)

سبب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میرے رونے کا
الٰہی ساری دنیا کو میں کیوں کر رازداں کر لوں!
(تاجور نجیب آبادی)

باعثِ گریہ نہ پوچھ اے ہمنشیں
کیا کہوں میں آ گیا تھا یاد کیا
(داغ)

کس طرح روتے ہو اے دیدۂ تر! دیکھیں تو!
کس طرح بہتے ہو اے لختِ جگر دیکھیں تو!
(سید محمد میر سوز)

یہ کون حال ہے احوالِ دل پہ اے آنکھو!
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہوا سو ہوا
(سودا)

کسی کی یاد میں آنسو بہائے تھے نہ کبھی
میں آج کیوں مرے پروردگار روتا ہوں
(علی اختر اختر)

اے جوشِ الم! کبتک گریہ، دل آج تو ڈوبا جاتا ہے
موجیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں طوفاں ہے کہ اُمڈا آتا ہے
(دل شاہجہانپوری)

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کر لاٹھے — یاں تلک روئے کہ ان کو بھی رلا کر اٹھے

(مومن)

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتشِ دل — ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

(میر)

برس اے ابر جتنا چاہئے اب تو تیری باری ہے — کبھی دل تھا تو میں رو رو کے اک دریا بہاتا تھا

(ضیاء الدین ضیا)

طویل عمر اور اس پر یہ اشکباری غم — نہ ختم ہوتا ہے پانی نہ جام بھرتا ہے

(ثاقب لکھنوی)

رات کب آئے تم، اور کب گئے معلوم نہیں — جان اتنی نہ خبر ہمکو رہی رونے میں

(عشق عظیم آبادی)

ہوں گے بدنام تو ہو لینے دو — ہم کو جی کھول کے رو لینے دو

(عزیز لکھنوی)

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی — کسی کا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

(سید منور علی آشفتہ)

آج آنسو تم نے پوچھے بھی تو کیا — یہ تو اپنا عمر بھر کا کام ہے

(جلیل مانکپوری)

کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں، یہ ہیں باتیں — اک دن بھی نہ یار آیا، روتے ہی کٹیں راتیں

(عبدالحی تاباں)

تیری بے صبری ہے حسرت خام کاری کی دلیل — گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

(حسرت موہانی)

فضائے خواب میں تاروں سے کھیلنے والی! ہماری آنکھ بھی شب بھر ستارہ بار رہی
(اختر شیرانی)

سرور! لاکھ لہو رو دیے تم محبت میں جبینِ یار اگر نم نہیں تو کچھ بھی نہیں
(آلِ احمد سرور)

ہوک :-

اِک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے، اِک درد جگر میں ہوتا ہے ہم رات کو اُٹھ کر روتا ہوں، جب سارا عالم سوتا ہے
(ضیاء الدین ضیا)

ہوک اُٹھتی ہے اگر ضبطِ فغاں کرتا ہوں سانس رُکتی ہے تو برچھی کی انی ہوتی ہے
(حفیظ جونپوری)

کالی گھٹا میں کوندا لپکا، رو کے جو کوئل کوک گئی جتنی گہری سانس کھینچی تھی، اتنی لمبی ہوک گئی
(آرزو لکھنوی)

فِکر و تردُّد

اُلجھن :-

دل کی اُلجھن نہ پوچھئے اُمید ہم نہ خلوت کے ہیں نہ محفل کے
(امید امیٹھوی)

کیسے یہ دن رات کٹیں ایک مسلسل اُلجھن ہے
(احمد ظفر)

قفس سے دُور نہ ہم، اور چمن میں جائے نہیں اُڑیں تو اُڑ نہیں سکتے چلیں تو پائے نہیں
(آفتاب رائے رسوا)

خوف :

اتنا رویا ہوں غمِ دوست؛ ذرا سا ہنس کر
مُسکراتے ہوئے لمحات سے جی ڈرتا ہے
(حسنؔ نعیم)

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیّاد کی نِگاہ سُوئے آشیاں نہیں
(لا یعلم)

ابھی خبر کرنا آشیاں کی، جی دھڑکتا ہے
چمک کچھ پھر نشیمن کے قریب معلوم ہوتی ہے
(محمد تقی قیسؔ شیخپوروی مونگیری)

بے نیازی سے، مدارات سے جی ڈرتا ہے
جانے کیا بات ہے، ہر بات سے جی ڈرتا ہے
(حبیب اشعرؔ)

دَغدغہ :-

بچ گیا کل کسی حکمت سے نشیمن اپنا
آج کی تُند ہوا دیکھئے کیا کرتی ہے!
(ظفر نواب صاحب ظفرؔ مظفرپوری)

دمِ عشرت مجھے اندیشۂ انجام ہوتا ہے
مرا دل کانپتا ہے دَور میں جب جام ہوتا ہے
(وحشتؔ کلکتوی)

مجھے شادابیٔ صحنِ چمن سے خوف آتا ہے
یہی انداز تھے جب لُٹ گئی تھی زندگی اپنی
(ظہیرؔ کاشمیری)

روز و شب مجھ کو یہی دھڑکا ہے
نہ ملو گے، ملو گے کیا ہوگا
(شاہ واقف واقفؔ)

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے
(حفیظؔ جالندھری)

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
(غالبؔ)

فکر و تردُّد :-

فکر ہی ٹھہری تو دل کو فکرِ خوباں کیوں نہ ہو
خاک ہونا ہے تو خاکِ کُوئے جاناں کیوں نہ ہو
(جوشؔ ملیح آبادی)

چمن میں فصل بہار آئی اور گزر بھی گئی
میں فکر ہی میں رہا، آشیاں بنانے کے
(لا علم)

یہ قیدِ و صیاد کے اندیشہ ہائے بیجا کیا
چمن کی فکر کرو آشیاں کی بات کرو
(عبدالمجید سالکؔ)

ہمیں یہ فکر اُن کی انجمن کس حال میں ہوگی
اُنہیں یہ غم کہ ان سے چھُٹ کر دیوانوں پہ کیا گزری
(ساحرؔ لدھیانوی)

کشمکش :-

صیّاد سے بھی اُنس، رہائی کا شوق بھی
اِک دل مرا قفس میں ہے، اِک آشیانے میں
(ناطقؔ لکھنوی)

شربتِ وصل نہ پینے دو، نہ سَم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مر جانے دو
(خیرالدین یاسؔ دہلوی)

نے جائے واں بنے ہے، نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجئے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح
(مومنؔ)

کیوں کر کوئی سُنائے انہیں شوق کی وہ بات
جو پڑ گئی ہے کشمکشِ التماس میں
(حسرتؔ موہانی)

نہیں مرتے ہیں تو ایذا نہیں جھیلی جاتی
اور مرتے ہیں تو پیماں شکنی ہوتی ہے
(حفیظ جونپوری)

نظر ہو خواہ کتنی ہی حقائق آشنا پھر بھی
ہجوم کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے
(جوش ملیح آبادی)

نہ مسرت سے ہے نہ غم سے ہے
زندگی کشمکش کے دم سے ہے
(آل احمد سرور)

فنا و بے ثباتی

بے ثباتی :-

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
(میر)

شمع ہے، گل بھی ہے، بلبل بھی ہے، پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں
(محمد علی تشنہ)

دو روز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا
بوئے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں
(آتش)

کہا میں نے گل کو ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سنکر تبسم کیا
(میر)

کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے
(جگر مرادآبادی)

سوائے خاک کے باقی اثر نشاں سے نہ تھے
زمیں سے دب گئے، دبتے جو آسماں سے نہ تھے
(آتش)

پائی ہے باغِ جہاں میں ہم نے گُل کی زندگی
رنگ بن کر آئے ہیں، بُو بَن کے اُڑ جائیں گے ہم
(آرزو لکھنوی)

نہیں ثبات بلندیِ عزّ و شاں کیلئے
کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کیلئے
(ذوقؔ)

پھُول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مُرجھا گئے
(ذوقؔ)

ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے
(میر دردؔ)

بے ثباتیِ حُسن :-

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گُلِ تر کی صورت
(حالیؔ)

یہی مضمون خط ہے احسنُ اللہ
کہ حُسنِ خوبرویاں عارضی ہے!
(محمد احسن اللہ احسنؔ)

خزاں کے آنے سے پہلے ہی تھا مجھے معلوم
کہ رنگ و بُوئے چمن کا کچھ اعتبار نہیں
(علی حیدر نظم طباطبائی)

گُل کو ہوتا صبا قرار اے کاش!
رہتی اِک آدھ دن بہار اے کاش!
(میرؔ)

عالم رَوارَوی پر ہے :-

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے
بہوش باش کہ عالم رَوا رَوی پر ہے
(لا اعلم)

رَو میں ہے رخشِ عمر، کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
(غالب)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
(انشا)

قتل

بسمل و قاتل:-

کسی کو کیا خبر بسمل کے دل پر کیا گزرتی ہے
یہاں سب ہیں خمِ ابروئے قاتل دیکھنے والے
(سیّد محمد سعید مظفر پوری)

کون پُرساں ہے حالِ بسمل کا
خلق مُنہ دیکھتی ہے قاتل کا
(بیمار)

سر بھی قاتل کا، دل بھی قاتل کا
ہائے کوئی نہیں ہے بسمل کا
(مضطر مظفر پوری)

تیر:-

کیا کہیئے جاں نوازیِ پیکانِ یار کو
سیراب کر دیا دلِ منت گزار کو
(حسرت موہانی)

سو تیر زمانے کے اک تیر نظر تیرا
اب کیا کوئی سمجھے گا دل کس کا نشانہ ہے
(ناطق لکھنوی)

دکھانا پڑیگا ہمیں زخم دل کو
اگر تیر اس کا خطا ہو گیا
(حالی)

تیر و کماں :-

لڑ گئی اُن سے نظر، کھنچ گئے ابروان کے
معرکے عشق کے اب تیر و کماں تک پہنچے
(بیتاب عظیم آبادی)

تیر و کماں ہے گُربتِ ناوک فگن کے پاس
آہ و قدِ خمیدہ ہے اس خستہ تن کے پاس
(ذوق)

حسرتِ شہادت :-

صفِ آخر میں ہوں میں وا اصفالے قاتل!
خوف یہ ہے کہ تھکا جاتا ہے بازو تیرا
(شاد عظیم آبادی)

دل وقفِ تپش ہے، ہائے گر وجہ تپشِ دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں
(فانی)

ہو مرینگے زخم کاری سے تو حسرت سے ہزار
چار ہی واروں میں شل ہو جائینگے بازوئے دوست
(آتش)

خون :-

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے!
(غالب)

باقی ہے لہو دل میں تو ہر اشک سے پیدا
رنگِ لب و رخسارِ صنم کرتے رہیں گو
(فیض احمد فیض)

اشک تو کچھ بھی رنگ لا نہ سکے
خوں سے تر آج آستیں کی ہے
(فیض احمد فیض)

خونِ دل ضائع نہ ہو، مجھ کو بس اتنی فکر ہے
اپنے کام آیا تو کیا، غیروں کے کام آیا تو کیا
(آنند نرائن ملا)

قریب ہے یار و روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکاریگا آستیں کا
(ناسخ)

حشر میں میرا لہو چھپنا تو آخر کس طرح
آپ بھی بھولے نہ تھے مجھکو بھی کچھ کچھ یاد تھا
(ثاقب لکھنوی)

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
(سودا)

سبھی کرتے ہیں دعویٰ خون کا قسمت ہے، دیکھیں تو
صفِ محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا
(لالہ بیکھی بہار)

خنجر و تیغ :-

خنجر بھی اُن کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا
(ذوق)

آفت کا مرحلہ ہے قیامت کا امتحاں
میں سخت جاں ہوں خنجرِ قاتل میں دم نہیں
(ثاقب لکھنوی)

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا
(ذوق)

بلبل چمن میں تیغ نگہ کس کی چل گئی
جس گل کو دیکھتا ہوں سو زخموں سے چور ہے
(سودا)

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یوں گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا
(ذوق)

زخم :-

مصحفی! ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا!
(مصحفی)

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
(غالبؔ)

اُو نمک پاش! تجھے اپنی ملاحت کی قسم
بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے!
(بیدم شاہ وارثیؔ)

زخمِ دل پر مرے ہنس ہنس کے چھڑکتے ہو نمک
جو مزہ عشق کا حاصل نہ ہوا تھا، سو ہوا
(سید حسرتؔ عظیم آبادی)

نمک بھر کر مرے زخموں میں تم کیا مسکراتے ہو
مرے زخموں کو دیکھو، مسکرانا، اسکو کہتے ہیں
(بیخودؔ دہلوی)

سعی میرے واسطے احباب فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرتے تلک، ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا!
(غالبؔ)

کس نظر سے آپ نے دیکھا دلِ مجروح کو
زخم جو کچھ بھر چلے تھے پھر ہَوا دینے لگے
(ثاقبؔ لکھنوی)

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں
(فیض احمد فیضؔ)

زخم کھِل کھِل کے پھول بن جاتے
چارہ اندیشیِ رفو کیوں کی!
(پروفیسر ڈاکٹر محسنؔ عظیم آبادی)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی
(غالبؔ)

کرنے کو رفو کر ہی لیں گے سب دنیا والے زخم اپنے
جو زخم دلِ انساں پہ لگا اس زخم کا سینا مشکل ہے
(عرشؔ ملسیانی)

شہیدانِ وفا و ناز:۔

شہیدانِ وفا کے حوصلے تھے داد کے قابل
وہاں پر شکر کرتے تھے جہاں پر صبر مشکل تھا
(لا اعلم)

رتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے کے قربان جائیے
(لا اعلم)

اُن پہ قربان ہستیِ کونین
اِک مری زندگی کو کیا کہیئے
(روش صدیقی)

شہیدِ ناز کی بھولی نہیں ہیں صورت
تری طرف کو نگاہیں پھرا کے رہ جانا
(شاد عظیم آبادی)

قتل:۔

کیا تم نے قتلِ جہاں، اِک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشہ کسی کا
(مومن)

کچھ تماشا ہے، کھیل ہے، کیا ہے
اِک زمانے کو قتل کر بیٹھے!
(مولا بخش قلق)

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
(سودا)

ظالم میں کہہ رہا ہوں کہ اس خوں سے درگذر
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا
(سودا)

ذبح کرتا ہے تو اتنا ہی بتا دے صیاد
میں گنہگارِ چمن ہوں کہ گنہگارِ قفس
(حفیظ جونپوری)

بُتو! مانا نہیں ہوں میں تمہارے قتل کے قابل　　مگر للّٰلہ بھی اِک کام کر لوگے تو کیا ہوگا

(امیر مینائی)

کوئے یار و آستانہ

آستانِ یار :-

درِ جاناں پہ فدا کرتے دل و جاں اختر　　وائے بر حالِ دل و جان، درِ جاناں نہ ملا

(اختر شیرانی)

راہ میں اور بھی دیوانوں سے ملتے چلتے　　پُوچھتے پُوچھتے ہم اُن کے مکاں تک پہنچے

(بیتاب عظیم آبادی)

یہ آستانِ یار ہے، صحنِ حرم نہیں　　جب رکھدیا ہے سر تو اٹھانا نہ چاہیئے

(اصغر گونڈوی)

میرا سر! اور تیرا در!!　　دھن مری قسمت، دھن مرے بھاگ!

(آزاد انصاری)

گویا ہے اور بھی کوئی مامن زمانے میں　　مایوس ہو کے اُٹھے ہیں اس آستاں سے ہم!

(وحشت کلکتوی)

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے　　ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے

(آصف الدولہ آصف)

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو　　جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے

(میر)

جنوں میں بھی یہی دُھن ہے کوئی اِدھر لیجائے　　جدھر وہ دشمنِ ہوش و حواس رہتا ہے

(دوست علی خلیل)

آسودگانِ کوئے دوست :-

محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست — آرزو دل میں ہے، دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

(شاد عظیم آبادی)

ہمیں تو فرش سے اور تکیہ مخمل سے بہتر ہے — گلی میں اس کی پڑ رہنا سر اپنے ہاتھ کو دھر کے

(میر مظہر علی زار)

بام و در :-

بھٹک رہا ہوں تماشائے بام و در کیلئے — قدم قدم پہ طلسمات ہیں نظر کے لئے

(دل شاہجہانپوری)

کھلا یہ دل پہ کہ تعمیر بام و در ہے فریب — بگولے قالب دیوار و در میں رہتے ہیں

(حامد عزیز مدنی)

اٹھا وہ تیرے در سے کسی نامراد کا — اک آہ زیر لب کا سہارا لیے ہوئے

(فانی)

تماشا :-

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا — دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

(مومن)

یہی کہہ کے شب بھر یار کو پیش نظر رکھا — دکھائیں گی تماشا تم کو آنکھیں پتلیاں ہو کر

(خواجہ وزیر)

رقصِ مستی دیکھتے، جوشِ تمنا دیکھتے — سامنے لاکر تجھے اپنا تماشہ دیکھتے

(اصغر گونڈوی)

تھی نظر صرف تماشا، وہ زمانہ گزرا — اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہیے

(فانی)

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن — بہار آفرینا! گنہگار ہیں ہم

(غالب)

سایۂ دیوار :-

سرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر ہے
ہمیں ظلِّ ہُما سے سایۂ دیوار بہتر ہے
(انعام اللہ خاں یقین)

تھا اس دیوار کے سایہ میں خنداں جو گدا برسوں
وہ اپنے فرق پر ظلِّ ہُما کو دیکھ کر رویا
(راسخ)

طُوبیٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنّت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے
(سودا)

سجدے :-

سرِ نیاز نہ جبتک کسی کے در پہ جُھکا
برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی
(جگر مراد آبادی)

ترے آستانے کے سجدے ہیں باقی
ابھی سجدۂ نقشِ پا کر رہے ہیں
(بہزاد)

حریمِ کعبہ بنا دی وہ سرزمیں میں نے
ترے خیال میں رکھ دی جہاں جبیں میں نے
(علی اختر اختر)

آستاں بوسیِ دلدار نہیں قسمت میں
آہ! اک سجدہ سرِ راہ گذر ہو جائے
(اثر لکھنوی)

عشق پابندِ وفا ہے نہ کہ پابندِ رسوم
سر جھکانے کو نہیں کہتے ہیں سجدہ کرنا
(آسی اُلدنی)

ادب آموز ہے میخانے کا ذرّہ ذرّہ
سینکڑوں طرح سے آجاتا ہے سجدہ کرنا
(آسی اُلدنی)

زہے نصیب، ترے سنگِ آستاں کی قسم
جبینِ شوق کا ذرّوں نے احترام کیا!
(بہزاد)

بیخودی کا عالم ہے محوِ جبہ سائی ہوں
اب نہ سر سے مطلب ہے اور نہ آستانے سے
(اصغر گونڈوی)

قدم رکھتے نہیں ہیں وہ زمیں پر بے نیازی سے
بڑھا جاتا ہے یاں شوق سجودِ آستاں کیا کیا
(سیّد ظہیر الدین ظہیر دہلوی)

زاہد سمجھ نہ کبر، جو ہم چپ کھڑے رہے
اس آستاں کے سجدے کے قابل یہ سر نہ تھا
(شاد عظیم آبادی)

او ننگِ شوق! سجدہ گوارا ہوا تجھے
سر کاٹ کر نہ پھینک دیا سجدہ گاہ میں
(لالۂ سلم)

کوئے یار :-

زمین کوچہ جاناں سے آ رہی ہے صدا
بلندیاں نہیں مخصوص آسماں کے لئے
(نہال سیوہاروی)

ماورائے حد ہر منزل ہے شاید کوئے دوست
ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں
(فانی)

حضرتِ داغ یہ ہے کوچۂ قاتل، اٹھئے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں
(داغ)

شیخ جی! حوروں کے مسکن کی تو یہ راہ نہیں
کوچۂ یار ہے یہ، آپ کدھر جاتے ہیں؟
(محمد یوسف رنجور عظیم آبادی)

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا، کبھی اُس سے بات کرنا
(مصحفی)

جب میں چلتا ہوں ترے کوچے سے کترا کے کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے، ادھر کو چلیئے
(میر حسن)

اے داغ! دُھن بندھی ہے تجھے کوئے یار کی
کمبخت! موت ہے ترے سر پر سوار آج
(داغ)

چلا ہے اُو دلِ راحت طلب! کیا شاد ماں ہو کر
زمینِ کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر
(خواجہ وزیر)

کوچۂ یار میں تسکیں میں نے
پاؤں رکھا تھا، کہ سر یاد آیا
(میر حسین تسکیں)

یہ تو مانا دیکھ آئیں کوئے یار
پھر تمنّا اور کچھ فرمائے گی
(تسلیم لکھنوی)

دل مجھے اس گلی میں لے جا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
(میر)

ہم تو ڈرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھیجا
بارے اے بُت ترے کوچے میں خدا نے بھیجا
(آسی جونپوری)

ترے کوچے میں جُھرمٹ ہے شہیدانِ محبّت کا
یہاں تو زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے
(ماہر القادری)

گلی میں یار کی اے شاد سب مشتاق بیٹھے ہیں
خدا جانے وہاں سے حکم کس کے نام آئے گا
(شاد عظیم آبادی)

تمہارے کوچے میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں
ذرا تم آ کے لبِ بام مسکرا دینا
(ریاض خیرآبادی)

ہم بیٹھے ہیں یوں منتظر اس راہگزر میں
گویا کہ اسی شوخ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں
(قربان علی بیگ سالک)

ہم آئے ہیں تو جیتے جی پلٹ کر جا نہیں سکتے
ہماری لاش ہی نکلے تو نکلے کوئے قاتل سے
(سریر کابری)

کہتے ہیں ترے کوچے سے میر آنے کہے ہے
جب جانیں کہ وہ خانہ خراب اپنے گھر آئے
(میر)

دو چار قدم جا کے پھر آتے ہیں ہمیشہ
رہتا ہے بنا روز سفر ان کی گلی میں
(مصحفی)

کبھی تک کر در کو کھڑے رہے کبھی آہ بھر کر چلے گئے
ترے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے
(مصحفی)

یوں تو اسد کو لائے تھے اسکی گلی سے ہم
خانہ خراب راہ میں پر پھر مچل گیا
(اسد علی اسد شاہجہاں آبادی)

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
(میر)

مٹی نصیب ہو نہ سکی کوئے یار کی
آخر اٹھا دیئے گئے ان کی گلی سے ہم
(مضطر مظفر پوری)

جاتا ہے آسماں لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
(میر)

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن
بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں
(میر شبیر علی افسوس)

اب تک تری گلی میں یہ رسوائیاں نہ تھیں
اَب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا
(فانی)

پوچھا کہ پاؤں کیوں نہیں پڑتے زمین پر
بولی صبا کہ آتے ہیں اُن کی گلی سے ہم
(مضطر مظفر پوری)

بجانِ فانیِ مرحوم اب وہ بات کہاں!
تری گلی میں تو وہ خانماں خراب نہیں
(فانی)

ہنگامہ :-

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی
(غالب)

کیفیات و واردات

اُداسی :-

دل کو کیا ہو گیا خدا جانے
کیوں ہے ایسا اُداس کیا جانے
(داغ)

جان و دل ہیں اُداس سے میرے
اٹھ گیا کون پاس سے میرے
(میر حسن)

کل تک یہی دنیا سبدِ گل تھی، مگر آج
بے رونق و بے آب ہے معلوم نہیں کیوں
(اسلم)

منظر اُداس، شمع سحر پیکرِ خموش
اٹھا ہے کون گرمیِ محفل لیے ہوئے
(دل شاہجہانپوری)

تھکی تھکی سی فضائیں، بجھے بجھے تارے بڑی اداس گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
(سیف الدین سیفؔ)

آشفتہ خاطری و پریشان خاطری :-

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے، کہ شیفتہ طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذّت گناہ میں
(شیفتہؔ)

کیا ہنسے اَب کوئی اور کیا رو سکے دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
(میر حسنؔ)

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں
(فانیؔ)

جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں یہ محفل اور دَرہم اور برہم ہوتی جاتی ہے
(جگر مرادآبادی)

دل کی شگفتگی کے ساتھ راحتِ میکدہ گئی فرصتِ میکشی تو ہے، حسرتِ میکشی نہیں
(احسان دانش)

آج اچھے نہیں! الٰہی خیر! دَرد کے تیور، آہ کے انداز
(فانیؔ)

جی بہت چاہتا ہے رونے کو ہے کوئی بات آج ہونے کو
(میرؔ)

صبح سے ہے بے تابی جی کو، آہ، نہیں کچھ بھاتا ہے دیکھئے کیا ہو شام تلک، جی آج بہت گھبراتا ہے
(راسخ عظیم آبادی)

جی ڈھا جائے ہے سحر سے آج رات گزرے گی کس خرابی سے
(میرؔ)

عمر کیسے کٹے گی سیفؔ یہاں
رات کٹتی نظر نہیں آتی
(سیف الدین سیفؔ)

ہے ہر طرح سے عشق میں مٹی سحرؔ خراب
کوئے بتاں میں چین نہ کوئے بتاں سے دور
(کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

اضطراب :-

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
(شادؔ عظیم آبادی)

گو تجھ کو نہ اعتبار آئے
کافر ہو جسے قرار آئے
(مرزا ابجو فدوی)

اے برق تو ذرا تڑپی ٹھہر گئی
یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں
(امیرؔ)

اس اضطراب پہ قربان اک جہانِ سکوں
کوئی سنبھال رہا ہے تڑپ رہا ہوں میں
(دلؔ شاہجہانپوری)

ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھیگتی جاتی ہے رات
دل کی دنیا میں وہی بے چینیوں کا جوش ہے
(سحرؔ رام پوری)

وہی یورشِ شبِ تار ہے، وہی بارشِ غمِ یار ہے
کوئی فرق ہو تو بتاؤں میں، نہ قرار تھا، نہ قرار ہے
(سیمابؔ)

خیال تھا ترے پہلو میں کچھ سکوں ہوگا
مگر یہاں بھی وہی اضطراب پیہم ہے
(احمد راہی)

بھڑک اٹھی ہے کچھ اس طرح آتشِ ہستی
قرار، سایۂ دامانِ یار میں بھی نہیں
(سیف الدین سیفؔ)

صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر کی
کس نے شب مجھکو تڑپتے پیش در دکھلا دیا
(مومن)

اس تڑپنے کا مزہ مت پوچھو روشن ہائے ہائے
کیا کہیں جس وقت دل اپنا تڑپتا تھے ہے!
(بی بی روشن)

اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے
تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے
(ریاض)

اندنوں اضطراب کا اپنے کچھ اور حال ہے
وہ بھی ہمارے واسطے رہتے ہیں بے قرار کیا؟
(محمد اسمٰعیل آسی شاہ آبادی)

اُفتادگی :-

یہ اپنا حال ہے اُفتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں
(انشا)

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں ناچار بیٹھے ہیں
(انشا)

نہ کی کچھ لذتِ اُفتادگی میں اعتنا میں نے
نہ دیکھا کیا اُٹھ کر غبارِ کارواں برسوں
(اصغر گونڈوی)

ایذا طلبی و لذتِ آزار :-

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر، جفا اب رُوح پرور ہوتی جاتی ہے
(فانی)

مری خطا تھی کہ میں ناشناسِ لذتِ درد
سمجھ رہا تھا، ترا دردِ دلنواز نہیں
(علی اختر اختر)

لذت اِک گونہ چاہیئے مجھ کو
کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟
(آسی جونپوری)

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
مجھ کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر
(غالب)

بدلِ لذّتِ آزار کہاں سے لاؤں
اب تجھے اے نگہِ یار کہاں سے لاؤں
(حسرت موہانی)

درد دیا، کرم کیا، اب اسے لا دوا بنا
شیشۂ دل عطا کیا، اب اسے پاش پاش کر
(فانی)

بربادی :-

تجھ کو برباد تو ہونا تھا بہر حال خمار
ناز کر ناز کہ اس نے تجھے برباد کیا
(خمار بارہ بنکوی)

اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا
(جوش ملیح آبادی)

روئیں نہ ابھی اہلِ نظر حال پہ میرے
ہونا ہے ابھی مجھ کو خراب اور زیادہ
(اسرار الحق مجاز)

آشیاں تھا، نہ خانۂ صیاد
یونہیں یہ مشت پر رہا برباد
(عبد اللطیف تپش لاہوری)

خود اپنے ہاتھ سے چمن اپنا لٹا دیا
شرمندہ برق سے ہیں خجل آسماں سے ہم
(عبد المنان بیدل عظیم آبادی)

فراہم کر رہا ہوں اپنی بربادی کا افسانہ
جو کلیاں میں نے دیکھی تھیں وہ کلیاں دیکھتا ہوں میں
(ناطق گلاؤٹھی)

مری بربادیوں کا، ہم نشینو!
تمہیں کیا، خود مجھے بھی غم نہیں ہے
(مجاز)

بہاریں لُٹا دیں، جوانی لُٹا دی — تمہارے لئے زندگانی لُٹا دی
(جلیل مانکپوری)

خراب دہر نہ میں خود ہوا، نہ تو نے کیا — جو کچھ کیا ترے ملنے کی آرزو نے کیا
(وحی حیدر زیدی بلگرامی)

بے بسی :-

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دُور، اور شکستہ پَر — پَروانہ ہوں، چراغ سے دُور اور شکستہ پَر
(ذوق)

یہ کس مقام پہ لے آئی زندگی راہی — کہ ہر قدم پہ عجب بے بسی کا عالم ہے
(احمد راہی)

اثر کیجئے کیا، کدھر جائیے — مگر آپ ہی سے گذر جائیے
(میر محمد اثر)

چمن ہے، شاخِ گل ہے، آشیاں ہے پھر نہیں کچھ بھی — غضب ہے طائرِ آزاد کا بے بال و پَر ہونا
(اثر لکھنوی)

یاس و اُمید سے کام نہ نکلا، دل کی تمنا دل میں رہی — ترکِ تمنّا کر نہ سکے، اظہارِ تمنّا ہو نہ سکا
(فانی)

بے سرو سامانی :-

اب تک نہ خبر تھی مجھے اُجڑے ہوئے گھر کی — تم آئے تو گھر بے سرو ساماں نظر آیا!
(جوش ملیح آبادی)

مری بساط ترے آگے یار ہے موجود — دلِ شکستہ وجان نزار ہے موجود
(احسن اللہ بیاں)

تنہائی و بیکسی :-

بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا
(میر عبدالولی یا عبدالواسع عزلت سلونوی ثم بریلوی)

اب دل ہے مقام بیکسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
(داغ)

میں رو رہا ہوں جو دل کو تو بیکسی کیلئے
وگرنہ موت تو دنیا میں ہے سبھی کیلئے
(ثاقب لکھنوی)

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
(مومن)

یہ کس قیامت کی بیکسی ہے ! نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطرِ بیقرار میری، نہ دیدۂ اشکبار میرا
(فانی)

نہ کسی دوست نے پوچھا نہ کسی دشمن نے
مدتوں شہر میں اپنا یہی ساماں رہا
(تراب شیدا)

بھری دنیا میں کوئی بھی نظر آتا نہیں اپنا
ادیبؔ، اک دور ایسا بھی گزر جاتا ہے انساں پر
(ادیب مالیگانوی)

دکھاوے کے ہیں سب یہ دنیا کے میلے
بھری بزم میں ہم رہے ہیں اکیلے
(افسر میرٹھی)

تنہائیِ فراق کا عالم نہ پوچھیے
گویا کسی کے سوگ میں عالم خموش تھا
(ساغر علیگڈھی)

وہ جوشِ تنہائیِ شبِ غم، وہ ہر طرف بیکسی کا عالم
کٹی ہے آنکھوں میں رات ساری، تڑپ تڑپ کر سحر ہوئی ہے
(صفی لکھنوی)

شغلِ شبِ تنہائی کس سے کہیں ہم اپنا
دو چار گھڑی رو کر بہلاتے ہیں غم اپنا
(مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ)

اسی دل کی قسمت میں تنہائیاں تھیں
کبھی جس نے اپنا پرایا نہ جانا
(فراقؔ گورکھپوری)

اب اس بیکسی سے تو بہتر ہے مر جا
ارے زندگانی بسر کرنے والے
(عزیزؔ لکھنوی)

میں ہوں، دل ہے، تنہائی ہے
تم بھی جو ہوتے اچھا ہوتا
(فراقؔ گورکھپوری)

بیخبر انجمنِ ناز میں سونے والے
رات بھر تجھ کو پکارا مری تنہائی نے
(آسیؔ [illegible])

جمعیّتِ خاطر :-

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے ان کی پریشانی
(سوداؔ)

نہ ہو جمعیت خاطر تو گلشن بھی بیاباں ہے
کٹی ہے آشیاں میں مدتوں بے آشیاں میری
(احمدؔ سہارنپوری)

اس ہوائے دہر میں جمعیتِ خاطر کہاں
دل کو جانے دو، یہ زلفیں کیوں پریشاں ہوگئیں!
(ثاقبؔ لکھنوی)

خستہ جانی :-

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
(میرؔ)

ہم سے درد کے ماروں کی مجبوری کیا مختاری کیا
جینا اور نہ مرنا لیکن، عمر بسر کرتے جانا
(شہزاد احمد شہزادؔ)

سب گئے، دل دماغ تاب وتواں ... میں رہا ہوں، سو کیا رہا ہوں میں!
(میرؔ)

آہ، اس عاشقِ ناشاد کا جینا اے دوست! ... جس کو مرنا بھی ترے ہجر میں مشکل ہو جائے
(احسان دانش)

میں سِسکتا رہ گیا، اور مر گئے فرہاد وقیس ... کیا انہی دونوں کے حصے میں قضا تھی، میں نہ تھا
(ظفرؔ)

رُسوائیِ اضطراب

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو ... اِک تماشہ ہوا، گلہ نہ ہوا
(غالبؔ)

کیوں بھیڑ لگائی ہے مجھے دیکھ کر بیتاب ... کیا کوئی تماشا ہے تڑپنا مرے دل کا
(تسلیمؔ لکھنوی)

روکشیِ بخت :-

مرے بخت ہیں وہ روکش کہ وہ دے جو وعدہِ شب ... تو پہنچ کے تا بہ مغرب پھرے آفتاب اُلٹا
(جرأت)

بہت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے ... ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے
(آتشؔ)

آمد جو شبِ وصل کی سُن لے مرے گھر میں ... اللہ ری ضد شام سے پہلے سحر آئے
(امیرؔ مینائی)

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا ... رُخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے
(فانیؔ)

مخالف بخت ہو تو کام بن بن کر بگڑتا ہے　　سفینہ جا پڑا منجدھار میں ٹکرا کے ساحل سے
(بسمل آروی)

سوز :-

عجب نعمت ہے سوزِ عشق بھی جس کو میسر ہو　　نہ جل سکتا ہو جو دل، وہ جلا دینے کے قابل ہے
(وحشت کلکتوی)

جل گیا دل اپنی آہوں کے شرر سے لے جنوں　　یک بیک شعلہ سا بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا
(راضیہ خاتون جمیلہ عظیم آبادی)

مآلِ سوزِ غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ　　بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
(فانی)

مانا مرے جلنے سے نہ آنچ آئیگی تم پر　　لیکن مرے جلنے میں اثر کچھ بھی نہیں کیا؟
(انند نرائن ملا)

سوز و ساز :-

مثل نے، ہر استخواں میں درد کی آواز ہے　　کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے
(میر سوز)

فراغ روزِ مسرت کے ڈھونڈھنے والے　　شبوں کو محرمِ سوز و گداز کرتا جا
(جوش ملیح آبادی)

کہتے نہ تھے بیٹھ مت کڑھا کر　　دل ہو نہ گیا گداز تیرا
(میر)

شمع کی طرح کون رو جانے　　جس کے دل کو لگی ہو سو جانے
(علی اعظم خاں عاشق)

شمع رُو آپ گو ہوئے لیکن
لُطف سوز و گداز کیا جانیں!
(داغ)

سیہ بختی بدنصیبی :-

دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں
ایک رات آئی، ایک رات گئی
(جگر مرادآبادی)

کون ہمارا درد بٹائے کون ہمارا تھامے ہاتھ
ان کے نگر میں جگ مگ اپنے دیس میں رات ہی رات
(جمیل ملک)

گلیم بختِ سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
(میر درد)

سیہ بختی میں کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے
(ناسخ)

اس دلِ مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ
اِس نے جب اور جو چمن تاکا بیاباں ہوگیا
(فانی)

نسیم صبح سے مرجھایا جاتا ہوں وہ غنچہ ہوں
وہ گل ہوں میں جسے شبنم بلائے آسمانی ہے
(آتش)

وہ بے وفا کہے مجھے جس سے وفا کروں
میں بدنصیب اپنے مقدر کو کیا کروں
(بیخود دہلوی)

شکستہ پائی :-

اسی تقریب اس گلی میں رہے
منتیں ہیں شکستہ پائی کی
(میر)

غم :-

خدا کی دین ہے، جس کو نصیب ہو جائے
ہر ایک دل کو غمِ جاوداں نہیں ملتا
(اثر صہبائی)

اہلِ بازارِ محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں
(مومن)

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا اسے غمِ جاناں بنا دیا
(اصغر گونڈوی)

شادماں تھا جو ترے رنج طرب کا رسِ دل
غمِ دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا
(حسرت موہانی)

مری زندگی پہ نہ مسکرا، مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں
(شکیل بدایونی)

ہر غم کو اڑا دیا ہنسی میں
تم پیشِ نظر رہے ہو جب تک
(شہرت بخاری)

جو غمِ حبیب سے دور تھے، وہ خود اپنی آگ میں جل گئے
جو غمِ حبیب کو پا گئے وہ غموں سے ہنس کے نکل گئے
(شاعر لکھنوی)

زندگی کے غموں کو اپنا کر
ہم نے دراصل تجھ کو اپنایا
(نریش کمار شاد)

جیئے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں
(فانی)

مجھے اب زندگی بیکار سی معلوم ہوتی ہے
قیامت ہو گیا ہے نشۂ غم کا اتر جانا
(ہادی مچھلی شہری)

غم بھی گذشتنی ہے خوشی بھی گذشتنی
کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو
(فانی)

قیدِ حیات بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
(غالب)

دیکھئے اب کے غم سے جی میرا
نہ بچے گا، بچے گا، کیا ہوگا!
(میر درد)

خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے
اسی سے تارِ نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے
(لا علم)

غمِ زندگی ہے مسلسل عذاب
غمِ زندگی سے مفر بھی نہیں
(غلام ربانی تاباں)

یوں ہی فراقؔ نے عمر بسر کی
یا غمِ جاناں، یا غمِ دوراں
(فراق گورکھپوری)

سر آنکھوں پر غمِ دنیا و عقبیٰ
مگر اب دل میں گنجائش کہاں ہے
(ناطق لکھنوی)

دل کا رونا ہے دل کا ماتم ہے
اب تو ہر سانس نوحۂ غم ہے
(جوش ملیح آبادی)

بنانے والے بنا لیں ہزار افسانے
مگر مرے غمِ پنہاں کو کوئی کیا جانے
(وفا ملک پوری دربھنگوی)

غمخوار:۔

جو تو غمخوار ہو جائے تو غم کیا
زمانہ کیا زمانے کا ستم کیا
(تلوک چند محروم)

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں؟ ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں!
(غالب)

مجبوری :-

مری مجبوریاں کیا پوچھتے ہو کہ جینے کے لئے مجبور ہوں میں
(حفیظ جالندھری)

کریں کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے زمیں سخت ہے آسماں دور ہے
(میر)

غضب ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا زمیں کا سخت ہونا آسماں کا دور ہو جانا
(شاد عظیم آبادی)

زندگی ہے اپنے قبضے میں نہ اپنے بس میں موت آدمی مجبور ہے اور کس قدر مجبور ہے
(امید امیٹھوی)

مجبوریوں کا نام ہے درویش عاشقی جو کچھ دکھائے گردشِ ایام دیکھئے
(درویش میرٹھی)

اے معاذ اللہ مجبورِ وفا کی زندگی زخم کھانے چاہیئے اور مسکرانے چاہیئے!
(احسان دانش)

زمانہ ہنس رہا ہے اور میں رو بھی نہیں سکتا یہ حالت! کس قدر مجبوریوں کی زندگانی ہے
(سحر رامپوری)

ہائے اس زخمیِ شمشیر محبت کا جگر زخم کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہے
(میر)

بھی جو دل کو اٹھایا، قدم اٹھا نہ سکا غرض میں کوچۂ جاناں سے اٹھ کے جا نہ سکا
(وحشت کلکتوی)

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنّا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں ناچار بیٹھے ہیں
(انشا)

بہت ہی حوصلہ فرسا ہے ایسی مجبوری
تم آپ آ نہ سکے اور میں بلا نہ سکا
(وحشت کلکتوی)

محرومی :۔

ایک محروم چلے میرؔ ہمیں دُنیا سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ
(میرؔ)

فریاد کا سُنوا کوئی نہیں بیکس کا سہارا کوئی نہیں
کچھ دیکھ لیا اس دنیا میں کچھ حشر میں دیکھا جائیگا
(اثر لکھنوی)

مری حیات ہے محروم مدّعائے حیات
وہ رہگذر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا
(فانیؔ)

جلالؔ باغِ جہاں میں وہ عندلیب ہوں میں
چمن کو پھول ملے، مجھکو داغ بھی نہ ملا
(جلالؔ)

قسمت تو دیکھ ! ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دُور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
(قائم چاند پوری)

نکلی یا غباں کوئی کلی بھی میری قسمت کی
مرے ذوقِ نظر کا قرض ہے تیرے گلستاں پر
(جمیل مظہری)

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک !
اور تو یاں کچھ نہ تھا، ایک مگر دیکھنا
(میر درد)

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجئے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا
(غالبؔ)

شاید میں درخورِ نگہ گرم بھی نہیں
بجلی چمک رہی ہے مرے آشیاں سے دور
(فانی)

میں کس کے در پہ جا کر داد چاہوں اس تباہی کی
کہ مجھ کو دیکھ کر تم نے ہنسی بھی روک لی اپنی
(ماہر القادری)

یہ زخمِ دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے
ہم ان تلک نہ پہنچے، وہ ہم تلک نہ پہنچے
(راجہ بہادر راجہ عظیم آبادی)

ایسی قسمت کہاں کہ جام آتا
بوئے مے بھی ادھر نہیں آتی
(مضطر مظفر پوری)

چن لیے اوروں نے گلہائے مراد
رہ گئے دامن ہی پھیلانے میں ہم
(کلیم الدین احمد)

محرومیوں نے گھیر لیا ہے خیال کو
اے عشق یار تیری یہی انتہا ہے کیا؟
(حسرت موہانی)

نگاہِ یاس سے ثابت ہے سعی لا حاصل
خدا کا ذکر تو کیا بندۂ خدا نہ ملا
(یاس یگانہ)

وائے قسمت وہ بھی کہتے ہیں برا
ہم برے سب سے ہوئے جن کیلئے
(امیر مینائی)

وہ گل افشانیِ گفتار کا پیکر سالکؔ
آج کوچے سے ترے اشک فشاں گزرا ہے
(عبدالمجید سالک)

مشکل پسندی :-

چلا جاتا ہوں ہنستا، کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی دشوار ہو جائے
(اصغر گونڈوی)

مدد اے ہمتِ دشوار پسند! کام آسان ہوا جاتا ہے
(داغ)

حریفِ جادۂ دشوار بن اور مسکراتا جا کہ مشکل اصل میں بنتی ہے صرف احساسِ مشکل سے
(علی اختر اختر)

آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکوں اس کو یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے
(اصغر گونڈوی)

بھنور سے لڑو تند لہروں سے الجھو کہاں تک چلو گے کنارے کنارے
(رضا ہمدانی)

کچھ ایسی مشکلوں میں پھنسایا تھا عشق نے جی سے گذر گئے مگر آساں نہ کر سکے
(ادیب مالیگانوی)

کچھ سمجھ ہی کر ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے
(رضا علی وحشت)

ساحل کے سکوں سے کسے انکار ہے لیکن طوفان سے لڑنے میں مزہ اور ہی کچھ ہے
(آل احمد سرور)

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں ہم پر کہ آساں ہو گئیں
(غالب)

لے چل، ہاں منجدھار میں لے چل، ساحل ساحل کیا جانا میری کچھ پروا نہ کر، میں خوگر ہوں طوفانوں کا
(حفیظ جالندھری)

بوئے گل کلیوں میں رہتی تھی مگر رہ نہ سکی میں تو کانٹوں میں رہا اور پریشاں نہ ہوا
(ثاقب لکھنوی)

ناتوانی :-

ناتوانی کا بُرا ہو، غش غش پہ آنے لگے دو گھڑی دل کھول کر رونا بھی مشکل ہو گیا
(یگانہ)

پوشیدہ رازِ عشق چلا آئے تھا سو میرؔ ناطاقتی نے آج وہ پردہ اُٹھا دیا
(میرؔ)

ناتوانی کا بُرا ہو جس نے توڑے حوصلے یعنی ہم حسرت سے گردِ کارواں دیکھا کئے
(ثاقبؔ لکھنوی)

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ ناتوانی سے حریفِ دمِ افعی نہ ہوا
(غالبؔ)

ضعف رخصت نہیں دیتا افسوس سامنے ہے درِ دلدار، یہ کیا!
(داغؔ)

ضُعف سے نالہ بھی اب دل سے نہیں آسکتا دَرد لاتا ہے بہت خون جگر سے باہر
(سوداؔ)

آ گیا ضعف ہی کچھ کام، کہ تربت میں اسیرؔ ہو گئی ختم قیامت مرے اُٹھتے اُٹھتے
(اسیرؔ)

نادانی :-

زمانے بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے راز داں تک ہے
(اقبالؔ)

واقف ہے جوشِ عشق سے اپنے تمام شہر اور ہم یہ جانتے ہیں، کوئی جانتا نہیں
(جوشؔ ملیح آبادی)

وہ فسانے ہو گئے ہیں اب متاعِ خاص و عام
جو فسانے ہم سمجھتے تھے ہمیں کو یاد ہیں
(حسن نعیم)

ناز و نیاز :-

یہ سب درست کہ تم بُت بھی ہو خدا بھی ہو
مگر نیاز کے قابل یہ دل رہا بھی ہو
(شاد عظیم آبادی)

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا، اے واعظِ ناداں!
ہزاروں بن گئے کعبے، جبیں میں نے جہاں رکھ دی
(اصغر گونڈوی)

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں
(داغ)

ناکامی :-

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائیگاں ہے، وہی رائیگاں نہیں
(اصغر گونڈوی)

ناکامیوں کے بعد بھی چھوٹا نہ ہاتھ سے
کیا جانے کس خیال سے دامانِ آرزو
(دل شاہ جہاں پوری)

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
(مومن)

ہم سے پہلے بھی محبت کا یہی انجام تھا
قیس بھی ناشاد تھا، فرہاد بھی ناکام تھا
(آسی الدنی)

ناکامِ تمنّا دل اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو کیا ہوتا
(چراغ حسن حسرت)

بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی ناکامی
ترے یہ طور اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہے
(اثر)

نامُرادی :-

مدت ہوئی رسائی قسمت کو رو چکے
وہ سنگ در کہاں یہ ہماری جبیں کہاں
(ریاض)

اب تمنا تو کوئی دل میں نہیں
مگر اک اضطراب باقی ہے
(اثر صہبائی)

ویرانی :-

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
(غالب)

چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی
گھر بیابان ہوا جاتا ہے
(داغ)

نہ شبستاں ہے، نہ اب شمع شبستاں کوئی
گھر کا یہ حال ہے جیسے ہو بیاباں کوئی
(ریاض)

گئے ہیں جب سے وہ، اپنے بھی گئے، غیر بھی آئے
سب آئے بھی، گئے بھی گھر کی ویرانی نہیں جاتی
(ناطق گلاوٹھی)

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
(غالب)

ویرانیٔ حیات کا شکوہ بھی کیا کریں!
خود ہم نے کیا کیا جو کسی کا گلہ کریں
(آلِ احمد سرور)

کشتی و طوفان

بھنور :-

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

(اقبال)

تلاطم :-

لبِ جُو، کون سیر کو آیا موج منہ چُومتی ہے ساحل کا

(بیمار)

ثابت قدم رہوں کہ تلاطم کا ساتھ دوں ساحل کے رُخ تو لا نہ سکوں گا ہوا کو میں

(حفیظ جالندھری)

سہارا نہ دیتی اگر موجِ طوفاں ڈبو ہی دیا تھا ہمیں ناخدا نے

(مکین احسن کلیم)

دریا و قطرہ :-

موتی بننے سے کیا حاصل جب اپنی حقیقت ہی کھوئی قطرے کیلئے بہتر تھا یہی، قُلزم بنتا، دریا ہوتا

(جمیل مظہری)

بڑھی نہ قطرے کی وُسعت حباب سے آگے مگر دکھا تو گیا، اِک جھلک سمندر کی

(ناطق لکھنوی)

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گُم ہوا وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

(شیفتہ)

غور سے قطرہ کی جانب جو نظر کی تو کھلا ہم اسے قطرہ غلط سمجھے تھے دریا ہے یہی

(اکبر داناپوری)

قطرہ دریائے آشنائی ہے کیا تری شان کبریائی ہے
(فانی)

حباب :-

یوں حبابوں کا نہ دل توڑ خدارا اے موج! انہیں قطروں کی بدولت تو ہے دریا تیرا
(شادعظیم آبادی)

نمود و فنا ہو کے ذات میں ملنا یہ تماشا، حباب میں دیکھا
(مست)

مانندِ حباب اس جہاں میں کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
(میر حسن)

ساحل و آسودگانِ ساحل :-

موجیں ابھار کر مجھے جس سمت لے چلیں حدِّ نگاہ تک کہیں ساحل نہیں رہا
(اسلم)

نتیجے تک پہنچے کیا کیا اُمید و یاس کے نقشے تلاطم میں تھی کشتی، سامنے نظروں کی ساحل تھا
(دلؔ شاہجہانپوری)

خبردار اے سُبکسارانِ ساحل! یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے
(جگر مرادآبادی)

اے موجِ بلا! ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں
(معین احسن جذبی)

سمندر :-

یہ صدا آئی جو پہنچا کوئی ساحل کے قریب بحر جس موج کو چاہے اسے طوفاں کردے
(دلؔ شاہجہانپوری)

طوفان:-

دو تند ہواؤں پر بُنیاد ہے طوفاں کی
یا تم نہ حسیں ہوتے یا میں نہ جواں ہوتا
(آرزو لکھنوی)

گذر چکی تری کشتی ہزار طوفاں سے
ہنوز حسرتِ طوفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
(روشن صدیقی)

اسے طوفان کی شدت سے کیا آزردگی ہوگی
خدا کا نام لے کر جس نے کشتی چھوڑ دی ہوگی
(ماہر القادری)

زندگی دریائے بے ساحل ہے اور کشتی خراب
میں تو گھبرا کر دعا کرتا ہوں طوفاں کے لئے
(سیماب اکبرآبادی)

خُدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
(اقبال)

کشتی:-

دریا کا بہاؤ دیکھتا ہوں
ٹُوٹی ہوئی ناؤ دیکھتا ہوں
(لا مسلم)

ہم تو ڈبو کر کشتی کو خود ہی پار لگائیں گے
طوفاں سے گر بچ نکلی، ساحل سے ٹکرائیں گے
(ماہر القادری)

رہا اپنے سفینے کا یہ عالم بحرِ ہستی میں
کبھی ساحل سے مل جانا، کبھی کچھ دُور ہو جانا
(دل شاہجہانپوری)

جو مُنہ پھیر دیں موجِ تیز و رواں کا
کہیں ڈوبتے ہیں بھلا وہ سفینے!
(اعجاز صدیقی)

ناخدا :-

سہارا کیوں لیا تھا ناخدا کا　　خدا بھی کیوں کرے اِمداد میری

(حفیظ جالندھری)

فانی : سفینہ اب بھی نہ ڈوبے تو کیا کرے　　طوفان کو نہ دیکھ، ستم ناخدا کے دیکھ

(فانی)

احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا　　کشتی خدا پہ چھوڑ دوں، لنگر کو توڑ دوں

(ذوق)

گردشِ آسمان و لیل و نہار

اِمتدادِ زمانہ :-

عجب امتدادِ زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے　　یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوئے یار پر

(جگر مرادآبادی)

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ، نہیں دل کو اپنے قرار ہے　　کروں غم ستم کا میں کیا بیاں، مرا غم سے سینہ فگار ہے

(حسام الدین حیدر حسامی)

کبھی دن، رات رنگیں صحبتیں تھیں　　اب آنکھیں ہیں، لہو ہے، اور میں ہوں

(آزاد انصاری)

ایک دن وہ تھا کہ گلشن میں بسر ہوتی تھی　　آج دو پھول کو محتاج ہے تربت میری

(مقصود گیاوی)

جو ہاتھ اس کے بندِ قبا کھولتے تھے　　سو مشغول ہیں اب بکارِ گریباں

(میر اعلیٰ علی شاہجہاں آبادی)

سوائے رحمتِ رب کچھ نہیں ہے　　بہت کچھ تھا، مگر اب کچھ نہیں ہے
(ثاقب لکھنوی)

سمجھے نہ تھے کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا　　ہنسنے پہ اپنے آپ ہی رویا کریں گے ہم
(امید امیٹھوی)

گذر رہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں واں کے لوگ　　ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا، یہ باغ تھا
(میر سوز)

ستم زدوں پہ گراں تھی ہوا زمانے کی　　جھکی تو پھر نہ اٹھی شاخ آشیانے کی
(سیماب)

مرا سارا لہو جس کی حنا بندی میں کام آیا　　خدایا! اب وہ جنت بھی خیالی ہوتی جاتی ہے!
(آلِ احمد سرور)

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!
(آتش)

جائے آسودگی کہاں ہے آج　　جو زمیں تھی کل، آسماں ہے آج
(داغ)

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں　　جہاں بجتے ہیں نقّارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
(داغ)

وفا و مہر و محبت، صداقت و انصاف　　خبر نہیں کہ یہ باتیں ہیں کس زمانے کی
(امید امیٹھوی)

انقلاب :-

زمین جاگ رہی ہے کہ انقلاب ہے کل　　وہ رات ہے کہ کوئی ذرہ محوِ خواب نہیں
(فراق گورکھپوری)

نہ دل بدلا، نہ دل کی آرزو بدلی، نہ وہ بدلے
میں کیسے اعتبارِ انقلاب آسماں کرلوں
(تاجور نجیب آبادی)

خراب خانۂ خانہ خراب ہو نہ سکا
یہاں کوئی اثرِ انقلاب ہو نہ سکا
(ناطق گلاؤٹھی)

جب چمن میں کچھ انقلاب ہوا
اک نہ اک آشیاں خراب ہوا
(آسی الدنی)

انقلاب آیا، تو یوں آیا نگاہِ یار میں
کچھ مروّت میں اضافہ، کچھ محبت میں کمی
(فراق گورکھپوری)

بدل گئیں وہ نگاہیں، یہ حادثہ تھا اخیر
پھر اس کے بعد کوئی انقلاب ہو نہ سکا
(سیماب)

اندھیرا :-

لوگ کہتے ہیں تیرگی جس کو
روشنی کی تکان ہوتی ہے
(مہندر چند نقش)

چراغِ طور جلاؤ، بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ، بڑا اندھیرا ہے
(ساغر صدیقی)

کیا بتاؤں کیسی ظلمت تھی کہ با وصفِ شعور
تجھ سے بن لے شمعِ فردا بدگماں ہوتا رہا
(حسن نعیم)

دماغ تاریکیوں میں گم ہے، چراغِ دل رہنما نہیں ہے
اِدھر اندھیرا، اُدھر اندھیرا، کہیں کوئی اسرا نہیں ہے
(جمیل مظہری)

شبِ فرقت نظر آتے نہیں آثارِ سحر
اتنی ظلمت ہے رخِ شمع پہ بھی نور نہیں
(برق دہلوی)

یہ تیرگی تو بہر حال چھٹ ہی جائیگی
نہ راس آئی ہمیں روشنی تو کیا ہوگا
(فارغ بخاری)

وہ اندھیرے کا پجاری بھی ہے کتنا مظلوم
تو نے جھانکا ہو جسے پردۂ تاریکی سے
(جمیل مظہری)

بے کیفیِ زمانہ :-

صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال
ہائے کیا ہو گیا زمانے کو
(مومن)

اب نہیں جنت مشام، کوچۂ یار کی شمیم
نکہتِ زلف کیا ہوئی، بادِ صبا کو کیا ہوا!
(عبدالمجید سالک)

دشت میں قیس نہیں کوہ پہ فرہاد نہیں
ہے وہی عشق کی دنیا مگر آباد نہیں
(ساغر نظامی)

اَب وہ مہکی ہوئی سی رات نہیں
بات کیا ہے کہ اب وہ بات نہیں
(فضل احمد کریم فضلی)

گُل میں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا
اللہ! کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا
(فانی)

وہی محفل، وہی ساقی، وہی ساغر وہی بادہ
مگر آوازِ نوشا نوش مدھم ہوتی جاتی ہے
(جگر مرادابادی)

تب اور اب :-

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی
(غالب)

دردِ دل کہنے کی طاقت تھی کبھی — اور اب سُننے کی بھی طاقت نہیں
(شمس الدین شمسؔ منیری عظیم آبادی)

کل تو ہنس ہنس کر کر رہے تھے کلام — بات کرنے میں مجھ سے عار ہے آج
(نواب بادشاہ محل عالمؔ)

زبانِ خلق :-

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو — زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
(ذوقؔ)

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا — کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا
(آتشؔ)

زمانہ :-

زمانہ ہے کہ گذرا جا رہا ہے — یہ دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے
(جلیلؔ مانکپوری)

زمانے پر ہنسے کوئی کہ روئے — جو ہونا ہے سو ہوتا جا رہا ہے
(جلیلؔ مانکپوری)

مجھے زمانہ بُرا کہہ رہا ہے، کہنے دو — غرض ہے تم سے، زمانے کی تُم نے خوب کہی!
(جلیلؔ مانکپوری)

نہ دو قدم بھی زمانہ چلا ہمارے ساتھ — ہمیں کو ساتھ میں چلنا پڑا زمانے کے
(قدیرؔ لکھنوی)

کس مروّت سے زمانے سے ڈریں، دور رہیں — آؤ۔ اللہ نگہباں ہے۔ قریب آجاؤ
(یوسف ظفرؔ)

فکر و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا؟
(آتش)

زندگی :-

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بیہوشی ہے یہ
(اقبال)

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا
(فانی)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے!
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
(میر درد)

اک معمّہ ہے، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے، خواب ہے دیوانے کا
(فانی)

یہ روز مرّہ کے کچھ واقعاتِ شادی و غم
مرے خدا! یہی انساں کی زندگانی ہے!
(عبدالحمید عدم)

آدمی کیا ہے فقط ایک مسلسل آواز
زندگی حرف و حکایت کے سوا کچھ بھی نہیں
(ماہر القادری)

زندگی نام ہے طوفانِ حوادث کا روشؔن
ننگ ساحل ہے وہ، جسکو کوئی طوفاں نہ ملا
(روشن صدیقی)

زندگی یادِ دوست ہے، یعنی
زندگی ہے تو غم میں گذریگی!
(فانی)

کمبخت کبھی جی سے گذرنے نہیں دیتی
جینے کی تمنا مجھے مرنے نہیں دیتی
(نوح ناروی)

قدم قدم پہ مصیبت، نفس نفس زحمت
مگر بشر ہے کہ مرتا ہے زندگی کے لئے
(لا اعلم)

متاعِ زندگی کے دینے والے! یہ تو سمجھا دے
کہ اتنا بوجھ سر پر رکھ کے لیجانا کہاں ہوگا؟
(آسی الدنی)

ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزام زندگی!
بے مہر کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا
(فانی)

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
(ذوق)

رابطۂ جسم و جاں، دیکھئے کب تک رہے
زیست کا ہم پر گماں دیکھئے کب تک رہے
(فانی)

عبادت کی لذت نہ جی بھر کے پینا
یہ کیا زندگی ہے، نہ مرنا نہ جینا
(حفیظ جالندھری)

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا، میں باز آیا
(شاد عظیم آبادی)

ابھی باقی ہے میعادِ مصیبت
ابھی کچھ اور جینا چاہتا ہوں
(حفیظ جالندھری)

حشر آئے گا نہ جانے کب تک
زندگی اور بھی رسوا ہوگی
(علی اختر اختر)

فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
(سودا)

تنکے کی طرح سیلِ حوادث لئے پھرے — طوفان لے کے آئے تھے ہم زندگی کیساتھ

(آغا شاعر دہلوی)

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست! — وہ تیری یاد میں ہو یا تجھے بھلانے میں

(فراق گورکھپوری)

کچھ دن کی اور کشمکشِ زیست ہے اثر — اچھی بُری گذرنی تھی جیسی گذر گئی

(اثر لکھنوی)

کچھ گذاری ہے غمِ عشق و محبت میں حیات — کچھ سپردِ غمِ ایّام ہوئی جاتی ہے

(نہال سیوہاروی)

شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں — کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

(مومن)

کس خرابی سے زندگی فانی! — اس جہانِ خراب میں گذری

(فانی)

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین — ایسے جینے سے اے خدا گذرا!

(میر سوز)

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی — دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

(خواجہ امین الدین امین مرشدآبادی)

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات — اب یہی روزگار ہے اپنا

(میر)

ہماری تو گذری اسی طور عمر — یہی نالہ کرنا، یہی زاریاں

(میر)

گذر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار — شبِ فراق گئی روزِ انتظار آیا
(داغ)

زندگی کا نہ کچھ مزہ پایا — کیوں ہوئے تھے جہان میں پیدا
(مرزا بچو فدوی)

صرفِ غم ہم نے زندگانی کی — واہ کیا خوب زندگانی کی!
(میر محمد اثر)

برنگِ آبلہ، اے وائے یہ کیا زندگانی ہے — کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے
(حسرت موہانی)

یہ رُکے رُکے سے آنسو، یہ گھُٹی گھُٹی سی آہیں — یونہیں کب تلک خدایا، غمِ زندگی نباہیں
(مجروح سلطانپوری)

گریباں پھاڑ کے کیدھر نکل جائیں ہم اے وحشت — ہوئی ہے زندگی ناحق گلے کا ہار کیا کیجے
(میر کلّو شاعر)

زندگی اپنی جو اس شکل سے گذری غالبؔ — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
(غالبؔ)

کوئی گریباں قریبِ تُربت ہے — زندگی پھر تری ضرورت ہے
(لائق)

عیش سے کیوں خوش ہوئے، کیوں غم سے گھبرایا کیے — زندگی کیا جانے کیا تھی اور کیا سمجھا کیے
(معین احسن جذبی)

چاندنی کس کے تبسّم کی دَر آئی ہمیں — زندگی پیار کے قابل کبھی ایسی تو نہ تھی
(آل احمد سرور)

شام :-

گداز انجم میں، اِک درماندگی کا کیف عالم میں!
فراق! ایسی کہاں ہے شامِ غم سب کے مقدر میں
(فراق گورکھپوری)

یوں تو کٹی ہیں سینکڑوں راتیں فراق کی
لیکن کچھ آج شام سے نقشہ ہی اور ہے
(شہرت بخاری)

شام ہے، آؤ لب جو بیٹھ کر دو اِک گھڑی
کچھ پیئیں، کچھ گردشِ ایام کی باتیں کریں
(عبدالمجید عادم)

سایۂ زلف نہیں، آتشِ رخسار نہیں
ہم کو ایسے سحر و شام سے کیا لینا ہے
(آل احمد سرور)

شب :-

یہ شب ہے یا شفق افشانیوں سے گھبرا کر
نگارِ شام حیا سے لٹیں گراتی ہے
(احمد ندیم قاسمی)

امشب کسی کاکل کی حکایات ہے وَ اللہ
کیا رات ہے کیا رات ہے، کیا رات ہے وَاللہ
(جرأت)

فراقِ دیکھ شبِ غم گدازِ قلبِ نجوم
چھڑا ہوا ہے سکوتِ ابد کا افسانہ
(فراق گورکھپوری)

المدد اے جمالِ خوابِ سحر!
پھر وہی بے دلی کی رات آئی
(آلِ احمد سرور)

نہیں امید کہ ہم آج کی سحر دیکھیں
یہ رات ہم پہ کڑی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ
(سیف الدین سیف)

کچھ وہی اس کو سمجھتا ہے کہ شب کیونکر کٹی
تھک کے رستے میں جو، اے شامِ غریباں! رہ گیا
(رشاد عظیم آبادی)

اس سیہ بخت کی راتیں بھی کوئی راتیں ہیں
خواب راحت بھی جسے خواب پریشاں ہو جائے
(بیدم شاہ وارثی)

وہ کون رات ہے جو قیامت کا دن نہیں
آثار صبح کہتے ہیں یہ رات بھی گئی
(مبارک عظیم آبادی)

اندھیرے میں وہ سوجھی، یہ نہ سوجھی
تری شب ہے، مری شب کچھ نہیں ہے!
(ثاقب لکھنوی)

اب دورِ آسماں ہے نہ دورِ حیات ہے
اے دردِ ہجر تو ہی بتا، کتنی رات ہے
(فراق گورکھپوری)

عرصۂ ظلمتِ حیات کٹے
ہمنشیں! مسکرا، کہ رات کٹے
(جعفر طاہر)

تاریکیاں چمک گئیں آوازِ درد سے
میری غزل سے رات کی زلفیں سنور گئیں
(فراق گورکھپوری)

اِن دنوں رات اسی فکر میں کٹتی ہے حسن
صبح کب ہووے کہ پھر یار کے گھر کو چلیے
(میر حسن)

صبح :-

نہ چاند تاروں کی انجمن سے وفا کا پیمان کر کے بیٹھیں
یہ کہہ دو شب کے پجاریوں سے کہ دو گھڑی میں سحر بھی ہو گی
(اجتبیٰ حسین رضوی)

رکی رکی سی شبِ مرگ ختم پر آئی
وہ پو پھٹی، وہ نئی زندگی نظر آئی
(فراق گورکھپوری)

میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
جگا کے چھوڑ گئے، قافلے سحر کے مجھے
(ناصر کاظمی)

سرور آؤ، نئی صبح کو گلے سے لگائیں
اگرچہ پہلے نئی مشکلات آئی ہے
(آلِ احمد سرور)

فرصتِ غنیمت:-

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
(میر درد)

یہ صحبت، یہ جلسے یہ عالم کہاں!
خدا جانے کل تم کہاں، ہم کہاں
(لاعلم)

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے
(لاعلم)

آ بیٹھو، تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم
پھر دیکھئے، اک دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم
(محمد اشرف مرشد آبادی)

دم غنیمت ہے شب وصل، کوئی دم ہنس لے
وقت رخصت کی تو فاروی یہ غضب ہو گی صبح
(مرزا ابجو فاروی)

ساقی! ہے اِک تبسّمِ گُل فرصتِ بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سی بھر کہیں
(سودا)

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں
(انشا)

تماشائے عالم کی فرصت ہے کس کو
غنیمت ہے بس اِک نظر دیکھ لینا
(داغ)

جو دم ہے سو ہے بسا غنیمت — سارا سودا ہے جیتے جی کا

(داغ)

لپٹ کر چوم لے پھولوں کو بلبل — چمن میں پھر بہار آئے نہ آئے

(اثر صہبائی)

پھر وہی کنجِ قفس، پھر وہی صیاد کا گھر — چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

(آنند)

گذر جائیگی :-

مئے ہو ساغر میں کہ خوں، رات گذر جائے گی — دل کو غم ہو کہ سکوں، رات گذر جائے گی

(عابد علی عابد)

جہاں وہ عیش کی راتیں گذر گئیں درویش — وہاں یہ رنج کے دن بھی گذر ہی جائیں گے

(درویش میرٹھی)

گردشِ آسمان :-

بات جب گردشِ ایام تک آ جاتی ہے — خود بہ خود بڑھ کے ترے نام تک آ جاتی ہے

(ارتضیٰ حسین ہوش عظیم آبادی)

کیوں شکوہ سنج گردشِ لیل و نہار ہوں — اک تازہ زندگی ہے ہر اک انقلاب میں

(اصغر گونڈوی)

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا

(غالب)

ساقیا! جام عطا ہو کوئی ایسا مجھ کو — گردشِ شام و سحر پھر خللِ انداز نہ ہو

(اثر صہبائی)

اس کو سمجھے کہ نہ سمجھے، لیکن گردشِ دہر! تجھے جان گئے
(زہرہ نگاہ)

راہ پر لا نہ سکی گردشِ ایام مجھے جھوٹ کہتا ہوں تو منزل پہ نہ ہو شام مجھے
(نجم آفندی اکبرآبادی)

گلۂ حیات و زمانہ :-

ان کو اسیرِ او رغمِ دوراں کے شکوہ سنج! کیا ہوگا بزمِ ناز میں گر یہ خبر گئی!!
(آل احمد سرور)

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
(میر درد)

آئے تھے کیوں عدم سے، کیا کر چلے جہاں میں یہ مرگ و زیست دونوں آپس میں ہنستیاں ہیں
(میر فتح علی شیدا شمس آبادی)

شمع کی مانند ہم اس بزم میں چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
(میر درد)

کاوشِ صیاد، جورِ باغباں، خارِ خزاں کیسے کیسے داغ لیکر اس چمن سے جائینگے
(تسلیم لکھنوی)

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے
(میر انیس)

اِن نئی بہاروں پر، اِن نئے نظاروں پر ایک رند ہی کیا ہیں، رو رہے ہیں میخانے
(زہرہ نگاہ)

وَقت :-

وقت کی سعیِ مسلسل کارگر ہوتی گئی
زندگی لحظہ بہ لحظہ مختصر ہوتی گئی
(مجازؔ)

صدا عیشِ دَوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
(میر حسنؔ)

اُن کا ذکر، اُن کی تمنا، اُن کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل
(شکیلؔ بدایونی)

گُل و فصلِ گُل

ابر :-

ہے روشنی قفس میں، مگر سوجھتا نہیں
ابرِ سیاہ جانبِ کہسار دیکھ کر
(ثاقبؔ لکھنوی)

اُف یہ گھنگھور گھٹائیں، یہ اُمنگیں دل کی
ہائے یہ جوشِ جوانی، یہ تقاضائے بہار
(ناصریؔ)

باغوں پہ جھوم جھوم کے بادل نہیں اٹھے
گیسو بکھر رہے ہیں عروسِ بہار کے
(اخترؔ شیرانی)

اٹھی وہ گھٹا، رنگ سامانیاں کر
گہر پاشیاں کر، زر افشانیاں کر
(جوشؔ ملیح آبادی)

گھٹا اٹھی ہے کالی، اور کالی ہوتی جاتی ہے
صراحی جو بھری جاتی ہے، خالی ہوتی جاتی ہے
(مبارکؔ عظیم آبادی)

کیا بلا جھوم کے گھنگھور گھٹا آئی ہے
ہائے اس وقت مرا گیسوؤں والا نہ ہوا !
(امیرؔ مینائی)

شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
(محسن کاکوروی)

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح پہ ابرِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیلِ مست بے زنجیر
(ذوقؔ)

حدیثِ بادہ و ساقی نہیں تو کس مصرف
خرامِ ابرِ سرِ کوہسار کا موسم
(فیض احمد فیضؔ)

کون بھلا روتا پھرتا ہے آدھی آدھی راتوں کو
اس بادل کے پردے میں بھی کوئی دل والا ہوگا
(افسرؔ میرٹھی)

ابرِ نیساں! یہ تنک بخشیِ شبنم کب تک
میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی
(اقبالؔ)

باغ :۔

خاکِ چمن میں شبنم و گل کا عجب ہے رنگ
ساغر کسی سے چھوٹ پڑا ہے شراب کا
(جلیل مانکپوری)

روتی ہے شبنم، کلی دل تنگ ہے، گل سینہ چاک
کیا اسی مجموعۂ غم کا گلستاں نام ہے!
(آسی الدنی)

صیّاد تیرا گھر مجھے جنت سہی مگر
جنّت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی
(ریاضؔ خیرآبادی)

حیات فکرِ نشیمن میں کاٹنے والو!
چمن کا کیا کوئی حق اہلِ آشیاں پہ نہیں؟
(آنند نرائن مُلّا)

کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے
آشیاں تھا مرا یہاں پر سال
(میرؔ)

دامِ صیاد میں اب آ کے کھلی ہیں آنکھیں — میں تو گلشن کو سمجھتا رہا گلشن اپنا!
(اثر صہبائی)

چھپ کر ہوا کے جھونکوں میں آتی ہیں بجلیاں — ناطق! چمن یہ رہنے کے قابل نہیں رہا
(ناطق لکھنوی)

پتے پتے سے نہ اُبلے خوں تو مجرم جاننا — ذبح میں ہو لوں تو پھر رنگِ گلستاں دیکھنا!
(ثاقب لکھنوی)

ہم لئے پھرتے ہیں آنکھوں میں چمن، اے باغباں — جس طرف اٹھی نگاہِ شوق گلشن ہو گیا
(ثاقب لکھنوی)

باغباں :-

ہمنوا سب اپنا اپنا آشیاں دیکھا کئے — اور ہم طرزِ جفائے باغباں دیکھا کئے
(ثاقب لکھنوی)

شکایت کیا تری اے باغباں! قسمت کی خوبی ہے — اسی ڈالی کو کاٹا جس پہ میرا آشیانہ تھا
(بیتاب عظیم آبادی)

زور ہی کیا تھا، جفائے باغباں دیکھا کئے — آشیاں اُجڑا کیا، ہم ناتواں دیکھا کئے
(صفی لکھنوی)

برگ :-

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے — جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
(ثاقب لکھنوی)

برسات :-

ہوائے برشگالی ہے ہوس خیز — کرے کوئی کہاں تک مئے سے پرہیز
(حسرت موہانی)

مینھ برسے ہے کس لُطف سے اور جام تہی ہے
ساقی! تری سرکار میں انصاف یہی ہے!!
(علامہ نصیرالدین نصیر)

یہ بھیگی رات اور یہ برسات کی ہوائیں
جتنا بھلا رہا ہوں وہ یاد آ رہے ہیں
(اثر لکھنوی)

ساون کی رین اندھیری تنہائیوں کا عالم
بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں
(جگر مرادآبادی)

پی تو لیتا ہوں، مگر پینے کی وہ باتیں گئیں
وہ جوانی، وہ سیہ مستی، وہ برساتیں گئیں
(حفیظ جالندھری)

گئی برسات گذرا سال یہ بھی آہ و شیون میں
خبر ہمکو نہیں بادل کہاں آیا کہاں برسا
(شیخ امداد علی بحر)

ایکے بھی تم دور رہے
ایکے بھی برسات چلی
(خاطر غزنوی)

گھر ٹپکتا ہے، اور اُس پر گھر میں وہ مہمان ہیں
پانی پانی ہو رہی ہے آبرو برسات میں
(مضطر مظفر پوری)

بہار :-

اے جنوں خیزیٔ تصوّرِ گل
فصلِ گل آئیگی تو کیا ہوگا
(مضطر مظفر پوری)

دیکھئے کیا گُل کھلاتی ہے بہار ایکے برس
خواب میں دیکھا ہے فانیؔ نے قفس کا در کھُلا
(فانی)

لچک ہے شاخوں میں جُنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں
(امیر مینائی)

روشن کئے چراغِ لحد لالہ زار نے
اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے
(ریاض خیرآبادی)

اللہ! اس طرح کی جنوں آفریں بہار
جوشِ بہار تھا کہ قیامت چمن میں تھی
(ریاض خیرآبادی)

دولہن بنی ہوئی ابکے چمن میں آئی ہے
بہار ہو کے تری انجمن میں آئی ہے
(آثر لکھنوی)

ہلتی نہیں ہوا سے چمن میں یہ ڈالیاں
مُنہ چُومتے ہیں پھُول عروسِ بہار کے
(امیر مینائی)

مئے ہے، گلزار ہے، ساقی ہے، گھٹا چھائی ہے
کہہ دو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے
(قمر جان مشتری لکھنوی)

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب
بس ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھائیے
(آتش)

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام
(فیض احمد فیض)

جوشِ شباب، نشّۂ صہبا، ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو
(اصغر گونڈوی)

پھر وحشیوں کو شوق ہوا کوہسار کا
شاید اسی کو کہتے ہیں موسم بہار کا
(افسر میرٹھی)

شجر شجر نگراں ہے، کلی کلی بیدار
نہ جانے کس کی نگاہوں کو ڈھونڈھتی ہے بہار
(صوفی تبسم)

جو پھول آتا ہے گلشن میں گریباں چاک آتا ہے
بہار رنگ و بو میں خون دیوانوں کا شامل ہے
(آسی الدنی)

نہ گل کھلے ہیں، نہ ان سے ملے نہ مَے پی ہے
عجیب طرح سے اب کے بہار گزری ہے
(فیض احمد فیض)

ہم اور سیرِ لالہ و گل ہجرِ یار میں
کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں
(شاد عظیم آبادی)

تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم
آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا
(فانی)

ہو نہ ہو، یہ تذکرہ ہے فصلِ گل کا اے رفیق
کہہ رہی ہے چپکے چپکے پاؤں سے زنجیر کچھ
(حسن نعیم)

نہ جانے چپکے سے کیا کہہ دیا بہاروں نے
کہ دامنوں کو رفو کر رہے ہیں سودائی
(اختر پیامی)

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا
(حسرت موہانی)

بہاریں کے محبت نے جب پیام دیئے
نسیم صبح نے پھولوں کے ہونٹ چوم لئے
(ماہر القادری)

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں، کیا مفت جاتی ہے بہار
(مرزا شمس الدین مظہر جان جاناں)

دل کو رضا، بہار کا خوگر بنا دیا
ہم سادہ دل مزاج نہ سمجھے بہار کا
(رضا نقوی)

حسرتِ بہار :-

اُنھی مت کسو کے پیش رنجِ انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے
(مرزا شمس الدین جانِ جاناں مظہرؔ)

نہ دے بشارتِ بادِ بہار اے صیّاد!
چمن سے کیا انہیں جو بال و پَر نہیں رکھتے
(ناجورؔ)

تجھے عندلیب نالاں، ہو نجات گر قفس سے
مرا تذکرہ بھی کرنا جو کبھی بہار آئے
(شادؔ عظیم آبادی)

بہار آنے سے پہلے اِک پریشاں خواب دیکھا تھا
کہ جیسے چھُوٹ رہا ہے فصلِ گل میں آشیاں ہم سے
(محمد حسین احقرؔ موہانی)

ہوئی مدّت کہ چمن چھُوٹ گیا
اب ہمیں کیا جو بہار آئی ہے
(جلیلؔ مانک پوری)

خزاں :-

ابھی سے ویرانہ پن عیاں ہے، ابھی سے وحشت برس رہی ہے
ابھی تو سنتا ہوں کچھ دنوں تک بہار اے آسماں رہے گی
(شادؔ عظیم آبادی)

خبر اتنی تو ہے، جھونکے ترے بادِ خزاں پہنچے
خدا معلوم تنکے آشیانے کے کہاں پہنچے
(مبارکؔ عظیم آبادی)

ویراں ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک
چاہیں کہ جل مریں تو کوئی خار و خس نہیں
(سید محمد باقر حزیںؔ)

سدھارے گُل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بُلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنا
(عزلتؔ سلونوی رائے بریلوی)

شاخوں سے برگِ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں
زیور اتر رہا ہے عروسِ بہار کا
(امیر مینائی)

پھولا ہی پھلا چھوڑ کر اٹھ جاؤں چمن کو
اللہ دکھائے مجھے عالم نہ خزاں کا
(رند)

خزاں و بہار :-

کیا رنگِ انتقامِ خزاں کا ہو دیکھئے
ڈرنے لگے ہیں جوشِ بہارِ چمن سے ہم
(وحشت)

خزاں کا شکوہ کریں کیا کہ ہم بہار میں بھی
ہلاکِ جلوۂ رنگینیٔ بہار رہے
(وحشت)

خزاں کیا ہے، بہارِ بوستانِ آفرینش کیا
فقط اک انقلابِ دورِ ہست و بود ہوتا ہے
(آزاد عظیم آبادی)

یہ دل کی تازگی ہے وہ دل کی فسردگی
اس گلشنِ جہاں کی خزاں کیا، بہار کیا!
(چکبست)

ہر خزاں کے غبار میں ہم نے
کاروانِ بہار دیکھا ہے
(افسر میرٹھی)

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے
(میر حسن)

خزاں کے ساتھ بہت دور مجھ کو جانا ہے
نہ انتظار کر، اے محفلِ بہار مرا
(روش صدیقی)

ادھر تو دیکھوں ہوں منہ اپنا اور ادھر رخِ یار
بیاں یہ طرفہ خزان و بہار ہے موجود
(احسن اللہ بیاں)

رُسوائی بہار :-

مآلِ زیست سے گھبرا کے کر نہ خونِ شباب
خزاں کے خوف سے رُسوائیٔ بہار نہ کر
(آنند نرائن مُلّا)

دیکھ لو اہلِ چمن رسوائیٔ فصلِ بہار
کون سا گُل ہے کہ جس پر قطرۂ شبنم نہیں
(ناطق گلاؤٹھی)

رُودادِ چمن :-

رُودادِ چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا
(اصغر گونڈوی)

سیرِ باغ :-

رخصتِ سیرِ باغ ہمیں نہ ملی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس
(ببر)

نہ سیرِ باغ، نہ مِلنا، نہ میٹھی باتیں ہیں
یہ دن بہار کے اے جانِ! مُفت جاتے ہیں
(محمد شاکر ناجی)

میں نہ آتا تھا باغ میں تجھ بِن
مجھ کو بلبل پکار لائی ہے
(میر)

شبنم :-

یہ ذوقِ سیر، یہ دیدارِ جلوۂ خورشید!
بلا سے قطرۂ شبنم کی زندگی کم ہے
(اصغر گونڈوی)

چمن میں کون ہے پُرسانِ حالِ شبنم کا
غریب روئی تو غنچوں کو بھی ہنسی آئی
(عرش ملسیانی)

چمن میں گریۂ شبنم غلط سہی، لیکن سوال یہ ہے کہ پھولوں کو کیوں ہنسی آئی
(احسان دانش)

غنچہ:-

یہ کون زیرِ زمیں اس کو گدگداتا ہے کہ مسکراتی ہوئی ہر کلی نکلتی ہے!
(جلیل مانک پوری)

لو ہم بتائیں غنچہ و گُل میں ہے فرق کیا اک بات ہے کہی ہوئی اِک بے کہی ہوئی
(آغا شاعر دہلوی)

بہار لائی ہے پیغام انقلاب بہار سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو
(فانی)

یہاں نہ نشو و نما کا حاصل، نہ کوئی ثمرہ ہے رنگ و بُو کا
ہنسوگے تم اس چمن پہ غنچو! زمانہ آلے ذرا نمُو کا
(شاد عظیم آبادی)

ہزار افسوس ہے اے غنچہ کہ تو نے دہن پایا، مگر گویا نہ پایا
(نواب امداد امام اثر نوروی عظیم آبادی)

جس کو پامال کیا بادِ حوادث تو نے یہی غنچہ کبھی کھلتا تو گلستاں ہوتا
(جوہر)

پھول بننے کی خوشی میں مسکراتی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیّر موت کا پیغام ہے
(سراج لکھنوی)

ہزار غنچوں نے چاہا الگ تھلگ رہنا جو کوئی شوخ کرن، آپ ہی اُلجھ جائے!!
(آدا جعفری بدایونی)

گُل و آتش گُل :-

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی　　کہ ڈھونڈھتا ہوں تو اب آشیاں نہیں ملتا
(ریاض)

میں نے آنکھوں سے لے لیا اس کو　　پھول جو دستِ باغباں سے گرا
(مہر سخن خلیق)

گُل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے　　شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے
(ریاض)

یوں بندِ قبا کھُل گئے جو آن میں گُل کے　　کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گُل کے
(میر جیون قرباں)

وہ شاخِ گل پہ رہیں یا کسی کی میّت پر　　چمن کے پھول تو عادی ہیں مُسکرانے کے
(تقدیر)

غنچوں کے مُسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول　　اپنا کرو خیال، ہماری تو کٹ گئی
(شاد عظیم آبادی)

جو گُل تھے، قبر انھوں نے سنواری غریب کی　　جو رنگ گُل تھے، زینتِ دستار ہو گئے
(آنند نرائن ملّا)

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑیں گے　　تو گُل کبھی نہ تمنّائے رنگ و بُو کرتے
(ذوق)

صد حیف! وہ گُل ہو کفِ گلچیں میں جو اب تک　　آزردۂ آویزشِ شبنم نہ ہوا تھا
(فانی)

وہ میری طرف بڑھا دے گلچیں　　جن پھولوں میں رنگ ہے نہ بُو ہے
(جگر مرادآبادی)

فسردہ ہوتے ہوئے ڈالیوں پہ پھولوں کو — خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، اور خزاں ہی نہیں!
(آنند نرائن ملّا)

ان گلوں سے تو کانٹے ہی اچھے — جن سے ہوتی ہو توہینِ گلشن
(فنا کانپوری)

چمن میں آتشِ رخسارِ گُل سے آگ لگی — نہ آشیانۂ بُلبُل بچا، نہ دام رہا
(امر ناتھ ساحر)

اب تو گھر جلنے لگا، نوبت یہاں تک آ گئی — بڑھتے بڑھتے آتشِ گل آشیاں تک آ گئی
(مخمور دہلوی)

کہاں تک تابِ نازِ برق، اے کاش! — جلا دے آتشِ گل آشیاں کو
(مومن)

بھڑک کر آتشِ گل تو ہی اب لگا دے آگ — کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا
(فانی)

گل و بلبل کی صحبت ہجر میں دیکھی نہیں جاتی — چمن کو پھونک دیتی کاش گرمی آتشِ گل کی
(حفیظ جونپوری)

گلچیں :-

چمن پہ غارتِ گلچیں سے جانے کیا گذری — قفس سے آج صبا بیقرار گذری ہے
(فیض احمد فیض)

صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے — چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا!
(سودا)

ارے کھلے ہوئے پھولوں کو توڑنے والے! — چمن میں کوئی نہیں دردآشنائے بہار؟!
(عزیز لکھنوی)

گلچیں برا کیا جو یہ تنکے جلا دیئے
تھا آشیاں، مگر ترے پھولوں سے دور تھا
(ثاقب لکھنوی)

اس ایک بات سے گلچیں کا دل دھڑکتا ہے
کہ ہم صبا سے حدیثِ بہار کہتے ہیں
(اصغر سلیم)

مژدۂ بہار:-

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
(میر شبیر علی افسوس)

پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدۂ ناگاہ!
اسیر چونکتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا
(یگانہ)

نسیم و صبا:-

چلی بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا
(مصحفی)

نوخاستہ سبزے کو ہوئی جاتی ہے لغزش
مستی تری ہم بادِ صبا دیکھ رہے ہیں!!
(ریاض)

لگ گئی دامنِ گیسوئے پریشاں کی ہوا
ہوش میں آئے نسیمِ سحری مشکل ہے
(روش صدیقی)

دامن جو چھو لیا ہے کسی گلعذار کا
ملتا نہیں دماغ نسیمِ بہار کا
(امیر مینائی)

گلوں کی خون شدگی سے سراغ ملتا ہے
کہیں چمن سے نسیمِ بہار گذری ہے
(عابد علی عابد)

موجِ نسیم آج ہے آلودہ گرد سے — دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا
(سودا)

یوں صبا پاس سے گزرتی ہے — جیسے کہدی کسی نے پیار کی بات!
(فیض احمد فیض)

سچ پوچھیے تو نالۂ بلبل ہے بے خطا — گلشن میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے
(جلیل مانکپوری)

نسیم صبح ٹھہری ہے نہ گلشن میں نہ صحرا میں — غرض لذّت ذوقِ سفر معلوم ہوتی ہے
(آل احمد سرور)

نکہت :-

اربابِ چمن سے نہیں پوچھو یہ چمن سے — کہتے ہیں کسے نکہت برباد کا عالم
(جگر مرادآبادی)

جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل — شکستِ رنگ کی جھنکار بھی ہے
(جگر مرادآبادی)

بہار آئی، چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے — مبارک نکہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا
(فانی)

اِک ذرا ذوقِ تجسّس میں بڑھایا تھا قدم — نکہتِ گل کو پھر آغوشِ گلستاں نہ ملا
(روش صدیقی)

رفتۂ بوئے گلِ داغِ جگر ہیں ہم تو — نکہتِ گل سے دماغ اپنا معطّر نہ ہوا
(راسخ عظیم آبادی)

ودائِ بہار:۔

کس کس مزے سے دھوم مچاتی تھی نت کے سال
جاتی ہے یوں بہار حزیں، ہائے بس نہیں!
(میر محمد باقر حزیں)

شورِ سنکر ہمنواؤں کا اُبلتا ہے یہ دل
رخصتِ یک نالہ اے صیّاد! جاتی ہے بہار
(سودا)

سُنتے ہیں فصلِ گُل تو چمن سے گزر گئی
اے عندلیب! تو نہ قفس بیچ مر گئی!
(اشرف علی خاں فغاں)

مری بلا کو ہو جاتی ہوئی بہار کا غم
بہت لٹائی ہیں ایسی جوانیاں میں نے!!
(علی اختر اختر)

یادِ بہار:۔

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا، سمجھے کہ بہار آئی
(فانی)

کیا بات ہے اے اہلِ قفس! رنگِ چمن کی
ہم نے بھی کسی وقت میں دیکھی ہیں بہاریں
(آسی الدنی)

ماہ و انجم و آسمان

آسمان:۔

میں کسی سرزمیں کا قصد کروں
آسماں ساتھ ساتھ چلتا ہے
(جلیل مانکپوری)

ترے جَورِ نہاں کو کیا کوئی سمجھے فقط آسماں، آسماں ہو رہا ہے
(داغ)

آفتاب :-

نہ جانے کتنی شمعیں گل ہوئیں، کتنے بجھے تارے تب اِک خورشید اِتراتا ہوا بالائے بام آیا
(آنند نرائن مُلاّ)

جَلوہ ترے حُسن کا کہاں ہے! یوں کہنے کو آفتاب، ہاں، ہے!!
(خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی)

آتا ہے صُبح اٹھ کر تیری برابری کو کیا دن لگے ہیں دیکھو، خورشید خاوری کو
(سراج الدین آرزو)

جورِ آسماں :-

کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں آسماں کے ستم اٹھانے کو
(مومن)

آسماں سے کبھی دیکھی نہ گئی اپنی خوشی اب یہ حالت ہے کہ ہم ہنستے ہوئے ڈرتے ہیں
(اختر انصاری)

ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کردے چرخ مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا
(مومن)

کون اس طرز جفائے آسماں کی داد دے باغ سارا پھونک ڈالا آشیاں رہنے دیا
(ادیب سہارنپوری)

دیر ہوئی کہ آسمان بر سرِ اختلاف ہے ایک مجھی پہ ہے عتاب سب کی خطا معاف ہے
(ثاقب لکھنوی)

یکوں فلک! انتہا ہوئی کہ نہیں! ایک دَم رہ گیا ہے اب دَمساز
(فانی)

کس نظر سے آشیاں کو آسماں دیکھا کیا اور تو اے چارہ سازِ بیکساں! دیکھا کیا
(افسر میرٹھی)

جورِ افلاک کی شرکت کی ضرورت کیا ہے آپ کافی ہیں زمانے کو ستانے کے لئے
(صفدر مرزا پوری)

چاند:-

ہاں مہ نَو! سُنیں ہم اس کا نام جس کو تو جُھک کے کر رہا ہے سلام
(غالب)

اے حشر دیکھنا تو، یہ ہے چودہویں کا چاند یا آسماں کے ہاتھ میں تصویر یار کی
(آغا حشر کاشمیری)

ہمیں تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی جہاں وہ ہیں، وہیں لے چاند لے جا روشنی اپنی
(لا اعلم)

چاندنی:-

ہر طرف پھیلی ہوئی ہے چاندنی ہی چاندنی جیسے وہ خود ساتھ ہیں اُن کی جوانی ساتھ ہے
(مخدوم محی الدین)

رُلاتی ہے مجھے کیوں چاندنی رات یہی اِک راز میری زندگی ہے
(عندلیب شادانی)

افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لُطف لپٹا پڑا ہے مُردہ سا گویا کفن کے ساتھ
(ذوق)

اس وقت کی اُداسی ہے دیکھنے کے قابل — جب رو رہا ہو کوئی افسردہ چاندنی میں

(ساغر نظامی)

ذرّہ :-

ہم ذرّے ہیں خاکِ رہگذر کے — دیکھیں ہمیں بام سے اُتر کے

(باقی صدیقی)

خود اپنے آپ چمکنے کی جس میں قدرت ہو — وہ ذرّہ منتظرِ فیض آفتاب نہیں

(بسمل دہلوی)

میرے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے ہو تم — ذرّے کو آفتاب بنائے ہوئے ہو تم

(آثر لکھنوی)

شفق :-

اللہ اللہ سرخیِ رنگِ فلک! کیوں اے جنوں!! — آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے؟

(فانی)

کیا جانے آنکھ مار کے کیا کہہ گئی شفق — پھولوں کی گود موجِ نسیم آ کے بھر گئی

(آثر لکھنوی)

کہکشاں :-

شب کی آغوش میں بل کھاتی ہوئی کاہکشاں — یہ کسی مانگ کی بکھری ہوئی افشاں تو نہیں!

(بلقیس رحمانی موتی ہاروی)

ماہ و انجم :-

میری ندائے درد پہ کوئی صدا نہیں — بکھرا دیئے ہیں کچھ مہ و انجم جواب میں

(اصغر گونڈوی)

یہ تو شب کو سربسجدہ ساکت و مدہوش تھے		ماہ و انجم کو تو سرگرم سفر سمجھا تھا میں
(اصغر گونڈوی)

یہ جہانِ مہ و انجم ہے تماشا مجھ کو		دشت دنیا تھا بہ اندازۂ سودا مجھ کو
(اصغر گونڈوی)

اِک تسلّی سی تھی ستاروں سے		وہ بھی اب جھلملائے جاتے ہیں
(یوسف رامپوری)

محفلِ یار

آدب :-

مری خاک بھی اڑیگی بہ ادب تری گلی میں		ترے آستاں سے اُونچا نہ مرا غبار ہوگا
(مبارک عظیم آبادی)

بہت دشوار ہے شائستہ راہِ طلب ہونا		نظر کو حد میں رکھنا، شوقِ دل کا باادب ہونا
(اکبر الٰہ ابادی)

رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں فانیؔ!		یہ اُن کی گلی ہے ترا غمخانہ نہیں ہے
(فانی)

ادب نہ وادیِ وحشت کہ مجھ سے ترک ہوئی		جُنوں میں ہوش رہا ہے برہنہ پائی کا
(کرامت علی شہیدی)

دُور بیٹھا غبارِ میرؔ اُن سے		عشق بن یہ ادب نہیں آتا
(میر)

اُدب نے دل کے تقاضے اُٹھائے ہیں کیا کیا		ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا!
(یگانہ)

ہے قطع رہِ عشق میں اے ذوقؔ ادب شرط
جوں شمع تو اب سر ہی کے بل جائے تو اچھا
(ذوقؔ)

اُن کے آتے ہی میں نے دِل کا قِصّہ چھیڑ دیا
اُلفت کے آداب مجھے آتے آتے آئیں گے
(ماہرؔ القادری)

بیگانۂ ادب کئے دیتی ہے کیا کروں
اس محوِ ناز کی نگہ آشنا مجھے
(حسرتؔ موہانی)

گر یہی ہے پاسِ آداب سکوت
کس طرح فریاد لب تک آئیگی
(تسلیمؔ لکھنوی)

اشارہ :-

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تُو ہی نے اشارہ کر دیا
(حسرتؔ موہانی)

پیامِ زیرِ لب ایسا کہ کچھ سُنا نہ گیا
اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی، رہا نہ گیا
(یگانہؔ)

اللہ رے فسوں گر تری آنکھوں کا اشارا
پھر دل نے لیا دردِ محبت کا سہارا
(فانیؔ)

بزم :-

داغؔ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے!
تیرا اللہ نگہبان! کہاں جاتا ہے!
(داغؔ)

چل اے ہمدم! ذرا سازِ طرب کی چھیڑ بھی سُن لیں
اگر دل بیٹھ جائے گا تو اُٹھ آئیں گے محفل سے
(ثاقبؔ لکھنوی)

چلے تھے ایک نظر تیری بزم دیکھ آئیں
یہاں جو آئے تو بے اختیار بیٹھ گئے
(آلِ رضا رضاؔ نیوتنوی)

یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائیگا
ہم یہ سمجھے تھے چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر
(میر نظام الدین ممنونؔ سونی پتی)

دلِ مضطر سے پُوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں
(شادؔ عظیم آبادی)

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام
(حسرتؔ موہانی)

میری طرح بھی محوِ تماشا نہ ہو کوئی
یوں ہوں کسی کی بزم میں گویا نہیں ہوں میں
(امیدؔ امیٹھوی)

اے حسین! ہم واقفِ آدابِ محفل ہیں مگر
اس قدر پیار آگیا مُنہ تیرا تکتے رہ گئے
(اثرؔ لکھنوی)

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اس محفل میں کر سکے
اُٹھا دینے کے ڈر سے سانس واں لیتے ہیں رہ رہ کر
(سوداؔ)

بات کرنی ہمیں مُشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی!
(سلطان بہادر شاہ ظفرؔ)

وہی محفل ہے، وہی رونقِ محفل، لیکن
کتنے بدلے ہوئے آداب نظر آتے ہیں
(جاں نثار اخترؔ)

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر اک کا مُنہ
طالبِ رحم کی نظروں سے گنہگار کی طرح
(سوداؔ)

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی، اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا
(آتش)

غیروں کو دیکھ بزم میں بیٹھے ہوئے تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا
(سودا)

تری محفل سے ہم آئے مگر با حالِ زار آئے
تماشا کامیاب آیا، تمنّا بے قرار آئی
(حسرت موہانی)

ممکن ہی بزم دوست میں سب کچھ مگر نعیم
شوق فضول وجرأتِ رندانہ چاہیئے
(حسن نعیم)

بزم سے اُس کی آرزو! آتے ہو تم جو شاد شاد
مژدہ ہمیں بھی دیتے جاؤ، دل جو لیا تو کیا دیا
(آرزو لکھنوی)

نکل کے جاؤں کہاں تیری انجمن کے سوا
چمن کی بو ہوں، بسوں پھر کہاں چمن کے سوا
(آغا حشر)

تری انجمن مرکزِ آرزو
تری انجمن میں گذر بھی نہیں
(غلام ربانی تاباں)

آج کل آپ سے باہر ہے نظام
اپنی محفل میں نہ بلوائیگا
(نظام رامپوری)

اٹھ کر تو آ گئے ہیں تری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں
(فیض احمد فیض)

بزم آرائی :-

شکستہ ساز چھیڑیں، اپنی آنکھیں گلفشاں کرلیں
وہ آئیں یا نہ آئیں، ہم تو بزم آرائیاں کرلیں
(معین احسن جذبی)

ممکن نہیں کہ بزمِ طرب پھر سجا سکوں
اب یہ بھی ہے بہت کہ تمہیں یاد آسکوں
(جگن ناتھ آزاد)

میں ایسی انجمن آرائیوں سے سخت نالاں ہوں
یہ کوئی بزم ہے! جو بزم آرا کو چھپا رکھے
(بیتاب عظیم آبادی)

ایک صف بیٹھی رہے چاک گریبانوں کی
کبھی اس طرح بھی آرائشِ محفل ہو جائے
(قمر صدیقی کلکتوی)

پروانہ :-

اللہ رے رودادِ بیتابیٔ پروانہ
آغاز بھی افسانہ انجام بھی افسانہ
(یوسف علی خاں یوسف رامپوری)

تو نے دیکھے ہیں اے نسیمِ سحر!
کچھ فدائی تھے شمعِ محفل کے
(فانی)

کہاں پر نارسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے
پڑے ہیں منزلِ فانوس پر بے بال و پر ہو کر
(یگانہ)

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اِک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا
(اکبر الہ آبادی)

اپنی موت، اپنی تباہی کی طرف کیا دیکھیں
کہ نگاہیں طرفِ شمع ہیں پروانوں کی
(نہال سیوہاروی)

پروانے کی ہر موت پہ اے شمع مجھکو رشک
تیرا شہیدِ ناز ترے رُو برو تو ہے
(وحشت)

بساطِ بزم اٹھی، شمع اٹھی، جام مے اٹھا
مگر سیماب ابتک لاشِ پروانہ نہیں اٹھی
(سیماب)

شمع نے لی نہ خبر سوختہ سامانوں کی
صبح تک لاش پڑی رہ گئی پروانوں کی
(محمد یٰسین اثر مظفر پوری)

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا!
یادگارِ رونق محفل تھی پَروانے کی خاک
(آسی غازیپوری)

ستم ہے یہ ذوقِ پرفشانی کہیں نہ بجھ جائے شمع محفل
کوئی پتنگوں سے جا کے کہہ دے کہ یہ ہوس ہے وفا نہیں ہے
(جمیل مظہری)

خلوت و انجمن :-

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
(غالب)

خلوت سمجھ رہا ہوں تری بزمِ ناز کو
میں کیا کروں کہ غیر مجھے سوجھتا نہیں
(بیخود دہلوی)

دَرباں :-

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے
(مومن)

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے
(غالب)

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
(غالب)

درباں سے ہوں دست و گریباں
الحمدُللہ! یہ باریابی
(حفیظ جالندھری)

شمع :-

جل جانے کا انداز کوئی شمع سے سیکھے
پروانہ ہے اور کہنے کو پروانہ نہیں ہے
(فانی)

پگھل کر دل لہو ہو ہو کے بہہ جاتا ہے آنکھوں سے
ستم ہے شمع کو جو زینتِ محفل سمجھتے ہیں
(اثر صہبائی)

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے
(وحشت کلکتوی)

تمام رات جلی ہے اسی طرح یہ شمع
عجیب رنگ سے بیگانگی نے کام کیا
(بہزاد)

اسی پہ ناز، گھڑی دو گھڑی جلی ہو گی
اسی پہ شمع ہماری برابری ہو گی!
(مبارک عظیم آبادی)

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار، یا اسے ہنس کر گذار دے
(ذوق)

اے شمع! صبح ہوتی ہے، روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے
(حکیم آغا جان عیش)

سحر ہے دور، ابھی شمع ساتھ دے کچھ اور
کہ قصۂ رُخ و گیسوئے یار باقی ہے
(بیتاب عظیم آبادی)

دیکھئے شمع کی کس رنگ میں ہوتی ہے سحر!
آج پروانوں کی کثرت نظر آتی ہے مجھے
(ماہر القادری)

کیا پتنگے کو شمع روئے میرؔ!
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش
(میرؔ)

اے شمع! یہ پروانے کو ہنس ہنس کے جلانا! کیا ہو جو تجھے بھی کوئی پروانہ بنا دے!

(سیماب)

زبانِ شمع سے روشن ہوا یہ اہلِ مجلس پر کہ یاں جو دم گزرتا ہے ترقی ہے تنزل میں

(حضور شاہ جہاں بادی)

شمع و پروانہ:-

یہ کچھ نہیں کھلا کہ جلی شمع کس لئے اتنا سنا کہ خاک میں پروانہ مل گیا

(آسی الدنی)

شمع بھی کم نہیں کچھ عشق میں پروانے سے جان دیتی ہے اگر وہ تو یہ سر دیتی ہے

(ذوق)

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی کیا پتنگے نے التماس کیا

(میر)

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پُرپیچ و تاب شمع تک تو ہم نے بھی دیکھا کہ پروانہ گیا

(نیّر)

کام آجاتی ہے ہم بزمی بھی روشن دلکی شمع ہم رنگ بنا لیتی ہے پروانے کو

(وحید الہ آبادی)

بتائے شمع سوزاں! تیرے پروانے کہاں جاتے اگر تجھ تک نہ جاتے، تیرے دیوانے کہاں جاتے!

(خورشید حسن شفق بھاگلپوری)

نکالے جانا:-

اثرؔ اٹھائے گئے آج اس کی محفل سے! ہمیں یقین تھا یہ بے بلائے جاتے ہیں

(اثر لکھنوی)

ایک چلّو میں بہت داغ بہک اُٹھتے تھے | آج سُنتے ہیں نکالے گئے میخانے سے
(داغ)

نکلنا خلد سے آدم کا سُنتے آئے تھے لیکن | بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
(لا اعلم)

خلد سے آدم نہ نکلے ہوں گے اس توقیر سے | اس نے خود اٹھ کر اٹھایا اپنی محفل سے مجھے
(جادو رامپوری)

وہ بھی کچھ کہتے ہوئے دور تک آئے پیچھے | ہم جو اس بزم سے نکلے بھی تو توقیر کے ساتھ
(نظام رامپوری)

کچھ در پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں صابر | اس بزم سے شاید کہ نکلوائے ہوئے ہیں
(مرزا قادر بخش صابر)

نکلا کسی کی بزم سے آشفتہ سر رضا | دوشِ خودی پہ لاشِ تمنا لئے ہوئے
(رضا نقوی)

نگاہِ شوق نے جس رعب کو نکالا تھا | پھر انجمن میں وہ رسوائے اعتبار آیا
(حکیم رعب)

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ | محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں
(عبدالحمید عدم)

ڈھونڈھتی ہے اضطرابِ شوق کی دنیا مجھے | آپ نے محفل سے اُٹھوا کر کہاں رکھّا مجھے!
(ناطق گلاوٹھی)

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی | سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں
(غالب)

اٹھانا بزم سے آساں نہیں ہے
اٹھوں گا فتنۂ محشر اٹھا کر

(وصی حیدر زیدی بلگرامی)

مدّعا اُمید و یاس

آرزو، تمنّا:-

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں
پھر بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
(میر)

کیا کہیے کیا رکھیں گے ہم تجھ سے یارخواہش
یک جان و صد تمنّا، یک دل ہزار خواہش
(میر)

آرزو اس بلند و بالا کی!
کیا بلا میرے سر پہ آئی ہے
(لا اعلم)

حضرت دل! آپ ہیں کس دھیان میں
مرگئے لاکھوں اسی ارمان میں
(داغ)

ہم اہلِ غم کی تمنّا ہی کیا، نگاہ تری
نہ ہو تو خیر، اگر ہو سکے تو اچھا ہے
(فراق گورکھپوری)

یہ کیا ہجومِ تمنّا ہے خیر ہو یارب
ہم اُن سے ڈرتے نہیں اپنے دل سے ڈرتے ہیں
(وحشت کلکتوی)

آرزو تیری برقرار رہے
دل کا کیا ہے رہا رہا، نہ رہا
(حسرت موہانی)

آج تک دل کی آرزو ہے وہی
پھول مرجھا گیا ہے، بُو ہے وہی
(جلیل مانکپوری)

مجھے تو نالہ و شیون سے آپ نفرت ہے
مگر جو چین سے رہنے دے آرزو تیری
(جلیل مانکپوری)

اللہ اللہ! کیا ہوا انجامِ کارِ آرزو
توبہ توبہ کس قدر ہنگامہ آرائی ہوئی!
(حفیظ جالندھری)

اس جگہ لائی ہے اب تیری تمنا مجھ کو
دیکھ سکتا ہوں میں دنیا کو، نہ دنیا مجھ کو
(قدیر لکھنوی)

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو
کیونکر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے
(اسیر)

بے لاگ کا مزہ دلِ بے مدعا کے ساتھ
تم کیا کرو کسی کو اگر آرزو نہ ہو
(داغ)

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں
(شاد عظیم آبادی)

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی
(حسرت موہانی)

اگر کچھ تھی تو بس یہ تھی تمنا آخری اپنی
کہ تم ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی
(لا اعلم)

آسرا، سہارا :-

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا
(امیر مینائی)

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا
(جگر مرادآبادی)

دل شکن ثابت ہوا، ہر آسرا میرے لئے
کوئی دُنیا میں نہیں میرے سوا، میرے لیے
(حکیم ناطق)

لے، اعتبار وعدۂ فردا نہیں رہا
اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا
(فانی)

بے سہاروں کا سہارا کچھ نہ پوچھو
سوتے ہیں ہاتھ اِک سرہانے دھر کے ہم
(آرزو لکھنوی)

اک کرن بھی تو نہیں غم کی اندھیری رات میں
کوئی جگنو، کوئی آنسو، کوئی تارا، کچھ تو ہو
(سلیم واحد سلیم)

ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنّا کے سہارے جی لیا میں نے
(ساحر لدھیانوی)

جھوٹے وعدے بھی نہیں کرتے آپ
کوئی جینے کا سہارا ہی نہیں
(جلیل مانکپوری)

دشمنِ جاں تھے تو جانِ مدّعا کیوں ہو گئے!
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے!
(فانی)

ملا ہو یا نہ ملا ہو مجھے بقدر طلب
مرے لئے یہ بہت ہے کہ آسرا نہ گیا
(رضی احمد رضی مولانگری)

اس شرمگیں نگاہ نے بھی کچھ کہا تو ہے!
جینے کا اے سرورؔ، ابھی آسرا تو ہے
(آلِ احمد سرور)

اُمید:-

الٰہی کامیابی رہنما ہو
کوئی اُمیدوارانہ چلا ہے
(آزاد انصاری)

ہوں جادۂ ناکامیٔ اُلفت میں سبک گام — شاید کہ اسی راہ سے اُمید گزر جائے

(محمد مبین نازش بدایونی)

دلِ مایوس میں ہے نقش اُمید — یا مسافر کوئی غریب دیار

(حسرت موہانی)

تھے جو ہر رنگ نازاُن کے ستم — دل کی اُمیدواریاں نہ گئیں

(حسرت موہانی)

کچھ امیدِ کرم میں گزری عمر — کچھ امیدِ کرم میں گزرے گی

(فانی)

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق! — اتنی بھی آدمی کو امید کرم نہ ہو

(فانی)

ہائے وہ جس کی امیدیں ہوں خزاں پر موقوف — شاخِ گل سوکھ کے گر جائے تو کاشانہ بنے!

(افسر میرٹھی)

اَوروں کو ہجر میں ہے سہارا امید کا — مشکل مرے لیئے ہے کہ میں پاکباز ہوں

(حکیم ناطق)

کہتے ہیں کہ اُمید پہ جیتا ہے زمانہ — وہ کیا کرے جس کو کوئی امید نہیں ہے

(آسی اُلدنی)

ترکِ اُمید بس کی بات نہیں — ورنہ امید کب بر آتی ہے

(فانی)

خلوت امید میں روشن ہو اب تک وہ چراغ — جس سے اُٹھتا ہے قریبِ شام یادوں کا دھواں

(حسن نعیم)

اُمید و بیم :-

قفس میں مجھ سے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہو جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو!
(غالبؔ)

چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اُٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو
(فانیؔ)

قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے
کہ ہر بجلی قریب آشیاں معلوم ہوتی ہے
(سیمابؔ)

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم، گھر کا راستہ نہ ملا
(یگانہؔ)

اُمید و نا امیدی کا بھرم ہونا وہی جانے
کہ جس نے کشتیوں کو ڈوبتے دیکھا ہو ساحل سے
(ثاقبؔ لکھنوی)

تکمیلِ تمنّا :-

سرِ زانو پہ ہو اُس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے ارمان نکل جائے
(زبیرؔ سوز)

اب اور اس کے سوا چاہتے ہو کیا ملّاؔ
یہ کم ہے اُس نے نہیں مسکرا کے دیکھ لیا
(آنند نرائن ملّاؔ)

ابھی تکمیلِ اُلفت پر نہ دل مغرور ہو جائے
یہ منزل وہ ہے جتنی طے ہو اتنی دُور ہو جائے
(اظہارؔ رامپوری)

توقع :-

وہاں جو ٹوٹے وعدے پہ کب ہل گیا
توقع یہاں کس قدر ہو گئی
(داغؔ)

بیقراری تھی سب اُمید ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں
(حالی)

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب — کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
(غالب)

کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے — کس توقع پہ دِل لگائے تھے
(میر)

میں نے بیہودہ توقع کی سزا پائی ہے — کچھ خیال آپ مری حسرت دل کا نہ کریں
(وحشت)

حسرت و ارماں :-

ہائے کیا شئے ہے وہ اک حسرتِ روپوش روش — جو کبھی درد بنے اور کبھی دل ہو جائے
(روش صدیقی)

اے دوست! یوں تو ہم تری حسرت کو جو کہیں — لیکن یہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں
(فراق گورکھپوری)

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کٹتی — اگر ہوتا چمن اپنا، گُل اپنا، باغباں اپنا
(علی)

آتا ہے داغ حسرتِ دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ
(غالب)

حسرتیں دل میں رہ گئیں سالک — آگئی عمر پارسائی کی
(سالک دہلوی)

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے — بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
(غالب)

حسرتِ دل کو مرے سمجھے وہی خستہ جسے
یار نے آ کے دمِ باز پسیں دیکھا ہے
(شیخ قیام الدین قائم)

ارزو وصل کی رکھتی ہے پریشاں کیا کیا
کیا بتاؤں کہ مرے دل میں ہے ارماں کیا کیا
(اختر شیرانی)

یسی جنس فراہم کر لی جس کا گاہک کوئی نہیں
ڈھوئے ڈھوئے پھرتا ہوں اب پشتارہ ارمانوں کا
(حفیظ جالندھری)

گیا کوئی عدم کو دلِ شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لیکر
(مصحفی)

مدّعا :-

کیا کہوں تم سے مدّعا کیا ہے !
کاش میں خود ہی جانتا کیا ہے
(حسرت موہانی)

جب کہا اس نے مدّعا کہیئے
سوچتا رہ گیا کہ کیا کہیئے
(آثر لکھنوی)

لب کریں بھی تو کیا شے طلب کریں اے شاد
ہمیں تو آپ نہیں اپنا مدّعا معلوم
(شاد عظیم آبادی)

ہجومِ شوق میں اب کیا کہوں میں کیا نہ کہوں
مجھے تو خود ہی نہیں اپنا مدعا معلوم
(اصغر گونڈوی)

ی بے چینیاں رہتی ہیں دوری ہو کہ نزدیکی
نہیں معلوم اس بیتاب دل کا مدّعا کیا ہے
(آرزو لکھنوی)

ے دلِ مدّعا طلب! وقتِ سوال بھی تو ہو
ہم کو بھی نام یاد ہے اپنے گدا نواز کا
(شاد عظیم آبادی)

ہم بھی مُنہ میں زبان رکھتے ہیں — کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

(غالب)

مرگ و شکستگی آرزو :-

آرزو کی شکستگی پہ نثار — یہ نہ پوچھو کہ آرزو کیوں کی

(پروفیسر ڈاکٹر محسن عظیم آبادی)

روز مرگِ آرزو ہے تا بہ کے غم کیجئے — تا بہ کے دستِ دعا کو وقف ماتم کیجئے

(ناسخ)

یاس :-

ہجومِ یاس سے گھبرا گیا ہوں — مجھے اے زندگی دیوانہ کر دے

(سلطان بہادر شاہ ظفر)

سنبھلنے دے مجھے اے نا امیدی کیا قیامت ہے — کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے ہم سے

(غالب)

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجومِ یاس، جی گھبرا گیا

(میر درد)

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں — اے ہجومِ نا امیدی جی بہت گھبرائے ہے

(جگر مراد آبادی)

بس ہجومِ نا اُمیدی! خاک میں مِل جائیگی — یہ جو اِک لذّت ہماری سعیِ لاحاصل میں ہے

(غالب)

کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پہ لوگ — ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

(غالب)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے
(غالب)

دیئے جلائے اُمیدوں کے دل کے گرد بہت — کسی طرف سے نہ اس گھر میں روشنی آئی
(عرش ملسیانی)

معاذ اللہ! اتنی نا اُمیدی! — کہیں گی وہ نگاہِ آشنا کیا
(وحشت)

عجب سکون کا عالم ہے یاس کا عالم — یہ دلکشی تو غمِ انتظار میں بھی نہیں!
(سیف الدین سیف)

مسرّت و آرام

آرام :-

آہ! تجھ سے کیا بتاؤں، کتنے سینے ہیں فگار — زندگی میں دو گھڑی آرام پانے کے لئے
(جوش ملیح آبادی)

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم — پھنس گئے قیدِ قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
(منشی لکھ رائے بیتاب)

جس طرح گذری ہے کل آج بھی کٹ جائیگی — اور جو آرام کی پوچھو تو نہ کل ہی تھا نہ آج
(امبدا امیٹھوی)

عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذرتی ہے
(شاہ عالم)

پہلے کچھ اور تھے ارمان مریضِ غم کے — اب تو بس ایک تمنّا ہے، کہ آرام نہ ہو
(عندلیب شادانی)

وقفۂ موت بھی غنیمت ہے — کچھ تو فی الجملہ مل گیا آرام
(فانیؔ)

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح! — وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت بیزار کہتے ہیں
(میرؔ)

کوئی سوتا ہو جیسے ڈوبتی کشتی کے تختے پر — اگر کچھ ہے تو بس اتنی ہی اس دنیا کی راحت ہے
(تلوک چند محرومؔ)

دل، اور ترے خیال سے راحت نہ پا سکے! — شاید مرے نصیب میں راحت نہیں رہی
(آزادؔ انصاری)

دل میں ہے سرمایۂ کونین راحت کے سوا — دونوں عالم ہیں مرے قبضے میں قسمت کے سوا
(ناطقؔ لکھنوی)

دُرِ اشک اور برقِ خندہ، دونوں جو وانف ہیں — وہ عیش و غم کو اک نغمے کا زیر و بم سمجھتے ہیں
(پروفیسر مسلمؔ عظیم آبادی)

مُسَرّت:-

کبھی دیکھا تھا اتنا داغؔ کو خوش! — چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے
(داغؔ)

آج کیوں حد سے سوا دل کو خوشی ہے محشرؔ — کیا بُلائے ہوئے جاتے ہو سوئے خانۂ دوست؟
(سید کاظم حسین محشرؔ لکھنوی)

خوشی تو ان کی خوشی ہے کہ جس سے سب خوش ہیں — ہمارے دل کی خوشی کیا، ہوئی ہوئی نہ ہوئی
(امیدؔ امیٹھوی)

اِک پردہ ہے غموں کا جسے کہتے ہیں خوشی — ہم تبسّم میں نہاں اشک رواں دیکھتے ہیں
(اخترؔ شیرانی)

آنسو بھر آئے، دل بھر آیا — گر نام بھی سُن لیا خوشی کا

(اکبر حسین عبرت موہانی)

جب خوشی کا خیال آتا ہے — دلِ مایوس کانپ جاتا ہے

(افسر میرٹھی)

نام سُن کر خوشی کا اے امید — رنج ہوتا ہے اب خوشی کیسی

(امید امیٹھوی)

انہیں غم کی گھٹاؤں سے خوشی کا چاند چمکے گا — اندھیری رات کے پردوں میں دن کی روشنی بھی ہے

(اختر شیرانی)

غیر فانی خوشی عطا کردی — اے غمِ دوست، تیری عمر دراز

(آزاد انصاری)

مجھے اُس نشاط سے کیا غرض جو اسیرِ پنجۂ رنج ہو — جو سکون بخش دے رُوح کو، مجھے ایسے غم کی تلاش ہے

(مسعود حسین احقر گورکھپوری)

ذکرِ مآل چھیڑ کر، اور غضب کیا ندیم — ساعتِ عیش تھی ہی کیا اور قلیل ہو گئی

(علی اختر اختر)

نہیں کچھ منحصر اس پر کہ غم سہنا نہیں آتا — مجھے اے گردشِ ایّام خوش رہنا نہیں آتا

(علی اختر اختر)

دلنوازی میں تری یاد ہے کیا کم، لیکن — دل ہی قسمت سے ملا وہ کہ کبھی شاد نہ ہو

(رعب شاہ آبادی)

دنیا کے غم کدے میں مبارک خوشی کہاں — غم کو خوشی بنا کوئی پہلو نکال کے

(مبارک عظیم آبادی)

کچھ گراں ہو چلا ہے بارِ نشاط　　آج دیکھتے ہیں حسن کے شانے
(فراقؔ گورکھپوری)

ہنسی :-

کہتا نہ تھا کہ باز آ، ہر دم کی اس ہنسی سے　　آخر گیا نہ ظالم! اک بے گناہ جی سے
(میاں محمد مائلؔ)

کیا سبب شاد ہو بشاش ہے جی آپ ہی آپ　　چلی آتی ہے مجھے آج ہنسی آپ ہی آپ
(داغؔ)

ناکامیوں پہ اپنی ہنسی آ گئی تھی آج　　سو کتنے شرمسار ہوئے بیکسی سے ہم
(حسرتؔ موہانی)

گناہِ زندہ دلی کہیئے یا دل آزاری　　کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا
(یگانہؔ)

جس طرح ہنس رہا ہوں میں پی پی کے اشکِ گرم　　یوں دوسرا ہنسے تو کلیجہ نکل پڑے
(کیفیؔ اعظمی)

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی
(غالبؔ)

خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی　　تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا یہ ہے
(حسرتؔ موہانی)

رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے ہیں ورنہ یاں　　طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
(فانیؔ)

مجھے پروا نہ تھی، رسوائیاں ہوتیں زمانے میں　　ستم تو یہ ہے تم ہنستے ہو میرے جیب و داماں پر!
(ثاقبؔ کانپوری)

مری دیوانگی پر ہنسنے والے! پوچھتا ہوں میں
اگر ہو اتفاق ایسا، کہ تو دیوانہ ہوجائے!
(بہار الجیب، عازم)

خضرِ منزل اپنا ہوں، اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے!
(یگانہ)

گریہ انجام تبسّم ہے، نہ ہنس اے غافل!
خون روئیں گے وہی زخم جو خنداں ہونگے
(نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی)

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سُبک ہے وہ جو تری طبع پر گراں نہ ہوا
(مومن)

جاں بلب حسرت میں پاتی ہے جو مجھ ناشاد کو
کیا ہنسی پھرتی ہے ان ہونٹوں پہ اتراتی ہوئی
(امیر مینائی)

مُشتِ پَر (بلبل) و صیّاد

آب و دانہ :-

جھگڑا دانے پانی کا ہے، دام و قفس کی بات نہیں
اپنے بس کی بات نہیں، صیّاد کی بس کی بات نہیں
(حفیظ جالندھری)

کل چمن میں تھا اب قفس میں ہوں
ہے کشش آب اور دانے میں
(اثر صہبائی)

دکھایا کنجِ قفس مجھ کو آب و دانہ نے
وگرنہ دام کہاں، میں کہاں، کہاں صیّاد!
(رند)

حسابِ آب و دانہ حشر میں ہوگا تو کہہ دوں گا
پیا ہے عمر بھر خونِ جگر، غم میں نے کھایا ہے
(آمانت لکھنوی)

صیّاد! اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھُپ کر اسے آب و دانہ کیا
(آتش)

اسیری و ذوقِ اسیری:-

مژدہ اے ذوقِ اسیری، کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
(غالبؔ)

کہنے کو مشتِ پَر کی اسیری تو ہے، مگر
خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا
(ثاقب لکھنوی)

گلشن بہار پر تھا، نشیمن بنا لیا
میں کیوں ہوا اسیر، مرا کیا قصور تھا
(ثاقب لکھنوی)

مری قید کا دل شکن ماجرا تھا
بہار آئی تھی، آشیاں بن چکا تھا
(ثاقب کانپوری)

تھا دامِ سخت و تنگ نہاں آشیاں کے پاس
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
(غالبؔ)

قیدِ غم بھی دل لگی ہے ہنسنے والوں کے لئے
عندلیب آکر قفس میں اِک تماشہ ہوگئی
(ثاقب لکھنوی)

کیسا چمن، کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
(میرؔ)

قید میں اتنا زمانہ ہوگیا
اب قفس بھی آشیانہ ہوگیا
(حفیظ جونپوری)

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بُود و باش اپنا
اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی آشیاں کا
(میر حسن)

خود اپنا ذوق اسیری ہے پاؤں کی زنجیر
حضور آپ کے زلفوں کے خَم کی بات نہیں
(جوش ملیح آبادی)

بڑھا ذوقِ اسیری جب انھوں نے
کہا، کہہ دو کہ یہ اب سے رہا ہیں
(محمد زکریا خاں زکی)

خانہ ویران مجھے کتنا تھا ہر اک لے ناسخ
اب تو آباد ہوا خانہ زنداں مجھ سے!
(ناسخ)

اس گرفتاری پہ اپنی میں نثار
لو وہ کرتے ہیں نگہبانی مری
(داغ)

تو گرفتار رہوں، لے ہمنفسو!
میں بھی بھولوں گا نشیمن اپنا
(وصی حیدر زیدی بلگرامی)

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی
(لا اعلم)

اسیر جسم ہوں، میعادِ قید لامعلوم
یہ کس گناہ کی تعزیر ہے خدا معلوم
(شاد عظیم آبادی)

جس کو رہنا ہو رہے قیدیِ زنداں بن کر
ہم تو اے ہمنفسو! پھاند کے دیوار چلے
(مبارک عظیم آبادی)

اسیری و بہار:-

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس بادِ صبا
خبرِ آمدِ ایّامِ بہاراں لے کر
(مصحفی)

یہ ستم قیدِ قفس میں صیاد
کس نے پوچھا تھا بہار آئی ہے!
(تاجور نجیب آبادی)

تڑپ کے رہ گئی بلبل قفس میں اے صیاد
یہ کیوں کہا کہ ابھی تک بہار باقی ہے
(بیتاب عظیم آبادی)

ہم اسیروں کو بھلا کیا کام ہے گلشن سے لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے بہار
(مرزا جان جاناں مظہر)

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
(میر)

دمِ بلبلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو نہیں سن سے نکل گیا
(ناسخ)

رودادِ فصلِ گل نہ اسیرِ قفس سے پوچھ
کب آئی کب بہار گئی کچھ خبر نہیں
(قاسم صہبا شیخپوروی مونگیری)

آشیانہ :-

خار و خس جمع کرے نام نشیمن رکھ دے
جس کو منظور ہو گلشن کو بیاباں کرنا
(آسی الدنی)

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھیں دل میں وہی تنکے لئے
(وحید الدین وحید)

سب باندھ چکے کب کے سرِ شاخ نشیمن
ہم ہیں کہ گلستاں کی ہوا دیکھ رہے ہیں
(جلیل مانکپوری)

نہ آسکی خس و خاشاک کے احاطے میں
بہت لطیف تھی تخئیل آشیانے کی
(جمیل مظہری)

کل تک یہی گلشن تھا صیّاد بھی، بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے
(فانی)

فصلِ بہار اپنی گذری ہے یوں ہی ساری
یاں آشیاں بنایا، واں آشیاں بنایا
(مولا بخش قلق)

اسی چمن میں کہ وسعت ہے جس کی لامحدود
نہیں پناہ کی جا ایک آشیاں کیلئے!
(آرزو لکھنوی)

ایک ایک تنکے پر سو سو شکستگی طاری
برق بھی لرزتی ہے میرے آشیانے سے
(اصغر گونڈوی)

چار تنکے سہی، مگر صیّاد
میری دنیا تھی آشیانے میں
(محمد تقی قیس شیخپوروی مونگیری)

عدو صیّاد و گلچیں کیوں ہوئے میرے نشیمن کے
یہ تنکے بھی ہیں اس قابل جنہیں برباد کرتے ہیں
(ثاقب لکھنوی)

ہم ایسے بدنصیب کہ اب تک نہ مر گئے
آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں
(یگانہ)

خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا
(یگانہ)

نشیمن نہ جلتا، نشانی تو رہتی!
ہمارا تھا کیا ٹھیک رہتے نہ رہتے
(ثاقب لکھنوی)

برق سے کیا ہمکو چشمک باغباں سے کیا خلش
بات یہ ہے آشیاں کو آشیاں سمجھا کئے
(ناطق لکھنوی)

اس سال فصلِ گل میں اجڑا تھا بنتے بنتے رہتا، تو آشیاں کو اب ایک سال ہوتا

(آسی اُلدنی)

اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی

(فانی)

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی کیا ہے کبھی روئے کبھی سجدے کیے خاکِ نشیمن کو!

(بیخود موہانی)

قفس میں ہم تھے، گھری بادلوں میں بجلی تھی تڑپ تڑپ کے رہے دونوں آشیاں کیلئے

(ریاض)

کیا بتاؤں کس قدر زنجیر پا ثابت ہوئے چند تنکے جن کو اپنا آشیاں سمجھا تھا میں

(جگر مراد آبادی)

چُنے مہینوں ہی تنکے غریب بُلبل نے مگر نصیب نہ دو روز آشیانہ ہوا

(آتش)

تنکے سہی، مگر وہ مسافر نواز تھے بجلی تڑپ رہی ہے مرا آشیاں نہیں

(مضطر مظفر پوری)

نشیمن کے وہ بے ترتیب تنکے، ہائے کیا شئے تھی! قفس میں آج تک خوابِ گلستاں دیکھ لیتا ہوں

(احسان دانش)

خانہ بربادِ چمن، برسوں قفس میں ہمصفیر! آشیاں سے چھٹ کر خوابِ آشیاں دیکھا کئے

(تاجور)

فصلِ گل جو یاد آئی، آشیاں بھی یاد آیا فصلِ گل میں اُجڑا تھا، شاید آشیاں اپنا

(فانی)

قفس سے چھٹ کے بڑی دیر میں ٹھکانا ملا
خیال سے بھی کہیں دور آشیانہ ملا
(سیماب)

اب تک کچھ آشیاں کا سماں سا نظر میں ہے
گو میں قفس میں تازہ گرفتار بھی نہیں
(عزیز لکھنوی)

زباں کٹتی ہے ذکرِ آشیاں پر
تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی!
(فانی)

باغباں کام ہمیں کیا ہے، وہ اجڑے کہ رہے
جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا
(ریاض)

بَرق :-

تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام بَرق
جب ہم نے کوئی شاخ چُنی، شاخ جل گئی
(فانی)

چمکتی ہے یہ بجلی اَبر میں یا
کسی سے کچھ اشارے ہو رہے ہیں!
(افسر میرٹھی)

کچھ بھی ہوں بَرق و باراں، ہم تو یہ جانتے ہیں
اِک بیقرار تڑپا، اِک بے قرار رویا
(فانی)

تڑپ رہی ہے جو ابرِ سیاہ میں بجلی
فراق میں یہی نقشہ تھا ہو بہو میرا
(مضطر مظفر پوری)

قفس میں کیوں چلی آتی ہے یادِ گلستاں ہمدم
کوئی بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے
(علی اختر، اختر)

بجلی کی تاک جھانک سے تنگ آگئی ہے جاں
ایسا نہ ہو کہ پھونک دوں خود آشیاں کو میں
(جلیل مانک پوری)

لے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی　　کچھ رہ گئے ہیں خار وخسِ آشیاں ہنوز
(شیفتہ)

برق کا آسمان پر ہے دماغ　　پھونک کر میرے آشیانے کو
(مومن)

مرے آشیاں پہ عجب نہیں کبھی برق قصدِ کرم کرے　　مگر آہ درخورِ پیشکش نہ وہ مشتِ خس نہ یہ چار پَر
(فانی)

کیا مزہ دیتی ہے بجلی کی چمک مجھ کو ریاضؔ　　مجھ سے لپٹے ہیں مرے نام سے ڈرنیوالے
(ریاض)

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے　　الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے
(لاعلم)

برق و خرمن :-

بتائیے مرے خرمن نے کیا بگاڑا ہے　　فلک پہ برق جو رہ رہ کے تلملاتی ہے
(شاد عظیم آبادی)

بُلبُل :-

کیا کیا گذرتی ہوئے گی ان پر چمن کے بیچ　　اِن بلبلوں کا ہائے کوئی دادرس نہیں
(میر محمد باقر حزیں)

سرو بھی جو بار بھی لالہ و گل بہار بھی　　جس سے چمن چمن بنا ایک وہ مشتِ پر نہیں
(اصغر گونڈوی)

پرواز :-

صیاد پہ ظاہر یہ ابھی راز نہیں ہے　　پرواز اسیرِ پرِ پرواز نہیں ہے!
(جگر مراد آبادی)

ہوں گرفتارِ الفتِ صیّاد ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
(غالبؔ)

بے پر و بال کیا تو بھی قفس میں ہم کو چین دیتی ہی نہیں شوخیِ پرواز ہنوز
(مصحفیؔ)

کر دیا شرمندہ ہو کر بند خود بابِ قفس سامنے تھا آشیاں پرواز کی طاقت نہ تھی
(آرزوؔ لکھنوی)

دور صیّاد، چمن پاس، قفس سے باہر ہائے وہ طاقتِ پرواز کہ بازو میں نہیں!
(فانیؔ)

قیدِ قفس میں طاقتِ پرواز اب کہاں رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے
(اصغرؔ گونڈوی)

اس گرفتار کی پوچھو نہ تڑپ جس کے لئے درِ قفس کا ہو کھلا، طاقتِ پرواز نہ ہو
(جلیلؔ مانکپوری)

جانتا ہوں کہ نشیمن نہیں باقی صیّاد پھر بھی اک لطفِ خلش حسرتِ پرواز میں ہے
(آثرؔ لکھنوی)

خدا گواہ، کہ دونوں ہیں دشمنِ پرواز غمِ قفس ہو کہ راحت ہو آشیانے کی
(گوپال متّلؔ)

ہمصفیر اور بھی سرگرم سفر تھے، لیکن مجھ کو صیّاد نے پرواز سے پہچان لیا!
(غلام احمد علیؔ)

خونِ بلبل :-

بہارِ گل متقاضی ہے خونِ بلبل کی کہ یہ بھی چاہیئے رنگینیٔ چمن کے لئے
(وحشتؔ)

جائے روغن دیا کرے ہے عشق — خونِ بلبل چراغ میں گُل کے
(میرؔ)

یہاں تک باغباں نے باغ سینچا خونِ بلبل سے — کہ آخر رنگ بن کر پھوٹ نکلا چہرۂ گُل سے
(لا اعلم)

شوخ کس درجہ گل و لالہ کا پیراہن ہے — سرخیِ خونِ عندلیب کبھی ایسی تو نہ تھی
(آل احمد سرورؔ)

قفس کے پاس نہ جا کر کے نام لو گُل کا — ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خونْ بلبل کا
(سوداؔ)

صبا گلشن میں جاوے گی تو یہ کہنا بجُو گُل سے — تجھے اے بیوفا! کیا فائدہ ہے خونِ بلبل سے
(شاہ واقفؔ)

دَام:۔

خیر یارب بلبلِ ناکام کی — مُشتِ پر، اور یہ کشاکش دام کی!
(اوجؔ)

بارہا بے التفاتی دیکھ کر صیّاد کی — خود بخود بے تاب ہو کر میں تہِ دام آگیا
(وحشتؔ)

رہائی:۔

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی، تب چھوٹے — ہم ہوئے ایسے بُرے وقت میں آزاد، کہ بس!
(انعام اللہ خاں یقیںؔ)

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا — ہو چکی واں بہار ہی آخر!
(میر حسنؔ)

خزاں میں چھوٹ کر آئی قفس سے سوئے چمن — خراب بلبل خانہ خراب ہو کے پھری

(شفق عمادپوری)

اسیر کر کے ہمیں کیوں رہا کیا صیاد! — وہ ہمصفیر بھی چھوٹے وہ باغ بھی نہ ملا

(جلال)

رہا کیا بھی قفس سے تو کب کیا صیاد! — جب آشیاں میں بھی کچھ لطفِ آشیاں نہ رہا

(مضطر مظفرپوری)

رہا کرنا ہمیں صیاد، اب پامال کرنا ہے — پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو، وہ پرواز کیا سمجھے

(سودا)

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی — کدھر کے ہو جیے جو بے بال و پر رہائی ہو

(میر)

کیا کیا وفائیں کی ہیں ذرا یاد کیجیے — کچھ سوچ کر غلام کو آزاد کیجیے

(جلال)

زمزمہ سنجی :-

گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن، تو ہمصفیر — اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا

(میر)

باغباں کو بھی گراں گذری نوائے بلبل — کسی صیاد سے پھر نامہ و پیغام ہے آج

(آل احمد سرور)

پھونک دے نغمۂ جانسوز سے سامانِ قفس — بلبلِ تفتہ جگر! شکوۂ صیاد نہ کر

(امین حزیں)

صید و صیاد :-

آج کچھ مہرباں ہے صیاد — کیا نشیمن بھی ہو گیا برباد!

(آثر لکھنوی)

قفس پہ رکھنے لگا اب تو ہار پھولوں کے
بہت دنوں پہ ہوا ہے مزاج داں صیّاد
(رِندؔ)

کیا کوئی اور ستم ڈھایا ہے صیّاد نے آج
چار سُو شورِ عنادل ہے، خدا خیر کرے
(لا اعلم)

ٹک تو فرصت دے کہ رخصت ہولیں اے صیّاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم
(مظہرؔ جان جاناں)

بہ شوق دام میں لا کر قفس میں بند کرے
خوشا وہ صید کہ صیّاد خود پسند کرے
(شادؔ عظیم آبادی)

مار ڈالے گی مجھے عافیتِ کنجِ چمن
جوشِ پرواز کہاں جب کوئی صیّاد نہ ہو
(اصغرؔ گونڈوی)

فغانِ عندلیب:-

اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش!
جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گُل
(میرؔ)

جس سے کل خون میں ڈوبا قفس اے مرغِ اسیر!
تو نے پھر آج وہی زمزمہ ایجاد کیا
(مرزا محمد تقی خان ہوسؔ)

گُل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش
بُلبل کا یہ نالہ نہیں، افسانہ ہے اس کا
(آتشؔ)

نالہ ہے بُلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
(اقبالؔ)

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں
(اصغرؔ گونڈوی)

دردِ دل بھی انہیں صیاد نے کہنے نہ دیا — رہ گئے مرغ قفس کھول کے منقاروں کو
(آغا حجو شرف)

قفس :-

ہزار طرح تخیّل نے کروٹیں بدلیں — قفس قفس ہی رہا پھر بھی آشیاں نہ ہوا
(آسی الدنی)

مانا کہ فکرِ برق و غمِ باغباں نہیں — پھر بھی قفس قفس ہی تو ہے آشیاں نہیں
(رضا قریشی گوالیاری)

غنیمت ہے قفس، فکرِ رہائی کیا کریں ہمدم — نہیں معلوم اب کیسی ہوا چلتی ہے گلشن میں
(ثاقب لکھنوی)

غمِ ہجر بے اثر ہے جو ہو ذوقِ وصل کامل — مجھے یادِ آشیاں میں، ہے قفس بھی آشیانہ
(احسان دانش)

جفا صیاد کی اہلِ وفا نے رائیگاں کر دی — قفس کی زندگی وقفِ خیالِ آشیاں کر دی
(انند نرائن مُلّا)

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
(اشرف علی فغاں)

صیاد اب قفس کی مصیبت گراں نہیں — میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ آشیاں نہیں
(ناطق گلاؤٹھی)

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی — آشیاں اپنا ہوا برباد کیا !
(مومن)

اور کچھ باتیں کر و لے ہمصفیرانِ چمن — یہ نہ پوچھو کیوں قفس میں مجھ کو آرام آگیا
(لااعلم)

قفس میں عمر گذری نالہ و آہ و فغاں کرتے　　مگر پھر کس توقع پر خیالِ آشیاں کرتے!
(وحشتؔ)

تری برق پاشیوں کا نہ بنے کہیں نشانہ　　ارے یہ قفس ہے ظالم! نہیں میرا آشیانہ
(تنبیرؔ رضوی)

جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسنؔ　　اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
(میر حسنؔ)

قفس کی یاد میں یہ اضطرابِ دل! معاذ اللہ　　کہ میں نے توڑ کر اک ایک شاخِ آشیاں رکھ دی
(اصغرؔ گونڈوی)

چمن میں تھے تو ستاتی تھی فکرِ دانہ و دام　　قفس میں ہیں تو دل اٹکا ہوا بہار میں ہے
(بسملؔ عظیم آبادی)

یہ ہوا کیسی چلی، تنکوں نے گھیرا ہے مجھے　　آشیانے سے مرے میرا قفس پیدا ہوا
(عزیزؔ لکھنوی)

مُرغِ ناتواں :-

اس مرغِ ناتواں پہ ہے حسرت، جو رہ گیا　　مرغانِ کوہ و راغ سے دور، اور شکستہ پر
(ذوقؔ)

اس مرغِ ناتواں کی صیاد کچھ خبر ہے؟　　جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہنچا
(سوداؔ)

مُلاقات، دوستی، ترکِ مُلاقات

اخلاق (ملنساری)

داغ! دشمن سے بھی جھک کر ملئے
کچھ عجب چیز ملنساری ہے
(داغ)

بارِ خاطر ہونے سے احتیاط :-

سرا دو پر شام آئی، اب تلک منزل نہیں پاتا
کہاں بستر بچھاؤں میں کسی کا دل نہیں پاتا
(میر سوز)

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیانہ کسی شاخِ گل پہ بار نہ ہو
(محشر لکھنوی)

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
(حسرت موہانی)

میں بارِ خاطرِ صیاد و باغباں نہ رہا
چمن میں پھول ہی بن کر رہا، گراں نہ رہا
(مضطر مظفر پوری)

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشتِ خاک سودا
خاطر پہ جب کسی کی اس سے ملال آیا
(سودا)

پاسِ خاطرِ دوست :-

تم تو دل مانگو ہو، یاں جان تلک حاضر ہے
بات ہے یہ بھی کوئی آپ کے فرمانے کی!
(مرزا احسن علی احسن)

گرم نگتا ہے جی کے نہیں دیجئے وفا
کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجئے
(نول رائے وفا)

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
(میر انیس)

تو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے
اُمید تو نہیں ہے، مگر ہاں خدا کرے
(آزاد انصاری)

پرسشِ حال :-

شکریہ پرسشِ غم کا، مگر اصرار نہ کر
پُوچھنے والے، یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو!
(عندلیب شادانی)

پرسشِ غم کا شکریہ، کیا تجھے آگہی نہیں؟
تیرے بغیر زندگی درد ہے، زندگی نہیں
(احسان دانش)

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا
(جلیل مانکپوری)

حالِ بد گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
(میر)

برنگِ آبلہ ہم پھُوٹ پھُوٹ کر روئے
کسی کا چھیڑ کے کچھ پوچھنا بھی نشتر تھا
(جلال)

کیا فائدہ جو پوچھئے احوالِ دل افسوس سے
منہ دیکھ رو دیتا ہے وہ پُر بات کچھ کرتا نہیں
(میر شبیر علی افسوس)

کب اس نے کی ہے پرسشِ غمہائے جاں گسل
جب حالِ دل بیان کے قابل نہیں رہا
(ثاقب لکھنوی)

تم نے آکر مزاج پوچھ لیا		اب طبیعت کہاں سنبھلتی ہے
(جلیل مانک پوری)

پرسشِ حال پہ ہے خاطرِ جاناں مائل		جرأتِ کوششِ اظہار کہاں سے لاؤں
(حسرت موہانی)

اس پرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے		کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی!
(فراق گورکھپوری)

گو حیا نے جنبشِ لب کی نہ دی رخصت انہیں		میں شہیدِ طرزِ پرسش ہائے پنہاں ہوگیا
(وحشت)

ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن		کوششِ پرسشِ حالات چلی جاتی ہے
(حسرت موہانی)

پوچھنے والے دردِ نہاں کو!		اپنے چہرے کا رنگ بھی دیکھا
(آثر لکھنوی)

سب تو خیر، ان کی حال پرسی پر		دل اُمنڈ آیا، اشک بھر آئے
(آرزو لکھنوی)

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار		مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
(فانی)

پرسشِ سوزِ درون کر گئی نشتر کا کام		پھوٹ کے رونے لگے آبلۂ دل کیا کیا
(مضطر مظفرپوری)

کبھی کی تھی جواب دوا کیجئے گا		مجھے پوچھ کر آپ کیا کیجئے گا!
(حسرت موہانی)

اِک عمر سے ہوں ناصیہ فرسا ترے در پر اتنا تو کبھی پوچھ کہ تو کون ہے کیا ہے
(فانیؔ)

کوئی جب پوچھتا ہے حال دل کا تو رو دیتا ہوں میں اِک آہ بھر کے
(حفیظؔ جونپوری)

اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں گے چپ ہی رہیں گے عاشق لوگ
تم سے تو اتنا ہو سکتا ہے، پوچھو حال بیچاروں کا
(ابن انشاؔ)

جب پرسشِ حال پہ کہتا ہوں احسان ہے آپ کا زندہ ہوں
کہتے ہیں کس کس پہلو سے اب میری شکایت ہوتی ہے
(انجمؔ مانپوری گیاوی)

جب ہمیں بزم میں آنے کی اجازت نہ رہی پھر یہ کیوں پرسشِ حالات ہے، یہ بھی نہ سہی
(آزادؔ انصاری)

ترکِ ملاقات :-

ترک ان سے رسم و راہ ملاقات ہو گئی یوں مل گئے کبھی تو کوئی بات ہو گئی
(سلیم احمد)

عذر آنے میں بھی ہے، اور بلاتے بھی نہیں باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں
(داغؔ)

اب کون بات رہ گئی، یہ بات بھی گئی یعنی کبھی کبھی کی ملاقات بھی گئی
(مبارک عظیم آبادی)

ہائے پھر چھیڑ دیا ذکرِ عدو کا تم نے پھر نکالی نہ وہی ترک ملاقات کی بات!
(حفیظؔ جونپوری)

تکلّف :-

اے ذوق تکلّف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلّف نہیں کرتا
(ذوق)

تکلّف سے بری ہے حسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
(آتش)

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلّف سے
تکلّف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
(غالب)

تکلّف کچھ ہمیں کو ہی نہیں تھا
نظر ان کی بھی شرماتی رہی ہے
(عرش ملسیانی)

خلوص :-

اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
(بیتاب عظیم آبادی)

خلوصِ نیتِ رہبر پہ منحصر ہے عظیم
مقام عشق بہت دور بھی ہے پاس بھی ہے
(عظیم مرتضیٰ)

جی میں آتا ہے کہ اک دن مر کے ہم
ہمّتِ دوشِ عزیزان دیکھ لیں
(تسلیم لکھنوی)

گستاخ ہو کے عرض کیا ہے، معاف ہو
میں نے تو ایک دل بھی نہ دیکھا جو صاف ہو
(میر انیس)

دلِ حزیں کو تلاشِ خلوص ہے بے سود
کہ اس دیار میں شاید یہ رسم ہی نہ رہی
(روش صدیقی)

دوست دوستی :-

میں حیراں ہوں کہ کیوں اس سے ہوئی تھی دوستی اپنی
مجھے کیسے گوارا ہو گئی تھی دشمنی اپنی!

(احسان دانش)

تمہاری دوستی کو دیکھ کر سب رشک کرتے ہیں
جو بس چلتا تو دنیا چھین لیتی زندگی میری

(اطہار رامپوری)

نہ دلاسا، نہ تسلی، نہ تشفی، نہ وفا
دوستی اس بُتِ بد خو سے نباہیں کیونکر

(داغ)

زمانے کی محبت پر نہ ہو اے ہمنشیں نازاں
سنائیں گے تجھے فرصت میں قصے آشنائی کے

(چکبست)

دوست یا عزیز ہیں تو فریبیوں کے نام
آج آپ کے سوا کوئی آپ کا نہیں

(تاجور نجیب آبادی)

دورِ حاضر کی دوستی احسان
کس قدر جلد رخ بدلتی ہے

(احسان دانش)

اُٹھ گئی دوستی زمانے سے
آشنائی، نہ آشنا ہی رہا

(لالہ ٹیکا رام تسلی)

دوستی اور کسی غرض کے لئے
وہ تجارت ہے دوستی ہی نہیں

(اسمٰعیل میرٹھی)

دعوت :-

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوت اکبر
خیر اس سے ہے کیا بحث، ہم اصرار تو کرلیں

(اکبر الٰہ آبادی)

دعوت ہیں ترے میں بھی ہوں معلوم ہے لیکن — کیا غیر کی خاطر سے ہے، کیا میرے لئے ہے

(حسرت موہانی)

ربط وارتباط :-

کیوں بڑھاتے ہو ارتباط بہت — ہم میں طاقت نہیں جدائی کی

(فانی)

رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اس شوخ سے — سامنا جس وقت ہو جاتا ہے بھر آتا ہے دل

(جگر مراد آبادی)

کھل کے ہم سے کبھی وہ مل نہ سکے — باوجودِ کمالِ دل سوزی

(حسرت موہانی)

روشِ حسنِ مراعات چلی جاتی ہے — ہم سے اور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے

(حسرت موہانی)

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی — نہ اُن کی دوستی اچھی نہ اُن کی دشمنی اچھی

(صفیا جونپوری)

روٹھنا منانا :-

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے، تو ہائے — ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

(فانی)

کون کہتا ہے بولو، مت بولو — ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو

(انشا)

جو نہ کرنی تھیں التجائیں کیں — اب بھی آزردہ ہو تو خیر سہی

(بیخود دہلوی)

شکوہ کیا تھا از رہِ الفت طنز سمجھ کر رُوٹھے ہو! ہم بھی ہیں نادم اپنی خطا پر، آؤ، تم بھی جانے دو
(آثر لکھنوی)

کچھ خبر بھی ہے رُوٹھنے والے! زندگی روٹھتی ہے فانی سے
(فانی)

آپ سے ہم سے رنج ہی کیسا! مُسکرا دیجئے صفائی سے
(جوش ملیح آبادی)

میں تو سمجھا تھا قیامت ہوگئی! خیر، پھر صاحب سلامت ہوگئی
(حسرت موہانی)

لائے اس بُت کو التجا کرکے کُفر ٹوٹا خدا خدا کرکے
(دیا شنکر نسیم)

ملتی نہیں ابھی نظر، دیکھتے ہیں اِدھر اُدھر مَن تو گئے ہیں وہ مگر دل میں ہے کچھ غبار سا
(عاشق ٹونکی)

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے، اے دلِ ناداں ابھی پھر رُوٹھ جائیں گے، ابھی وہ مَن کے بیٹھے ہیں
(داغ)

اِک بات بھلا پوچھیں؟ کس طرح مناؤ گے جیسے کوئی روٹھا ہے اور تم کو منانا ہے
(آثر لکھنوی)

دل چاہتا ہے بولئے ہرگز نہ یار سے پر بس نہیں چلے ہے، دلِ بے قرار سے
(منشی بینی پرشاد دل عظیم آبادی)

چھیڑ کیسی، بات کہتے روٹھ جاتے ہیں ریاضؔ اِک حسیں ہر وقت ہو ان کے منانے کے لئے
(ریاض)

روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم اُن سے ولے
مڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے
(الٰہی بخش خاں معروف)

مجھ کو ارمان منائے کوئی میرے دل کو
ان کو یہ ہٹ، کہ خفا ہے تو خفا رہنے دو
(ریاض)

آپ سے روٹھ کے امید کہاں جائینگے
بن بلائے ابھی آتے ہیں، منانا کیسا
(امید امیٹھوی)

جانا وہاں کا آپ سی ہاں چھٹ چکا نظام
یوں روٹھنا تو آپ کا سو بار ہو چکا
(نظام رامپوری)

شکر:-

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
یوں بھی گذر گئی مری، ووں بھی گذر گئی
(اشرف علی خاں فغاں)

شکوۂ جور و جفا کو چھوڑ کر، شکرِ ستم
کیجئے اور خوب سا ان کو پشیماں کیجئے
(حسرت موہانی)

شکوہ و شکایت:-

صدمہ ہر چند ترے جور سے جاں پر آیا
تپہ شکوہ نہ کبھی میری زباں پر آیا
(سودا)

تمہارا ذکر نہیں ہے، تمہارا نام نہیں
کیا نصیب کا شکوہ ہزار بار کیا !!
(جوش ملیح آبادی)

بدگماں آپ ہیں کیوں آپ کا شکوہ ہے کسے
جو شکایت ہے ہمیں گردشِ ایّام سے ہے
(حسرت موہانی)

عرضِ احوال کو گلہ سمجھے　　کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے!
(داغ)

حالِ دل سُن کر وہ آزردہ ہیں، شاید اُن کو　　اِس حکایت پہ شکایت کا گماں گذرا ہے
(عبدالمجید سالک)

ہر آن ایک تازہ شکایت ہے آپ سے　　اللہ! مجھ کو کتنی محبت ہے آپ سے!
(جلال الدین اکبر)

کہوں کچھ اُن سے، مگر یہ خیال ہوتا ہے　　شکایتوں کا نتیجہ ملال ہوتا ہے
(قمر بدایونی)

وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ　　جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا
(جوش ملیح آبادی)

ہوتا ہے ستم جانبازوں پر، غیروں پہ عنایت ہوتی ہے　　اس ظلم کو ان کو کیا کہیئے، کہیئے تو شکایت ہوتی ہے
(انجم مانپوری گیاوی)

ستم شعار! ستا، لیکن اس قدر نہ ستا　　کہ شکر، شکلِ شکایات اختیار کرے
(آزاد انصاری)

جو بھی کہنا ہے کہو صاف، شکایت ہی سہی　　اِن اشارات و کنایات سے جی ڈرتا ہے
(حسن نعیم)

بے محل بات، بھلی بھی تو بُری ہوتی ہے　　شکر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں، شکایت کیسی
(داغ)

اِک دن گلۂ غفلت، سُننے کو ترسئے گا　　اِک دن المِ فرقت، کچھ دے کے سُلا دیگا
(آزاد انصاری)

شکوے تو شوق سے کرو صن میں لیکن اے دل ۔ بات کچھ ایسی نہ بگڑے کر بنا بھی نہ سکوں
(امیر مینائی)

ابتدا میں جنہیں ہم ننگِ وفا سمجھے تھے ۔ ہوتے ہوتے وہ گلے حسن بیاں تک پہنچے
(حفیظ ہوشیار پوری)

میرے راضی بہ رضا ہونے سے سب راضی ہیں ۔ ورنہ جو ہے وہ شکایت سے خفا ہوتا ہے
(ثاقب لکھنوی)

آنکھوں کو بچائے تھے ، ہم اشک شکایت سے ۔ ساقی کے تبسم نے چھلکا دیا پیمانہ
(ناطق لکھنوی)

صلح :-

جھکی ذرا چشمِ جنگجو بھی ، نکل گئی دل کی آرزو بھی ۔ بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر
(داغ)

اظہارِ ندامت ہو بھی چکا ، تم ہنس بھی چکے ہم رو بھی چکے
اب آؤ گلے مل جاؤ ذرا ، یا اور ابھی تڑپانا ہے !

(لا علم)

تمہاری ہے نہ میری ہے خطا ، اب آؤ مل جائیں ۔ کہ تم ہو ناز کے طغیان سے مجبور ، ہم دل سے
(پروفیسر سلم عظیم آبادی)

تمہیدِ صلح شوق کے سامان ہو گئے ۔ جتنے تھے ان کے جور سب احسان ہو گئے
(حسرت موہانی)

ہو کے نادم وہ بیٹھے ہیں خاموش ۔ صلح میں شان ہے لڑائی کی
(حسرت موہانی)

قدر و ناقدری :-

اللہ رے بیقدری ارباب زمانہ
یوسف اُسے سمجھیں گے جو زنداں میں رہیگا
(بیخودؔ دہلوی)

اس کو ناقدریِ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مَر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا
(حکیمؔ لکھنوی)

کس کے آگے دردِ دل اپنا کہو گے اے شفقؔ
کوئی دنیا میں نہیں اب قدردانِ اہلِ درد
(شفقؔ عماد پوری)

میں بھی کوئی چیز تھا، لیکن نہ پہچانا مجھے
بندہ پرور قدر رہی تم نے نہیں جانی مری
(ناطقؔ گلاوٹھی)

نہ ہوا ابھی، مگر آخر تو قدر ہو گی مری
کھلے گا حالِ غلام آپ پر غلام کے بعد
(حسرتؔ موہانی)

کیا آئے کیا چلے :-

بیٹھے اُداس، اُٹھے پریشاں، خفا چلے
پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے!
(داغؔ)

آئے ہو تو کوئی دَم بیٹھو
اے قبلہ! یہ اضطراب کیا ہے
(مصحفیؔ)

جانا جانا، جلدی کیا ہے! اِن باتوں کو جانے دو
ٹھہرو ٹھہرو، دل تو ٹھہرے، مجھ کو ہوش تو آنے دو
(آغا شاعرؔ دہلوی)

سو حسرتوں سے پوچھنا میرا، کہ جاؤ گے
ان کا وہ ایک ناز سے کہنا کہ ہاں چلے
(محمد زکریا خاں زکیؔ)

گلہ احباب :-

دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر — دل سے دشمن کی شکایت کا گلہ جاتا رہا
(آتش)

آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں — مشورے دے کے ہٹ گئے احباب
(جوش ملیح آبادی)

شرحِ بے مہریِ احباب کہوں کیا حسرتؔ — رنج ایسا دلِ مایوس کو کم پہنچا تھا
(حسرت موہانی)

اے شادؔ جن کے ساتھ زمانہ بسر کیا — اللہ! اب وہی مجھے پہچانتے نہیں!
(شاد عظیم آبادی)

زمانے سے عداوت کا سبب تھی دوستی جن کی — اب ان کو دشمنی ہے ہم سے، دنیا اس کو کہتے ہیں!
(بیخود دہلوی)

دلوں کو دو ٹٹول رہے ہیں خالی، وفا کی جوہر نہیں کسی میں — دُہائی، اے دشمنو! دُہائی، فریب خوردہ ہوں دوستی کا
(احسان دانش)

احباب سے کیا کہیے، اتنا نہ ہوا فانیؔ — جب ذکر مرا آتا، مرنے کی دُعا کرتے
(فانی)

ہمیں بھی آ پڑا ہے دوستوں سے کام کچھ یعنی — ہمارے دوستوں کے بیوفا ہونے کا وقت آیا
(ہری چند اختر)

یہ حقیقت ہے کہ احباب کو ہم — یاد ہی کب تھے جو اب یاد نہیں
(ناصر کاظمی)

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم — گھبرا گئے ہیں بے دلیِ ہمرہاں سے ہم
(حسرت موہانی)

لُطفِ صحبت :-

عجب رنگینیاں ہوتی ہیں کچھ باتوں میں اے انشا
بہم مِل بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم
(انشا)

دوست یکرنگ جو یکجا کہیں مِل بیٹھتے ہیں
لُطف کے ساتھ گزر جاتی ہے صحبت کیسی
(داغ)

زندگی ہے نام لطفِ صحبتِ احباب کا
یہ نہیں فانی تو جینا کوئی جینا ہی نہیں
(فانی)

یکدم چھوٹ گیا ہے جب سے حفیظ
لطفِ صحبت کہیں نہیں ملتا
(حفیظ جونپوری)

بہت مشکل ہے چند احباب کا اِک جا بہم ہونا
بہ حسرت دیکھ لو اِک اِک کو اٹھتی انجمن والو!
(شاد عظیم آبادی)

وہ الفت دوست ہوں ناصح دعا ہی دل سے نکلی ہے
اگر دشمن کے گھر بھی مجمعِ احباب دیکھا ہے
(مبارک عظیم آبادی)

مجھے اس اپنی مصیبت سے ہے فراغ کہاں
کسی سے چاہوں کہ صحبت رکھوں، دماغ کہاں
(قیام الدین قائم)

مُلاقات :-

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں مُلاقاتیں
(محمد علی جوہر)

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے
(ذوق)

منحصر وقت مقرر پہ ملاقات ہوئی
آج یہ آپ کی جانب سے نئی بات ہوئی!
(حسرت موہانی)

سرسری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے　　مجلسِ غیر میں گاہے، سرِ راہے گاہے

(جرأت)

دل پہ قابو نہ رہا، رنج و محن بھول گئے　　آنکھ پڑتے ہی ستمگر پہ ستم بھول گئے

(نہالؔ)

سوچا تھا کہ دشواریِ ہجر اُن سے کہیں گے　　پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

(راسخؔ عظیم آبادی)

پھر ہم کہاں، کہاں تم، جی بھر کر دیکھنے دو　　اللہ! کتنی مدت تم سے جدا رہے ہیں

(آثرؔ لکھنوی)

کہیں تو دیکھ چکے ہیں یقین ہے دل کو　　مگر یہ یاد نہیں ہے تمہیں کہاں دیکھا

(امیرؔ مینائی)

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجئے گا　　ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا

(میر محمدی بیدارؔ)

تمہیں غیروں سے کب فرصت، ہم اپنے غم سے کم خالی　　چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

(جعفر علی حسرتؔ)

وہ ملاقات، کہ جو وجہِ شکستِ دل تھی　　اب نگاہِ غلط انداز کو بھی یاد نہیں

(ظہیرؔ کاشمیری)

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ　　اب وہ اگلی سی درازیِ شبِ ہجراں میں نہیں

(حالیؔ)

اب کون بات رہ گئی، یہ بات بھی گئی　　یعنی کبھی کبھی کی ملاقات بھی گئی

(مبارکؔ عظیم آبادی)

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے
(غالب)

تفصیل وار ذکرِ ملاقات کیجئے
کس سے ملے، کہاں ملے اور بات کیا ہوئی
(دلیر مارہروی)

میں نے مانا کہ مجھے ان سے محبّت نہ رہی
ہمنشیں پھر بھی ملاقات سے جی ڈرتا ہے!
(حسن نعیم)

موت، بیماری

بیماری :-

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے
(بندرابن راقم)

چشمِ خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا!
ہم یہ سمجھے تھے کہ اے میرؔ یہ آزار گیا
(میرؔ)

بس ہو چکی شفا تو دلِ زار کے تئیں
اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
(خوش وقت رائے شادابؔ)

آپ اٹھ رہے ہیں کیوں مرے آزار دیکھ کر
دل ڈوبتے ہیں حالتِ بیمار دیکھ کر
(ثاقبؔ لکھنوی)

دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمارِ غمِ ہجر میں کیا رکھا ہے
(داغؔ)

قائمؔ آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت
(قائمؔ چاندپوری)

بیمار :-

اب تو بیمارِ محبت تیرے
قابلِ غور ہوئے جاتے ہیں
(داغ)

سننے والے رو دیئے سن کر مریضِ غم کا حال
دیکھنے والے ترس کھا کر دعا دینے لگے
(ثاقب لکھنوی)

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
(زہیر)

طاقت کہاں کہ حال کہے اب طبیب سے
ٹھنڈی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ
(مرزا غلام حیدر مجذوب)

بیمار ترے جی سے گزر جائیں تو اچھا
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں، یہ مرجائیں تو اچھا
(فانی)

کس قدر وہ رات بھاری تھی ترے بیمار پر
چارہ گر اٹھ اٹھ کے رنگِ آسماں دیکھا کئے
(لا اعلم)

یہ مشورہ بہم اٹھے ہیں چارہ جو کرتے
کہ اس مریض کو اچھا تھا قبر رو کرتے
(عزیز لکھنوی)

ادھر گھبرا کے غمخواروں کی مایوسانہ سرگوشی
ادھر بیمار کا کچھ کہہ کے سب سے بےخبر ہونا
(دل شاہجہانپوری)

دل مرا آنکھ تری دونوں ہیں بیمار مگر
ایک کا حال برا، ایک کا حال اچھا ہے
(جلال لکھنوی)

اپنی عیسیٰ نفسی کی بھی تو کچھ شرم کرو
چشمِ بیمار کے بیمار ہیں، بیمار ہنوز!
(آسی جونپوری)

تدفین :-

مُٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبّت کا صلہ دینے لگے
(ثاقب کانپوری)

کسی کے مُنہ سے نہ نکلا یہ میرے دفن کے وقت
کہ اِن پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے
(لا اعلم)

تُربت :-

احباب کے کاندھے سے لحد میں اُتر آئے
کس چین سے سوتے ہوئے ہم اپنے گھر آئے
(ریاض خیرآبادی)

گئے سختی کے دن، سوئے لحد میں پاؤں پھیلا کے
یہ راحت بعدِ مُردن زندگانی بھر سے بہتر ہے
(صفیر بلگرامی)

بڑے چین سے قبر میں سو رہا ہوں
نیا آسماں ہے، نرالی زمیں ہے
(آغا شاعر دہلوی)

لحدِ عدو کی تمہیں قسم، یونہی تھوڑی دور قدم قدم
کہ صد آرزو زدہ کرم ابھی اور ایک مزار ہے
(سیماب)

مہرباں، یہ مزارِ فانی ہے
آپ کا جاں نثار تھا، نہ رہا
(فانی)

فاتحہ تربتِ ویراں پہ بھی پڑھتے جانا
اُن سے کہدو جو ہیں اِس دَر سے گزرنے
(ویراں)

دن کو اِک نُور برستا ہے مری تُربت پر
رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے
(حفیظ جونپوری)

بیکسی مدّت تلک برسا کی اپنے گور پر
جو ہماری خاک پر سے ہو کے گذرا رو گیا
(میر)

پردہ پوشانِ وطن تم سے تو یہ بھی نہ ہوا
ایک چادر کو ترستی رہی تُربت میری!
(شاد عظیم آبادی)

میخانے میں مزار ہمارا اگر بنا
دنیا یہی کہے گی کہ جنّت میں گھر بنا
(ریاض)

بعد فنا مزار سرِ رہ گذر بنا
جب ہم بگڑ گئے تو ہمارا یہ گھر بنا
(نوح ناروی)

چلے بھی آؤ یہ ہے قبر فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والوں کی نشانی دیکھتے جاؤ
(فانی)

خدا جانے یہ کیسی رہگذر ہے کس کی تُربت ہے
وہ جب گذرے ادھر سے گر پڑے دو پھول دامن سے
(ریاض خیرآبادی)

وہ گذرا ادھر سے جو بیگانہ وار
چراغِ لحد جھلملانے لگا
(اثر لکھنوی)

شمعِ مزار تھی نہ کوئی سوگوار تھا
تم جس پہ رو رہے تھے یہ کس کا مزار تھا؟
(بیخود دہلوی)

بھرے ہیں آنکھ میں آنسو، اُداس بیٹھے ہو
یہ کس غریب کی تُربت کے پاس بیٹھے ہو
(تعشق)

کہیں بھی جائیں کہاں آسماں نہیں ملتا
لحد ہی ایک جگہ ہے جہاں نہیں ملتا
(ریاض)

قبروں کے مناظر نے کروٹ نہ کبھی بدلی
اندر وہی آبادی ، باہر وہی ویرانہ
(نوح ناروی)

ایک جگر کا سوز و ساز، کشمکش امید و یاس
ایک فسانۂ حیات دفن ہے ہر مزار میں
(آنند نرائن ملّا)

جھونکے آتے ہیں بُوئے اُلفت کے
پھول یا رب ہیں کس کی تربت کے
(بیاںؔ یزدانی)

جنازہ :-

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں سی
لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا
(فانیؔ)

کاندھے پہ لئے سب اہل جنوں بسملؔ کا جنازہ جاتے ہیں
تھا چاک کفن اس واسطے وہ سب لوگ کہیں دیوانہ تھا
(سکھدیو پرشاد سنہا بسملؔ الہ آبادی)

چل ساتھ، کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
(مرزا محمد علی فدوی عظیم آبادی)

جوانا مرگی :-

کون جی سے نہ جائیگا لے میرؔ
آتی ہے اک نری جوانی کی
(میرؔ)

سب کو جانا ہے یوں تو پر اے میرؔ
حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا
(میرؔ)

چارہ گر :-

چارہ گر اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں!
(انشاؔ)

دل رہے یا نہ رہے، زخم بھریں یا نہ بھریں
چارہ سازوں کی خوشامد مجھے منظور نہیں
(قدیر لکھنوی)

اچھے عیسیٰ ہو، مریضوں کا خیال اچھا ہے
ہم مرے جاتے ہیں تم کہتے ہو حال اچھا ہے
(امیر مینائی)

حالِ بیمار :-

نازک ہے آج حالت شاید مریض غم کی
کیا چارہ ساز سمجھا، کیوں زار زار رویا!
(فانی)

آپ کو بھی کچھ خبر ہے؟ آپ جب جانے لگے
آپ کے بیمار کا اس وقت کیا عالم ہوا!
(دیندیال شاطر)

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
(غالب)

حیات و موت :-

حیات و موت کی پابندیاں الٰہی توبہ!
یہ کس عذاب دو عالم میں مبتلا ہوں میں
(شاکی بھوپالی)

زندگی کیا ہے، عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا
(چکبست)

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے
(ذوق)

دوا :-

فانی! دوائے دردِ جگر، زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا!
(فانی)

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا، اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا
(میرؔ)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
(غالبؔ)

دمِ واپسیں :-

دمِ اخیر ہے، اب تو ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے
(امیرؔ مینائی)

دمِ آخر ہے، اُلجھن بڑھ رہی ہے اور اُلجھن پر
یہ نازک وقت ہے تم بال بکھرائے کہاں آئے!
(ریاضؔ)

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے
عزیزو، اب اللہ ہی اللہ ہے
(غالبؔ)

رُوح :-

رُوح کا عقدہ اُلجھ کر عقدۂ مشکل بنا
پھر وہ عقدہ، پیکرِ انسانیت میں دل بنا
(ناطقؔ لکھنوی)

جسم کو اپنا سا کر کے لے اُڑی افلاک پر
اللہ اللہ، یہ کمالِ رُوحِ جولاں دیکھئے
(اصغرؔ گونڈوی)

رنگِ رُخ :-

کیسا ہو چلا ہے رنگ یا رب میرے چہرے کا
یہ کیوں پچھلے پہر سے سب کے سب ہشیار بیٹھے ہیں
(عزیزؔ لکھنوی)

کیوں انقلابِ دہر! یہ کیسی ہوا چلی
جی سن سے ہو گیا رخِ بیمار دیکھ کر
(یگانہؔ)

سانس :-

سانس! نہ آ کہ دل میں ہے زخم ٹیس اٹھی ہے جب ہوا لگی ہے
(آرزو لکھنوی)

سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے دم نکلتا نہیں مصیبت ہے
(مرزا رحیم الدین حیا)

ہر سانس کے ساتھ جا رہا ہوں میں تیرے قریب آ رہا ہوں
(فانی)

ساتھ ہر سانس کے مرے دل سے آ رہی ہے ابھی خبر تیری
(آسی الدنی)

شفا :-

دشمنِ جاں نہ سہی آپ مسیحا ہی سہی داغِ رنجور کسی طرح تو اچھا ہو جائے
(داغ)

ابھی تو ہمنفسوں کو ہے وہم چارہ گری ہوئی نہ دَرد میں پھر بھی کمی تو کیا ہوگا!
(فارغ بخاری)

اُمیدِ شفا بھی نہیں بیمار کو تیرے اللہ سے مایوس ہوا بھی نہیں جاتا
(صدق جائسی)

مل گئی راحت، ہمیشہ کیلئے نیند آ گئی چارہ گر رخصت ہوئے، بیمار اچھا ہوگیا
(دل شاہجہاں پوری)

ڈر گئے نامِ شفا سن کے زہے خواہشِ مرگ مُنہ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا
(داغ)

شمع مزار :-

پسِ مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامنِ ابر نے سرِ شام ہی سے بجھا دیا
(سلطان بہادر شاہ ظفر)

جھونکا اِدھر نہ آئے نسیمِ بہار کا
نازک بہت ہے پھول چراغِ مزار کا
(امیر مینائی)

بجھا دے اے ہوائے تند ! مرقد کے چراغوں کو
سینہ بختی میں یہ اک بدنما دھبّا لگاتے ہیں
(آسی الدنی)

علاج :-

بہت علاج کیا دردِ عشق کا لیکن
وہی مآل ہوا جو مآل ہوتا ہے
(آسی الدنی)

ہائے اس زخمیِ شمشیرِ محبّت کا علاج
زخم کو اپنے جو ناچار چھپا رکھّا ہے
(لا اعلم)

یہ دردِ عشق ہے ! میرا نہیں علاج طبیب
ہزار کوئی دوائیں کرو، ہوا سو ہوا
(عبدالحی تاباں)

تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طبیب
اَب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائیگا
(میر)

مجھ دل کا اے طبیب سمجھ کر علاج کر
مدّت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا !
(کاشی ناتھ بٹالوی)

سب ہوئے عاجز پئے تدبیر ہو جانا سمیت
تیر نکلا تو میرے سینے سے لیکن جاں سمیت
(میر)

تم اور چارۂ غمِ فرقت! خوشا نصیب
دُکھ کو دوا نصیب مرض کو شفا نصیب
(آزاد انصاری)

گرانیٔ شبِ ہجراں دوچند کیا کرتے!
علاج دردِ ترے درد مند کیا کرتے!
(فیض احمد فیض)

کچھ تو ہو چارۂ غم، بات تو یکسو ہو جائے
تم خفا ہو تو اسی کو میں راضی کر لوں
(شبلی نعمانی)

سب کا تو مداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
سب کا تو گریباں سی ڈالا، اپنا ہی گریباں بھول گئے
(مجاز)

بس ایک لطیف تبسّم، بس ایک حسین نظر
مریضِ غم کی یہ حالت سنبھل تو سکتی ہے!
(سلام مچھلی شہری)

جمیل کیا اسی ہمّت پہ تھا علاج سے عار
کراہنے کی صدا، اب تو دُور جانے لگی
(جمیل مظہری)

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
(مومن)

دَرد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھّا ہوا، بُرا نہ ہوا
(غالب)

عیادت :۔

دیکھ لینا مریضِ فرقت کو
رسمِ دُنیا بھی ہے ثواب بھی ہے
(حسن بریلوی)

دَرد مندوں سے تمہیں دُور پھرا کرتے ہو
پُوچھتے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس
(میر)

دیکھنے آئے تھے وہ اپنی محبّت کا اثر — کہنے کو یہ ہے کہ آئے ہیں عیادت کر کے
(حسرت موہانی)

پھر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ — دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ
(مومن)

کس وقت پھر پرستشِ بیمار آئے وہ! — جب آنکھ سے بھی اپنی اشارہ نہ ہو سکا
(نورجہاں ناز)

وہ عیادت کے لئے آئے ہیں' لو اور سہی! — آج ہی خوبیٔ تقدیر سے حال اچھا ہے
(داغ)

کفن :-

شہیدِ ناز ہوں اس گُل بدن کا — گلابی رنگ ہو میرے کفن کا
(لا اعلم)

باغباں بُلبلِ کشتہ کو کفن کیا دینا — پیرہن گُل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر
(وزیر علی صبا)

لحد میں کیوں نہ جاؤں مُنہ چھپائے — بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں
(شاد عظیم آبادی)

حسرت اسکی جگہ تھی خوابیدہ — میر کا کھول کر کفن دیکھا
(میر)

گورِ غریباں :-

خدا معلوم یہ گورِ غریباں کیسی بستی ہے — کہ آبادی بڑھی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی
(لا اعلم)

نہ روتا ہے کسی کے حال پر کوئی نہ ہنستا ہے
بڑے آرام سے سوتے ہیں سب گورِ غریباں میں
(صفیؔ رمزا پوری)

دیکھ کر گورِ غریباں کو اجل یاد آئی
سونیوالوں نے کیا خواب سے بیدار مجھے
(احمرؔ سہارنپوری)

لاش :-

ہٹ رو اپنا مجھے کہتے ہیں مُسلماں اپنا
پڑ گئی ہائے یہ کس مفت کی تکرار میں لاش
(لا اعلم)

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی، اور وطن بھی چھوٹ گیا
(فانیؔ)

لوحِ تربت :-

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
(دردؔ)

عزیزو! سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
ہمیں نہیں، تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا
(اکبرؔ داناپوری عظیم آبادی)

ماتم :-

یادِ فانیؔ بخیر! کیوں، اے موت!
اُٹھ رہا ہے یہ شور ماتم کیسا!!
(فانیؔ)

وہ اٹھا شورِ ماتم، آخری دیدار میت کا
اب اٹھا چاہتی ہے لاش فانیؔ دیکھتے جاؤ
(فانیؔ)

مرتے ہیں میرؔ سب پہ نہ اس بیکسی کے ساتھ
ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کے
(میرؔ)

سحر ہونے کو ہے خاموش شبنم ہوتی جاتی ہے
خوشی منجملۂ اسباب ماتم ہوتی جاتی ہے
(جگر مرادآبادی)

کھل سے عشّاق کے ماتم میں تری زلفِ دراز
پردے پردے میں سنورتی ہے خدا جانتا ہے
(عنایت الرحمٰن عنایت موتی ہاری)

مرگِ ناگہاں :-

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے
(مومن)

اشارہ چشم کا تیرے یکایک اے قاتل
ہوا بہانہ مری مرگِ ناگہاں کے لئے
(ذوق)

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے
(غالب)

موت :-

میں تری حیرتِ معصوم کے صدقے یہ نہ پوچھ
موت کیوں درد کا درمان نظر آتی ہے!
(علی اختر اختر علی گڑھی)

خوش تو ہوں مر کے لیکن اے دعائے مستجاب
اک ذرا بے وقت یہ ارمان پورا ہو گیا
(آسی الدنی)

آ گئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق
جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا
(فانی)

تسکیں نے نام لیکے ترا وقت مرگ آہ!
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہیں
(تسکیں)

آج روزِ وصال ہے فانی — موت سے ہو رہے راز و نیاز
(فانی)

مشکل نظر آتا تھا گلا کاٹ کے مرنا — آخر یہ مہم بھی ترے جانباز نے سر کی
(محمد شفیع فردوسی بہاری عظیم آبادی)

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دارومدار — سو وہ بھی اُن کی اداؤں کے اختیار میں ہے
(فانی)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر، کہ میں — شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
(غالب)

اُمیدِ مرگ میں ہر فتنہ راحتِ جاں ہے — شبِ فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
(مومن)

لگا کے سینے سے شادابیوں کو سو جاتا — مجھے بہارِ جوانی میں موت آجاتی
(اختر انصاری)

زندگی سے تو خیر شکوہ تھا — مدتوں موت نے بھی ترسایا
(نریش کمار شاد)

اے اجل! ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے — آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا
(ناسخ)

ہوئے ہم جو مر کے رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا — نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا
(غالب)

مرگ اِک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
(میر)

اپنی ہستی کو غم و درد و مصیبت سمجھو — موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو
(شاد عظیم آبادی)

موت اُس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس — یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے
(محمود رام پوری)

آخر تڑپ تڑپ کر بیمارِ غم سدھارا — جو دن گذر رہا تھا، وہ دن گذر رہا تھا
(سید شاہ محمد شفیع فردوسی بہاری)

فنا کا ہوش آنا، زندگی کا دردِ سر جانا — اجل کیا ہے، خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
(چکبست)

عمر فانی ہے، تو پھر موت سے ڈرنا کیسا — اک نہ اک روز یہ ہنگامہ ہوا رکھا ہے
(آسی الدنی)

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے — جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو
(مومن)

مرنے کے بعد:-

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
(ذوق)

رہا زندہ در گور مرنے سے قبل — خدا جانے کیا ہوگا مرنے کے بعد
(نوح ناروی)

چین مر کر تہِ زمیں بھی نہیں — اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں
(ریاض)

وہ میرے بعد روتے ہیں، اب اُن سے کیا کوئی پوچھے — کہ پہلے کس لئے ناراض تھے، اب مہرباں کیوں ہو
(طالب باغپتی)

نبض :-

کیا دیکھتا ہے، ہاتھ مرا چھوڑ دے طبیب
یاں جان ہی بدن میں نہیں، نبض کیا چلے
(ذوقؔ)

کل تلک ہوتی تھی کچھ نبض میں گرمی محسوس
آج تو نبض ہی ہوتی نہیں اپنی محسوس
(آصف الدولہ آصفؔ)

نگاہِ شوق تھی شاید نگاہِ آخری اپنی
کہ اُن کے جاتے ہی نبضِ تمنّا چھُٹ گئی اپنی
(ماہر القادری)

نزع :-

ہنگامِ نزع دیکھ رہا ہوں جمالِ دوست
پردے اُٹھے ہیں، وقت ہے راز و نیاز کا
(آبادؔ عظیم آبادی)

اِک جلوۂ روشن ہے مرے نزع کا عالم
میں شعلۂ آخر ہوں چراغِ سحری کا
(مہدی حسن احسنؔ لکھنوی)

نزع کا وقت ہے، بیٹھے رہیئے
آپ اُٹھّے تو قیامت ہوگی
(صفیؔ لکھنوی)

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بیکسی کا تھا
تُم ہنس پڑے، یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا
(ریاضؔ)

قریب آؤ، کہ آساں ہو نزع کی مُشکل
دمِ اخیر ہے، اَب وقتِ امتحاں نہ رہا
(مضطرؔ مظفر پوری)

اُن کا وہ نزع میں ڈرنا، وہ اشارے میرے
تُم چلے جاؤ یہاں سے، مرا حال اچھّا ہے
(مرزا حیاؔ)

ہچکی :-

ہچکیوں پر ہو رہا ہے زندگی کا راگ ختم — جھٹکے دے کر تار توڑے جا رہے ہیں سازکر
(ناطق گلاوٹھی)

ہچکی کا تار ٹوٹ چکا، روح اب کہاں — زنجیر کھل کے گر پڑی، دیوانہ چھٹ گیا
(عزیز لکھنوی)

مے و میکدہ

بوتل :-

یہ کالی کالی بوتلیں جو ہیں شراب کی — راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی
(ریاض)

توبہ سے تو میری بوتل اچھی — جب ٹوٹی ہے جام ہوگئی ہے
(ریاض)

پیرِ مغاں :-

یہ کیا ستم ہے کہ پیرِ مغاں وہی ہے ابھی — نئی ہے بزم، نئی مئے، نئے ہیں پیمانے
(زہرہ نگاہ)

مدارِ میکدہ تھا، اب ہوں میں شیخِ حرم ناطق — کہیں ایسا نہ ہو پہچان لے کوئی یہاں مجھ کو
(حکیم ناطق لکھنوی)

پیمانہ :-

میں پیرِ مغاں سا رہبر، بغل میں ساقی سا ہمبستر — بڑے تکلّف سے آیا ساغر، بڑے تجمل سے جام نکلا
(شاد عظیم آبادی)

یہ چھلکتا ہوا کیا جام شراب آتا ہے اے میں قرباں! مرا عہدِ شباب آتا ہے
(ریاضؔ)

ساقیا ہے یہ جام کا عالم! جیسے ماہِ تمام کا عالم
(نواب سلیمان شکوہ سلیمانی)

زمیں پہ جام کو رکھ دے، ذرا ٹھہر ساقی میں اس پہ ہو لوں تصدّق تو پھر اُٹھاکے پیوں
(شادؔ عظیم آبادی)

غرق کردے تجھ کو زاہد تیری دنیا کو خراب کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے پیمانے میں ہے
(جگرؔ مرادآبادی)

کدھر سے برق چمکتی ہے، دیکھیں اے واعظ میں اپنا جام اُٹھاتا ہوں تو کتاب اُٹھا
(جگرؔ مرادآبادی)

شرر بطور ہے، جو موج ہے پیمانے میں بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں
(ریاضؔ)

مضطرب روح کوئی آگئی میخانے میں خود بخود مئے کو ہے گردش مرے پیمانے میں
(ناصریؔ)

خود گرے لیکن چھلکنے دی نہ مئے اپنے سر لے لیں بلائے جام کی
(اوجؔ)

آیا جو میکشی کو چمن میں وہ بادہ نوش ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا
(میر امان اسدؔ)

صد سالہ دورِ چرخ تھا، ساغر کا ایک دور نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
(کرامت اللہ خاں گستاخ رامپوری)

اِک جہاں سرشار ساقی تیرے میخانے سے ہے
کس قدر مجھ کو خجالت اپنے پیمانے سے ہے!
(بیتابؔ عظیم آبادی)

آخری جام میں کیا بات تھی ایسی ساقی!
ہوگیا پی کے جو خاموش، وہ خاموش رہا
(شادؔ عظیم آبادی)

میکشوں نے پی کے توڑے جام مے
ہائے وہ ساغر جو رکھے رہ گئے!
(آنند نرائن ملّاؔ)

تر دامنی :-

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
(دردؔ)

ذکرِ خورشیدِ قیامت سن کے واعظ کیا کہوں!
خیر، اس تر دامنی کو روزِ محشر دیکھنا
(فانیؔ)

تشنہ کامی :-

ابھی اس رند کو آتے نہیں آدابِ میخانہ
جو اپنی تشنگی کو فیضِ ساقی کی کمی سمجھے
(آلِ احمد سرورؔ)

دُور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم
(نظیرؔ اکبر آبادی)

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں
ہم ان میں ہیں جو دُور سے ترسائے جاتے ہیں
(ریاضؔ)

میں، اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں!
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
(غالبؔ)

آج پی کر بھی وہی تشنہ لبی ہے ساقی! لطف میں تیرے کہیں کوئی کمی ہے ساقی!!
(آل احمد سرور)

توبہ :-

ہم نے برسات کے موسم میں جو چاہی توبہ ابر اس زور سے گرجا، کہ الٰہی توبہ!
(لا اعلم)

کروٹیں لیتی ہے پھولوں میں شراب ہم سے اس وقت میں توبہ ہوگی!
(علی اختر اختر)

توبہ کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال منھ مرا دیکھ کے رہ جائیگا ساغر میرا
(ریاض)

وہ کون ہیں جنہیں توبہ کی مل گئی فرصت ہمیں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے
(آنند نرائن ملّا)

ساقی و واعظ میں ضد ہے، بادہ کش چکّر میں ہے توبہ لب پر، اور لب ڈوبا ہوا ساغر میں ہے
(احسن مارہروی)

تو تو زاہد مجھے کہتا ہے کہ توبہ کر لے کیا کہوں گا جو کہیگا کوئی پینا ہوگا
(مبارک عظیم آبادی)

میکدے میں کبھی توبہ کو جو آتے دیکھا ایک دیوار کھڑی ہو گئی پیمانوں کی
(نوح ناروی)

جام مئے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے
(ریاض)

میری توبہ بھی کوئی توبہ ہے جب بہار آئی توڑ ڈالی ہے
(جلیل مانکپوری)

جلاؔل عہدِ جوانی ہے، دو گے دل سو بار — ابھی کی توبہ نہیں اعتبار کے قابل
(جلاؔل)

ہائے سیمابؔ! اُس کی مجبوری — جس نے کی ہو شباب میں توبہ
(سیمابؔ)

ساقی! ہماری توبہ تجھ پر ہے کیوں گوارا — منّت نہیں تو ظالم! ترغیب یا اشارا
(سوداؔ)

کی ترکِ مئے تو مائلِ پندار ہو گیا — میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا
(داغؔ)

بعدِ توبہ بھی وہی یاد ہے میخانے کی — گردش آنکھوں میں پھرا کرتی ہے پیمانے کی
(حفیظؔ جونپوری)

اُٹھا دیا جو خرابا تیوں نے محفل سے — خدانخواستہ میں تارکِ شراب نہ تھا
(جلاؔل)

مئے گلرنگ نہ دے ساقیِ بزمِ عشرت — اشکِ خوں دیکھ مرے، باعثِ انکار نہ پوچھ
(تلوک چند محرومؔ)

یہ کم نہیں ہے بڑھاپے میں ہمنے توبہ کی — تمام عمر میں ہم نے یہ ایک کام کیا
(ریاضؔ)

خُم مئے:-

ساقیا! اِس میں کھنچی ہے کسی مجذوب کی رُوح — کوئی کھینچے لئے جاتا ہے سُوئے خُم مجھ کو
(داغؔ)

سال پلٹے لے کے خم پھیری کو نکلے ہیں ریاضؔ — میکدے کچھ وقف ہیں ان شاہ جی کیواسطے
(ریاضؔ)

دُعائے رند :-

آتا ہوں پیرِ دیر کی خدمت سے مست میں
ہاں زاہدو! تمہارے لئے کیا دُعا کروں؟
(شیفتہ)

مری شراب کی کیا تجھ کو قدر اے واعظ
جسے میں پی کے دُعا دوں وہ جنتی ہو جائے
(ریاض)

رِند :-

کامل اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رِندانِ قدح خوار ہوئے
(آرزو لکھنوی)

قدر مجھ رِند کی تجھ کو نہیں اے پیرِ مغاں
توبہ کرلوں تو کبھی میکدہ آباد نہ ہو
(ریاض)

ہمیں نہ رِند یہ واعظ کی بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے، دو چار دس کی بات نہیں
(اسد ملتانی)

رِند فارغ بھی ہوئے جام سحرگاہی سے
اور واعظ ابھی آہنگ طہارت میں نہیں
(شیفتہ)

گدائے میکدہ تھا اب ہوں میں شیخِ حرم ناطق
کہیں ایسا نہ ہو پہچان لے کوئی یہاں مجھ کو
(حکیم ناطق)

مجھے آتا ہے رشک اس رِندِ مئے آشام پر ساقی
نہ جو درع ماکدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے
(ذوق)

رِندی و مستی :-

عَلَم کھول کر جوشِ بد مستیوں کے
جہاں داریاں کر، جہاں بانیاں کر
(جوش ملیح آبادی)

ارض و سما کو ساغر و پیمانہ کر دیا　　رندوں نے کائنات کو میخانہ کر دیا
(جوش ملیح آبادی)

ناے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خم رکھدی　　جہاں ساغر ٹپکا ہیں چشمۂ زمزم اُبلتا ہے
(ریاض)

رند جو ظرف اٹھالیں وہی گوزہ بن جائے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے
(اصغر گونڈوی)

اتھ سے کس نے ساغر ٹپکا، موسم کی بےکیفی پر　　برسا اتنا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی
(آرزو لکھنوی)

ستم زاہد پیمانہ شکن سے نہیں کم　　ایسی مستی کہ جو غارت گرِ میخانہ بنے
(شاد عظیم آبادی)

زاہد:-

جہاں میں ہو زاہد، ترے در پہ ہم ہیں　　محل اپنا اپنا مقام اپنا اپنا
(شاد عظیم آبادی)

دیکھنا پیرِ مغاں، حضرت زاہد تو نہیں!　　کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجھ کو
(داغ)

ساقی:-

تھرّا رہا ہے دعوئ پندار و اتقا　　آتا ہے کوئی ساغر و مینا لیئے ہوئے
(دل شاہجہانپوری)

بے پیئے نام تک نہیں لیتا　　مجھ کو یہ احترام ساقی ہے
(نوح ناروی)

مئے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں — جی میں آتا ہے لگا دیں آگ مینا نے کو ہم
(نظیر اکبرآبادی)

سرور و مستی :-

کس غضب کی ہوا میں مستی ہے — کہیں برسی ہے آسمان سے آج
(ریاض)

اس محفل کیف و مستی میں اس انجمن عرفانی میں — سب جام بکف بیٹھے ہی رہے، ہم پی بھی گئے چھلکا بھی گئے
(مجاز)

وہ سرخوشی دے کہ زندگی کو شراب سے بہرہ یاب کر دے — مرے خیالوں میں رنگ بھر دے، مرے لہو کو شراب کر دے
(حفیظ جونپوری)

چال ہے مست، نظر مست، ادا میں مستی — جیسے آتے ہیں وہ لوٹے ہوئے میخانے کو
(جلیل مانکپوری)

لوگ کہتے ہیں رات بیت چکی — مجھ کو سمجھاؤ، میں شرابی ہوں
(ساغر صدیقی)

بہ دیر جاکے ہوا ختم سلسلہ اس کا — چلی جو اہل خرابات میں سرور کی بات
(حسرت موہانی)

شراب :-

ان نگاہوں سے کوئی کہہ دیتا — ہم جو راز شراب سمجھے تھے
(پروفیسر ڈاکٹر محسن عظیم آبادی)

انگور میں تھی یہ مئے پانی کی چند بوندیں — جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے
(امیر مینائی)

خبر اتنی تو ہے شیشے سے پیمانے میں آتی ہے
خدا جانے کہاں سے کھنچ کے میخانے میں آتی ہے
(مبارک عظیم آبادی)

زاہد! شرابِ ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
اکسیر ہے جو حلق کے نیچے اُتر گئی
(داغ)

موجوں کا عکس ہے خطِ جامِ شراب میں
یا خوں اُبل رہا ہے رگِ ماہتاب میں!
(اصغر گونڈوی)

بڑی احتیاط طلب ہے وہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے
جو چھلک گئی تو چھلک گئی جو بھری رہی تو بھری رہی
(بینظیر شاہ)

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں
(داغ)

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور
کیا چیز حرام ہو گئی ہے!
(ریاض)

مئے سے پرہیز ہے شیخ توبہ کرو
اک یہی چیز تو ہے پینے کی
(عبدالطیف تپش لاہوری)

ہزار تلخ ہے، پیرِ مغاں نے جب دی ہے
خدا نہ کردہ جو میں مُنہ بنا بنا کے پیوں
(شاد عظیم آبادی)

ساقیا تشنگی کی تاب نہیں
زہر دیدے اگر شراب نہیں
(داغ)

بڑے عذاب میں ہے جانِ میکشاں ساقی!
نہیں شراب تو ذکرِ شراب رہنے دے
(حسرت موہانی)

عید میں بھی شراب سے انکار کچھ یہ حسرت مہِ صیام نہیں
(حسرت موہانی)

یار پیمانے اگر کر گئے خالی ، کیا غم اب بھی ابر آتا ہے ، اور خم میں شراب اور بھی ہے
(پنڈت دتاتریہ کیفی)

سچ کہا تھا تو نے زاہد ، زہرِ قاتل ہے شراب ہم بھی کہتے تھے یہی جب تک بہار آئی نہ تھی
(جلیل مانکپوری)

میں نے دیکھے ہیں بہت خونِ تمنّا کے رنگ ساقیا ! دے نہ فریبِ مئے گلفام مجھے
(تلوک چند محروم)

مَے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو اِک گو نہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
(غالب)

گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں مجھ بلا نوش کو شراب کہاں
(میر)

خُدا کے سامنے اے محتسب ! سچ بولنا ہوگا مرے ساغر میں مَے دیکھی تھی یا خُوں ناب دیکھا تھا
(مبارک عظیم آبادی)

اے ذوقؔ ! دیکھ دخترِ رز کو نہ مُنہ لگا چُھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی
(ذوقؔ)

شراب طہور :-

اچھی کہی ، ملے گی شرابِ طہور کل ترسو جنابِ شیخ ! کہاں تم کہاں شراب !
(حفیظ جونپوری)

واعظ نہ تُم پیو ، نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی !
(غالب)

شکست توبہ :-

بہار جام بکف جھومتی ہوئی آئی
شکستِ توبہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے!
(دل شاہجہانپوری)

اپنے ہاتھوں سے دیا یار نے مینا مجھ کو
رخصت اے توبہ، کہ لازم ہوا پینا مجھ کو
(عبد المنان بیدل عظیم آبادی)

سامان سب نشے آج، خدا نے بچا لیا
توبہ کے بعد کچھ مری نیت چمن میں تھی
(ریاض)

چلے ہیں دیر کو، مدت میں خانقاہ سے ہم
شکستِ توبہ لئے ارمغاں، مغاں کیلئے
(ذوق)

شیخ و واعظ :-

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ! اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابا تی کیا تجھکو مناجاتی
(لالہ ٹیکچند بہار)

تجھ کو مسجد ہے، مجھ کو میخانہ
واعظا! اپنی اپنی قسمت ہے
(میر)

یہ مسجد ہے، یہ میخانہ، تعجب اس پہ آتا ہے
جنابِ شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی
(سائل دہلوی)

گلہ کچھ نہیں مجھکو واعظ سے لیکن
یہ کون آپ کا تذکرہ کرنے والے!
(بیتاب عظیم آبادی)

ناتجربہ کاری سے واعظ کی یہ باتیں ہیں
اس رنگ کو کیا جانے، پوچھو تو کبھی پی ہے
(اکبر الہ آبادی)

وہ آ رہا ہے عصا ٹیکتا ہوا واعظ ‏ ‏ بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے
(ریاضؔ)

اٹھاؤ میز سے مئے و ساغر ریاضؔ جلد ‏ ‏ آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے
(ریاضؔ)

پھینکئے کیوں مئے ناقص ساقی! ‏ ‏ شیخ صاحب کی ضیافت ہی سہی
(سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور)

جناب شیخ نے جب پی، تو منہ بنا کے کہا ‏ ‏ مزہ بھی تلخ ہے، کچھ بُو بھی خوشگوار نہیں
(ریاضؔ)

منہ چھپائے ہوئے میخانے سے جاتے ہیں وہ شیخ ‏ ‏ میکشو! ہیں یہ بڑے مرشدِ کامل، لینا!
(داغؔ)

اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی ‏ ‏ گرہ میں دام نہ ہوں گے، اُدھار پی ہوگی
(ریاضؔ)

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید ‏ ‏ مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا
(ریاضؔ)

الٰہی! شیخ کی دستار کو سلامت رکھ ‏ ‏ عجیب چیز ہے رندوں کی دلگی کیلئے!
(مضطرؔ مظفر پوری)

واعظ نگاہِ نازِ بتاں، فتنہ گر تو ہے ‏ ‏ لیکن تری زباں کی طرح فتنہ گر نہیں
(قاسم صہبا شیخوپوری مونگیر)

صدا (میکش کی):۔

بھلا ہو پیرِ مغاں کا، ادھر نگاہ ملے ‏ ‏ فقیر ہیں، کوئی چُلّو خدا کی راہ ملے
(داغؔ)

آباد یہ میکش رہیں، ساقی کا بھلا ہو
پھر قلقلِ مینا کی بلند آج صدا ہو
(منشی اننت رام الفت)

صراحیِ مے :-

وہ سامنے دھری ہے صراحی بھری ہوئی
دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں
(حفیظ جالندھری)

ساقی! بطِ شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
خم سے الگ، ایاغ سے دُور، اور شکستہ پَر
(ذوق)

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی، صراحیِ مے لا
(انشا)

ظرف و کم ظرفی :-

وہ جام ہوں جو خونِ تمنا سے بھر چکا
یہ میرا ظرف ہے کہ چھلکتا نہیں ہوں میں
(فنا لکھنوی)

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
خم و سبو کی بھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد
(آسی الدنی)

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طُور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر
(غالب)

میکشو! مئے کی کمی بیشی پہ ناحق جوش ہے
یہ تو ساقی جانتا ہے، کس کو کتنا ہوش ہے
(ناطق لکھنوی)

کرمِ ساقی :-

چاہے تو گدائے درِ میخانہ کو ساقی
اِک جام میں سرحلقۂ میخانہ بنا دے
(علی اختر اختر)

پیہم دیا پیالۂ مے، برملا دیا
ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
(حسرت موہانی)

مہرباں ساقیٔ محفل کو جو دیکھا ہے روشؔ
اب یہ غم ہے کہ ہر اک جام ہمیں تک پہنچے
(روشؔ صدیقی)

یہ صراحی، یہ فروغِ مئے گلرنگ، یہ جام
چشمِ ساقی کی عنایت کے سوا کچھ بھی نہیں
(ماہر القادری)

نہ مے کم ہے، نہ اپنے ظرف سے کچھ بیش ہے ساقی
عنایت تیری کتنی مصلحت اندیش ہے ساقی!
(کلیم الدین عاجز)

کوثر :-

ہوں وہ رند یا صوفی، مست اسکی دھن میں ہیں
جانے کتنے میخانے بھر دیئے ہیں کوثر میں
(دتاتریہ کیفی دہلوی)

شراب خانے میں کوثر کا ذکر، کیا کہنا
کسی کی عقل میں جیسے فتور آ جائے!
(غلام ربانی تاباں)

ارے ساقی، ذرا میری شراب تلخ تو لانا
مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے!
(ڈاکٹر عظیم الدین احمد)

لغزشِ رفتار :-

میں فدا لغزشِ رفتار پہ اپنی اے شادؔ
دور سے دیکھ کے اس نے مجھے پہچان لیا
(شادؔ عظیم آبادی)

خوشی میں اپنے قدم چوم لوں زیبا ہے
وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا!
(یگانہ)

قدم اُٹھا کے مرا تلملا کے رہ جانا!! جھکا کے سر کو ترا مسکرا کے رہ جانا!!
(شاد عظیم آبادی)

گرایا پائے ساقی پر نشے میں ترا اے لغزشِ پا پوچھنا کیا!
(حسرت موہانی)

گرتے گرتے اُن کا دامن تھام لی گرنے والے لغزشوں سے کام لی
(میکش حیدر آبادی)

فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہمکو سنبھالے ہیں ہمیں کچھ آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے
(ریاض خیرآبادی)

اُمید کرم کی ہے ادا میری خطا میں اِک بات نکلتی ہے مری لغزشِ پا میں
(فانی)

لرز گئی تری لَو، میرے ڈگمگانے سے چراغِ گوشۂ کوئے حبیب کیا کہنا!!
(مجید امجد)

محتسب :-

محتسب کی خیر، اُونچا ہے اُسی کے فیض سے رند کا، ساقی کا، مَے کا، خم کا، پیمانے کا نام
(فیض احمد فیض)

محتسب گرچہ دل آزار ہے میخواروں کا دیجئے اِک جام تو ہے یار ابھی یاروں کا
(ذوق)

محتسب! آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں دل نہ تھا کوئی جو شیشے کی طرح چور نہ تھا
(میر درد)

میکدہ واہلِ میکدہ :-

دُکان مے پہ پہنچ کر کھلی حقیقتِ حال
حیات بیچ رہا تھا، وہ مے فروش نہ تھا!
(جلیل مانک پوری)

یہ میکدے کی بِھیڑ، یہ انبوہ، یہ ہجوم
ہم تو نکل کے کھوئے گئے خانقاہ سے
(ریاضؔ)

یہ میکدہ ہے، ترا مدرسہ نہیں واعظ
یہاں شراب سے اِنساں بنائے جاتے ہیں
(ساغرؔ نظامی)

شیخ نے کعبہ، برہمن نے دَیر
درِ میخانہ ہم نے تاکا ہے
(امراؤ جان ادؔا لکھنوی)

مَر گئے، پھر بھی تعلق ہے جو میخانے سے
میرے حِصّے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے
(ریاضؔ)

وہ رنگ زاہدِ شب زندہ دار کیا جانے!
جو اہلِ میکدہ پچھلے پہر کو دیکھتے ہیں
(فراقؔ گورکھپوری)

میخانہ سلامت ہے تو ہم سرخیٔ مئے سے
تزئینِ در و بامِ حرم کرتے رہیں گے
(فیض احمد فیضؔ)

یہ اور بات ہے وہ ذوقِ میکشی نہ رہا
قدم قدم پہ ہزاروں ہیں ورنہ میخانے
(سید شاہ عبدالحمید حمیدؔ عظیم آبادی)

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے تک
عصا ٹیکتے کیا ریاضؔ آ رہے ہیں
(ریاضؔ)

بعد اک عمر کے میخانے میں آئے ہیں ریاضؔ
آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا!
(ریاضؔ)

مسجد میں بُلاتے ہیں ہمیں زاہدِ نافہم
ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے
(امیر)

پاک طینت ہیں میکدے کے لوگ
ڈھونڈھنے سے ملیں گے ایسے لوگ
(حفیظ جونپوری)

مے نوشی:-

آرزو! جام لو، جھجک کیسی!
پی لو اور دہشتِ گناہ گئی
(آرزو لکھنوی)

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے
زاہد نہیں، میں شیخ نہیں، کچھ ولی نہیں
(انشا)

یوں تو پیتا نہیں، پی لیتا ہوں گاہے گاہے
وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کے لئے
(جلال)

ہم اگر کبھی یارانِ بادہ خوار ہوئے
تو ایک جام کے ہم بھی گناہگار ہوئے
(آزاد انصاری)

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں ڈالا، چوری تو نہیں کی ہے
(اکبر الہ آبادی)

ناطق بغیرِ مے ہے مری زندگی حرام
خود اپنی میکشی پہ دلیلِ جواز ہوں
(ناطق لکھنوی)

میکدہ ہے یہ سمجھ بوجھ کے پینا اے رند!
کوئی گرتے ہوئے پکڑے گا نہ بازو تیرا
(شاد عظیم آبادی)

مغبچے ہیں متحیّر، متبسّم ساقی
پینے والے! تجھے پینے کا نہ انداز آیا
(شاد عظیم آبادی)

ڈھلتی ہے ساتھ خضر کے سبزہ کے فرش پر
جُھکتے ہیں آ کے وہ بھی لبِ جُو کبھی کبھی
(ریاضؔ)

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں
(ریاضؔ)

گردشِ جام نہیں رُک سکتی
ہو بھی لے گردشِ دوراں گزرے
(عابد علی عابدؔ)

صحنِ چمن اور بادہ پرستی، رات کا منظر عالمِ مستی
قدموں پہ ساغر، سر پہ گھٹائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے
(اخترؔ شیرانی)

عادت سی ہے، نشہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا، شراب پی لی
(ریاضؔ)

نہ ہم ہوش میں مے پرستی سے گزرے
ہوئے جبکہ بے ہوش مستی سے گزرے
(میر حسنؔ)

قباحت پینے میں نہیں، پی کر بہکنا جُرم ہے
میں نے سمجھا ہی نہیں دستورِ میخانہ ابھی
(مخمورؔ دہلوی)

اتنی پی ہے کہ بعدِ توبہ بھی
بے پیے بے خودی سی رہتی ہے
(ریاضؔ)

غالبؔ چُھٹی شراب، پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں
(غالبؔ)

مُفت کی پیتے تھے مے لیکن نہ سمجھے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
(غالبؔ)

پلانے کی پینے سے زیادہ خوشی ہے
مرے ہاتھ سے آج ساقی نے پی ہے!!
(لا اعلم)

نگاہِ ساقی :-

بس رفع اب خیالِ مئے و جام ہو گیا
ساقی بہ یک نگاہ مرا کام ہو گیا!
(آثر لکھنوی)

اثر نہ پوچھئے ساقی کی مست آنکھوں کا
یہ دیکھئے کہ کوئی ہوشیار باقی ہے!
(بیتاب عظیم آبادی)

عجب نگاہ سے ساقی نے بند و بست کیا
شراب بعد کو دی پہلے سب کو مست کیا
(لا اعلم)

وہ میگسار تھی ساقی نگاہِ مست تری
تمام بزم میں جامِ شراب ہو کے پھری
(شفق عمادپوری)

میں سمجھتا ہوں تری عشوہ گری کو ساقی!
کام کرتی ہے نظر، نام ہے پیمانے کا
(جلیل مانکپوری)

قربان ترے میکش، ہاں اے نگہ ساقی!
تو صورتِ مستی ہے تو معنیٔ میخانہ
(اصغر گونڈوی)

کچھ اس نگاہ سے دیکھا تھا مجھ کو ساقی نے
چھٹی شراب، مگر شانِ بیخودی نہ گئی
(علی اختر اختر)

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے
(شاد عظیم آبادی)

نگاہ ناز سے ساقی کا دیکھنا مجھ کو!
پھر اپنے ہاتھ میں ساغر اٹھا کے رہ جانا!
(شاد عظیم آبادی)

نہ یہ شیشہ نہ یہ ساغر نہ یہ پیمانہ بنے
جانِ میخانہ تری نرگسِ مستانہ بنے
(اصغر گونڈوی)

ساقی کی چشمِ مست پہ مشکل نہیں نگاہ
مشکل سنبھالنا ہے دلِ بے قرار کا
(رشا عظیم آبادی)

مست باش، اے نگاہِ بادہ فروش
ہوگئے کتنے میکدے برباد
(جوش ملیح آبادی)

ناصح

پند و نصیحت :-

ناصح اس طرح سے سمجھاتے ہیں ہم کو آسی
جیسے پائی ہی نہیں فطرتِ انساں ہم نے!
(آسی الدنی)

جنابِ شیخ نے یوں کیں نصیحتیں مجھ کو
کہ جیسے عشق مرا فعلِ اختیاری ہے!
(بیتاب عظیم آبادی)

رہنے دے ناصحِ غمخوار نصیحت اپنی
اس کی الفت میں مرا حال جو ہوگا ہوگا
(عبدالمنان بیدل عظیم آبادی)

ہوش آئے بھی تو کیونکر ترے دیوانے کو
ایک جاتا ہے تو دو آتے ہیں سمجھانے کو!
(ہوشیار میرٹھی)

دوستو! مجھ کو محبت میں نصیحت نہ کرو
اور کچھ روز اسی طرح گذر جانے دو
(ماہر القادری)

میرے سمجھانے سے بہتر ہے یہی
حضرت ناصح انہیں سمجھائیں آپ!
(مضطر مظفر پوری)

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا!
(غالب)

ناصح :-

مِلے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدّعا کے لئے
(داغ)

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
(مومن)

ناصح میں اور ہم میں ہیں یہ طُرفہ صحبتیں
ہم کچھ نہیں سمجھتے، وہ سمجھائے جاتے ہیں
(جراٴت)

اتنا تو بتا دے مجھے اے ناصحِ مشفق!
دیکھا ہے کہ اس ماہ لقا کو نہیں دیکھا؟
(داغ)

ناصحا! دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ نادان سہی تجھ سے بھی ناداں ہونگے!
(مومن)

مجھے یاد ہے اپنا انجام ناصح!
یہی اک روز مر جاؤں گا، بس یہی نا!
(حفیظ جالندھری)

ناصح کی ایک بات کے سو سو جواب ہیں
لیکن مجھے ہے بات بڑھانے سے احتیاط
(مضطر مظفرپوری)

ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گذری ہے
(فیض احمد فیض)

ہے خبر گرم کہ پھرتا ہے گُریزاں ناصح
گُفتگو آج سرِ کوئے بُتاں ٹھہری ہے
(فیض احمد فیض)

نجات ہو گئی ناصح سے عمر بھر کے لئے
اسی کو بھیج دیا یار کی خبر کے لئے

(جلالؔ)

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنّت میں ہمیں ناصح مغفور ملے

(ریاضؔ)

ہم حال کہے جائیں گے سُنئے کہ نہ سُنئے
اتنا ہی تو یاں صحبت ناصح کا اثر ہے

(مومن)

نیند

تعبیر خواب و خواب :-

خواب ہی میں نظر آتا وہ شبِ ہجر کہیں
سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

(ناسخؔ)

اِک ناتمام خواب مکمل نہ ہو سکا
آنے کو زندگی میں بہت انقلاب آئے

(عندلیب شادانی)

التفاتِ یار تھا اک خواب آغاز وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

(حسرت موہانی)

بغل میں ہم نے رات اک غیرتِ مہتاب دیکھا ہے
نہیں تعبیر ہو اس خواب کی، کیا خواب دیکھا ہے

(مبارک عظیم آبادی)

خوابِ ناز :-

جیسے حُسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے
نیم واسی آنکھوں میں اف وہ کیف خواب اُن کا!

(جگر مراد آبادی)

ہے چشمِ نیم باز عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے
(خواجہ وزیر)

اِس گھڑی دیکھو ان کا عالم
نیند سے جب ہوں آنکھیں بھاری
(آثر لکھنوی)

کلوں کی گود میں جیسے نسیم آ کر مچل جائے
اسی انداز سے ان پُر خمار آنکھوں میں خواب آیا
(آثر لکھنوی)

خواب نوشیں میں ہے وہ جانِ بہار
نور و نکہت کی داستانِ خموش
(اختر شیرانی)

رنگ سونے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حُسن کی بیداری کا
(حسرت موہانی)

دمِ خواب ہے دست نازک جبیں پر
کرن چاند کی گود میں سو رہی ہے
(آثر لکھنوی)

کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے
حُسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے
(ساغر نظامی)

نا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
میں نہیں چاہتا کہ اپنی شبِ دراز میں
(مومن)

نیند :-

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
(غالب)

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اس سے آنکھیں لڑیں تو خواب کہاں
(میر)

ہوتی نہیں ہے صبح، نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں
(سودا)

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے
(افسر میرٹھی)

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
(غالب)

وفا و جفا

امتحاں :-

بات اب امتحاں پہ آئی ہے
قِصّہ کوتاہ، جاں پہ آئی ہے!
(مرزا عسکری)

بدنام ہو گئے، جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو
(لا اعلم)

بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اپنی جان کہیں
(میر محمد آثر)

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیئے ستانے کو
(مومن)

امتحاں کیا ہے مرا، میں کسی لائق ہی نہیں
خوب تم کو تو ہے بندے کی حقیقت معلوم
(نظام رامپوری)

امتحاں اور بھی باقی ہیں وہ یوں ہوتے ہیں
یہ بھی انداز ہے، مجھ سے انہیں نفرت کیسی!
(داغ)

ہواری وفا سے اُلجھنے لگا تھا دم
خوش ہوں کہ تم نے قصد کیا امتحان کا
(اثر لکھنوی)

کوئی اور طرزِ ستم سوچئے
دل اب خوگر امتحاں ہو گیا
(علی اختر اختر)

کوئی حد بھی ہے آخر امتحاں کی
الٰہی خیر قلبِ ناتواں کی
(گوپی ناتھ امن)

کرم ہے اس کا جو عشق و ہوس پہلو بہ پہلو ہیں
یہ دُنیا ورنہ اس کی اِک نگاہِ امتحاں تک ہے
(ناطق لکھنوی)

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
(میر)

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے
(حالی)

لو امتحان تم مرے نالوں کا شوق سے
کیوں ڈر کے آسمان کے نیچے سے ہٹ گئے!
(جلال)

سمجھ کے عشق میں لو امتحانِ بخت جلال
تم، اور حوصلہ تقدیر آزمائی کا
(جلال)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
(اقبال)

التفات :-

تیرے اس التفات کا ہوں غلام
جو ہوا بھی تو بر ملا نہ ہوا
(حسرت موہانی)

اللہ رے بے نیازیِ آدابِ التفات!
دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا
(فانی)

آنکھوں میں ہے لحاظ، تبسّم فزا ہیں لب
شکرِ خدا کہ آج تو کچھ راہ پر ہیں آپ
(اصغر علی خاں نسیم دہلوی)

خطا معاف، مری بےکسی پہ کرکے نظر
کچھ اور حوصلۂ غم بڑھا دیا تو نے
(آثر لکھنوی)

اے التفاتِ یار مجھے سوچنے تو دے
مرنے کا ہے مقام کہ جینے کا ہے محل!
(عابد علی عابد)

اظہارِ التفات کے پردے میں اور بھی
وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر گئے
(حسرت موہانی)

واقف ہیں خوب آپ کے طرزِ جفا سے ہم
اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجئے
(حسرت موہانی)

پامال اک نظر میں ثبات و قرار ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے
(مومن)

اے چشمِ التفات کے مارے ہوئے سنبھل
یہ حسنِ اتفاق ہے، حسنِ نظر نہیں
(راقم لکھنوی)

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریِ دل
التفات اُن کی نگاہوں نے دوبارا نہ کیا
(حسرت موہانی)

سمجھے گا اس کا درد کون شورشِ کائنات میں
تم نے جسے مٹا دیا، پردۂ التفات میں
(جوش ملیح آبادی)

ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل — رائیگاں سعیِ التفات گئی

(جگر مرادآبادی)

اِلتجائے التفات :-

خود بھی تیرے غرورِ حُسن کی عظمتوں کا خیال ہے — مگر اک نگاہِ کرم کہ اب مری زندگی کا سوال ہے!

(شکیل بدایونی)

کچھ تو میری ناصیہ سائی پر التفات — اتنا نیاز عشق کو رسوا نہ کیجئے

(دل شاہجہانپوری)

اے خیالوں کے مکین! نظروں سے دور! — میری ویران خلوتیں آ یاد کر

(احسان دانش)

او دامن اٹھا کے جانے والے! — ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھالے

(مصحفی)

کبھو تو مہرباں ہو ہم پہ اے بُت — کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

(آشنا)

اک بار ہنس کے بول سخن ورنہ حشر تک — جوں برق بیقرار رہیں گے کفن میں ہم

(ولی دکنی)

لطف سے کیجئے ادھر بھی تو نگاہے گاہے — شاد ہر لحظہ نہیں کرتے تو گاہے گاہے

(مرزا احسن علی احسن)

پوچھو مجھے کہ دہر میں اک کسمپرس ہوں — دیکھو مجھے کہ ہیچ ہوں سب کی نگاہ میں

(عبرت گورکھپوری)

احتیاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے — مگر ہاں، دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

(اکبر الٰہ آبادی)

نگاہِ کج سے ہی اے شہسوار، دیکھ تو لے　　پڑا ہوا کوئی اُمیدوار راہ میں ہے
(عطا کریم عطاؔ بہاری عظیم آبادی)

گُل پھینکے ہے عالم کی طرف، بلکہ ثمر بھی　　اے خانہ برانداز چمن کچھ تو اِدھر بھی
(سوداؔ)

بیداد و ستم و ستمگر:-

تو بیدا من ہے بیداد دوست جاں کیلئے　　رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے
(غالبؔ)

ستم ہی کرنا، جفا ہی کرنا، نگاہِ اُلفت کبھی نہ کرنا　　تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی، ہمارے حق میں کمی نہ کرنا
(داغؔ)

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو　　پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو
(دردؔ)

ہم رضا شیوہ ہیں تاویلِ ستم خود کرلیں گے　　کیا ہوا اُن سے اگر بات بنائی نہ گئی
(حسرتؔ موہانی)

اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتی　　سعیِ تاویل خیالات پہ چلی جاتی ہے!
(حسرتؔ موہانی)

اُن سے اور مجھ سے یہی شرطِ وفا ٹھہری ہے　　وہ ستم ڈھائیں، مگر اُن ستمگر نہ کہوں
(سوزؔ داناپوری)

پیمانِ وفا:-

جب کسی سے کوئی پیمانِ وفا کرتا ہے　　کانپ اُٹھتا ہوں کہ میرا ہی سا انجام نہ ہو
(عندلیب شادانی)

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں
اس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں
(ریاضؔ)

آتے آتے ترے لب تک جو تبسّم بن جائے
اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو پیماں کوئی
(ریاضؔ)

اس قدر جلد جو پیمانِ وفا توڑ دیا
آپ ہی کہیئے بھلا آپ کو زیبا ہے یہی
(حسرتؔ موہانی)

اہلِ غم کو تیرا پیمانِ وفا
یاد تو کیا ہے، مگر بھولا نہیں
(فراقؔ گورکھپوری)

جَور و جفا:-

یہ چلن کس نے سکھائے، یہ طریقے کس نے
آ گئیں جور و جفا کی تمہیں راہیں کیونکر؟
(داغؔ)

ہاتھ میں خنجر، کمر میں تیغ تیز
یہ ارادے ایک مُشتِ خاک پر!
(داغؔ)

ہم بھی آخر خدا کے بندے ہیں!
کوئی حد بھی ہے، او ستم ایجاد!
(جوشؔ ملیح آبادی)

ہوا ہو سہو تو پھر خوب یاد کر لیجئے
کہ رہ نہ جائے ستم کوئی آسماں کے لئے
(میاں جان صغیرؔ دہلوی)

یہ اپنی وفا کا عالم ہے، اب ان کی جفا کو کیا کہیئے
اک نشترِ زہرآگیں رکھکر نزدیک رگِ جاں بھول گئے
(مجازؔ)

کیا تمہیں اندازۂ دردِ محبّت ہو گیا
چشم بد دور، اب ستم حد سے سوا ہونے لگے
(فانیؔ)

جفا سے باز نہ آئے تم، اور کیوں آتے
کہ ہم سے ترکِ وفا کا خیال ہو نہ سکا
(حسرت موہانی)

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
(مومن)

جورِ پیہم نہ کرے شانِ توجہ پیدا
دیکھ، بد نام نہ ہو نام ستمگاری کا
(حسرت موہانی)

اُلٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
نا طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ
(مومن)

ہم نے تیری جفا کے پردے میں
دل پہ خود بھی بہت ستم ڈھائے
(نریش کمار شاد)

جور کو جور بھی اب کیا کہیئے
خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں
(فانی)

محبت میں یہ بے رحمی کہ جینا ہو گیا مشکل
خدا نا کردہ کیا ہوتا، جو وہ کافر عدو ہوتا!
(شیخ امیراللہ تسلیم)

کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا
(شیفتہ)

جفائے یار کا دل کو ملال آ ہی گیا
ہزار دھیان کو ٹالا خیال آ ہی گیا
(شاد عظیم آبادی)

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو
کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا
(شاہ حاتم)

کرتو ئے جفا نہ یک بیک ترک کیا جانئے مجھ پہ کیا گذر جائے
(فانی)

ہر اک ظلم کی اک الگ نوعیت ہے کسے بھول جائے، کسے یاد کرتے
(کلیم الدین عاجز)

گلۂ کم التفاتی :-

سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما اس طرف کو کبھی گذر نہ کیا
(میر درد)

اک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن اس میں بھی تم کو ہے تامّل سا
(میر)

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے
(ضیاء الدین ضیا)

داغ کو تجھ سے مری جان یہ امید نہ تھی جھوٹے منہ سے بھی نہ پوچھا کہ پریشاں کیوں ہو
(داغ)

ہم تو مر بھی گئے سامانِ عزا ہوتا ہے تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ یہ کیا ہوتا ہے
(صفی لکھنوی)

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا کہ آج سے تجھے انشا غلام ہیں نے کیا
(انشا)

پھر گئے آپ میرے کوچے سی دو قدم پر غریب خانہ تھا
(امداد امام اثر پیوردی عظیم آبادی)

یہ نہ آنے کے بہانے ہیں سبھی ورنہ میاں اتنا تو گھر سے مرے کچھ نہیں گھر دور ترا
(آصف الدولہ آصف)

جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں
(آتش)

ان دنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو
خوش رہو یہ مری جان جہاں رہتے ہو
(میر)

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
(قائم)

محرومیِ التفات :-

افسوس ہے کہ مجھ کوں وہ یار بھول جاوے
وہ رسم وہ محبت وہ پیار بھول جاوے
(شاہ مبارک آبرو)

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
(میر)

کوئی نا اُمید انہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
(میر)

ملی رہتی تھیں جو نظروں سے نظریں سو کہاں اب تو
کبھی ہم اتفاقاً اک جھلک سی دیکھ پاتے ہیں
(جرأت)

اس نے بجھا کے آرزو پھیری ہے مجھ سے آنکھ یوں
جیسے کوئی چھڑک کے تیل آگ لگا کے چھوڑ دے
(آرزو لکھنوی)

وفا و بیوفائی :-

تم سے عاشق کی خودی مانگ رہی ہے تم کو
عشق کا حُسنِ تقاضا ہے، وفا کچھ بھی نہیں
(جمیل مظہری)

کسی کو پھر نہ ہوا حوصلہ محبّت کا
وفا کی رسم اِک ایسی نکال دی میں نے
(قمر صدیقی کلکتوی)

یوں وفا اُٹھ گئی زمانے سے
کبھی جیسے کسی میں تھی ہی نہیں
(داغ)

پتہ ملتا نہیں جنسِ وفا کا اس زمانے میں
کہیں سے ہاتھ اگر لگتی تو نذرِ دوستاں کرلے
(وحشت)

جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں ملتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کیلئے
(ذوق)

آکے بازارِ محبت میں اُٹھائی ہم نے
جنسِ ردکردۂ بازارِ وفا جس کو کہیں
(جمیل مظہری)

جو ملا اُس نے بے وفائی کی
کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا
(مصحفی)

وفا جس سے کی، بے وفا ہوگیا
جسے بُت بنایا، خدا ہوگیا
(حفیظ جالندھری)

کچھ اس طرح سے لُٹی ہے متاعِ دیدہ و دل
کہ اب کسی سے بھی ذکرِ وفا نہیں کرتے
(احمد ریاض)

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
(غالب)

عشق کرنا نہیں آسان، بہت مشکل ہے
چھاتی پتھر کی ہے اُن کی جو وفا کرتے ہیں
(نیر)

کہتے نہ تھے ہم دردؔ میاں! چھوڑو یہ باتیں ۔۔۔ پائی نہ سزا اور وفا کیجےُ اس سے!
(دردؔ)

مری وفا پہ نہ جا، حُسن کی شکست کو دیکھ ۔۔۔ تری جفا کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
(احسان دانشؔ)

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم! ۔۔۔ یہ سر یہ تیغ ہے۔ لے اب تو اعتبار آیا
(تجلّیؔ)

دل ہے پابندِ وفا، ورنہ کوئی بات نہ تھی ۔۔۔ ایک ہی سانس تو حدِ شبِ تنہائی ہے
(مانیؔ جائسی)

بے وفا! تیری کچھ نہیں تقصیر ۔۔۔ مُجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
(میر محمد اثرؔ)

یاد میری آگئی منہ پھیر کر رونے لگے ۔۔۔ انجمن میں اُن کی جب ذکرِ وفا ہونے لگا
(تسلیمؔ)

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے ۔۔۔ تُم نے اچھّا کیا نباہ نہ کی
(مومنؔ)

جو کچھ کہا، کہا نہیں اس کا گلہ ہے مجھے ۔۔۔ تو بے وفا ہے، آپ نے یہ کیا کہا مجھے!!!
(رحمت اللہ اخترؔ مظفر پوری)

وہ بے وفا کہے مجھے جس سے وفا کروں ۔۔۔ میں بدنصیب اپنے مقدر کو کیا کروں
(امیدؔ امیٹھوی)

اپنی خوئے وفا سے ڈرتا ہوں ۔۔۔ عاشقی بندگی نہ ہو جائے
(بیخودؔ بدایونی)

کون اٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست، وہ رقیب نواز

(فانی)

سرکار! پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں — یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا، نہ کیجئے

(فانی)

وفورِ شوق میں کس کو خبر ہے — وفا کی اس نے یا ہم پر جفا کی

(میر حسن)

حرم سے نکلے تلاشِ بت میں، بتوں سے یادِ خدا پہ بگڑی
غرض ہم آوارۂ وفا ہیں، کہیں ہمارا گزر نہیں ہے

(ناطق لکھنوی)

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں — تم نے تو خیر بے وفائی کی

(فراق گورکھپوری)

اے بتو! تم سے اگر آنکھ چرائی ہو کبھی — حشر میں بھی مجھے اللہ کا دیدار نہ ہو

(ریاض)

وہ مجھ سے کر رہے ہیں بیوفائی! — جہاں سے اٹھ گئی رسمِ وفا کیا!

(وحشت)

بے وفائی پہ تیری، جی ہے فدا — قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

(میر محمد اثر)

رشکِ دشمن بہانہ تھا، سچ ہے — ہم ہی نے تم سے بیوفائی کی

(مومن)

ہلالِ عید و عید

رمضان:-

آگیا پھر رمضاں، کیا ہوگا ہائے اے پیرِ مغاں! کیا ہوگا
(نظم طبا طبائی)

تیس دن کے لئے ترک مے و ساقی کرلوں واعظِ سادہ کو روزوں میں تو راضی کرلوں
(شبلی نعمانی)

عید:-

نصیب جن کو ترے رخ کی دید ہوتی ہے وہ خوش نصیب ہیں خوب اُن کی عید ہوتی ہے
(امیر)

بے یار روزِ عید، شبِ غم سے کم نہیں جامِ شراب دیدۂ پُرنم سے کم نہیں
(ذوق)

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
(میر)

دل سے رخصت ہر اک اُمید ہوئی آج ہم غمزدوں کی عید ہوئی
(آثر لکھنوی)

ہلالِ عید:-

اُنتیسویں کو رخ کی ترے دید ہو گئی اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو، عید ہو گئی
(لا اعلم)

ساقی! ہوں تیس روز سے مشتاق دید کا — دکھلا دے جامِ مئے میں مجھے چاند عید کا

(آتش)

عید کا یہ چاند لایا ہے نویدِ خرّمی — ٹال اسی کی روشنی میں گردشِ ایّام کو

(مولانا ظفر علی خاں)

یادِ ایّام

بھولی ہوئی کہانیاں :-

شام بھی تھی دھواں دھواں، حسن بھی تھا اداس اداس — دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

(فراق گورکھپوری)

یاد ہے مہ جبیں! کہ بھول گئے؟ — وہ شبِ ماہتاب کی باتیں!

(ذوق)

زمانہ بدلا، مٹی جوانی، نہ وہ محبت نہ زندگانی — بس ایک بھولی سی یاد ہے جو برنگِ داغ کہن ہے باقی

(اختر شیرانی)

ہمدم! کہیں نہ حسرتِ خوابیدہ جاگ اُٹھے — ایّامِ حسن و عشق کی پھر داستاں نہ چھیڑ

(تلوک چند محروم)

مزہ آتا اگر گذری ہوئی باتوں کا افسانہ — کہیں سے تم بیاں کرتے کہیں سے ہم بیاں کرتے

(وحشت)

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی — کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(مومن)

یادِ ایّام

آؤ پھر عہدِ وصالِ یار کی باتیں کریں — داستانِ لطف چھیڑیں پیار کی باتیں کریں

(آزاد انصاری)

صحبتیں اگلی جو یاد آتی ہیں جی کٹتا ہے
کوئی پوچھے بھی تو کہہ دیتے ہیں ہم یاد نہیں

(دتاتریہ کیفی دہلوی)

بیتے ہوئے دنوں کی حلاوت کہاں سے لائیں
اِک میٹھے میٹھے درد کی راحت کہاں سے لائیں

(معین احسن جذبی)

بُلبُل کہاں، بہار کہاں، باغباں کہاں
وہ دن گزر گئے، وہ زمانہ گزر گیا

(صبا لکھنوی)

گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
انہیں کی یاد اپنی زندگی ہے

(عندلیب شادانی)

کچھ باتیں، کچھ راتیں، کچھ برساتیں اپنا سرمایہ
ماضی کے اندھیالے میں یہ جلتے دیپ ہمارے ہیں

(جمیل ملک)

کبھی کبھی یاد میں اُبھرتے ہیں نقش ماضی مٹے مٹے سے
وہ آزمائش دل و نظر کی، وہ قُربتیں سی وہ فاصلے سے

(فیض احمد فیض)

ہر نگہ تھی جانستاں اور ہر ادا تھی دل فریب
عہدِ رفتہ تیرا وہ عالم بھی ہے دیکھا ہوا

(عزیز لکھنوی)

اب کہاں گفتگو محبت کی
ایسی باتیں ہوئے زمانہ ہوا

(ناطق گلاؤٹھی)

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

(شاہ مبارک آبرو)

حسن مت یاد کر ان صحبتوں کو
سدا یکساں نہیں رہتا زمانہ

(میر حسن)

یاد آغازِ محبت کی دلوں سے نہ گئی
قافلے گھر سے بہت دُور نہ ہونے پائے
(فراق گورکھپوری)

گذرے ہوئے زمانے کا اب تذکرہ ہی کیا
اچھا گزر گیا، بہت اچھا گزر گیا
(حفیظ جالندھری)

ہوئے اتفاق سے گر بہم، تو وفا جتانے کو دمبدم
گلۂ ملامتِ اقربا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(مومن)

یادِ رفتگان :-

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں
(غالب)

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
(غلام مصطفےٰ یکرنگ یا فتح علی شیدا)

چلی ہے جان یادِ رفتگاں میں
مسافر ہے تلاشِ کارواں میں
(حفیظ جالندھری)

ساتھ صحبت کے وہ سب حرف و حکایات گئی
سننے والے ہیں، نہ افسانہ سنانے والے
(ریاض)

بہت ظہیر کو ہم یاد کرکے واں روئے
کہیں جو ذکرِ حریفانِ بادہ خوار آیا
(سید ظہیر الدین ظہیر)

متفرقات

احسان :-

جس نے کچھ احساں کیا، اِک بوجھ ہم پر رکھ دیا
سر سے تِنکا کیا اُتارا، سر پہ چھپر رکھ دیا
(جلال)

دُھوپ سہہ لینا ہے اچھا بارِ احساں کون اٹھائے
چھاؤں اِک گرتی ہوئی دیوار ہے میرے لئے
(آرزو لکھنوی)

ایک احساں رہ گیا سر پر تمہاری تیغ کا
ورنہ جو کچھ مشکلیں تھیں آج آساں ہو گئیں
(عبدالماجد اختر مظفرپوری)

نگہِ قہر خاص ہم پر ہے
یہ تو احساں ہوا، ستم نہ ہوا
(فانی)

آپ اگر اپنا گلا کاٹ کے مر جاتے رندؔ
سر پہ کیوں خنجرِ جلّاد کا احساں ہوتا
(رند)

میں رہا ہو کر اسیرِ دامِ احساں ہو گیا
ہو گئی مجھ کو قفس چشمِ کرم صیّاد کی
(کریم چھروی)

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا
(داغ)

کچھ ہمیں کو نہیں احسان اٹھانے کا دماغ
وہ تو جب آتے ہیں مائل بہ کرم آتے ہیں
(فیض احمد فیض)

اختلاف :-

ہزار ہم سُخنی ہو، ہزار ہم نظری
مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں
(محمد دین تاثیر)

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے
(ذوق)

گلہ میں بخت کے ان کا بھی کچھ قصہ نکل آیا
ہوئی تھی صلح کس مشکل سے پھر جھگڑا نکل آیا
(اصغر علی خاں نسیم دہلوی)

تم نے پھر حجّت نکالی، تم نے پھر تکرار کی
تم نے پھر کی پاسداری، دیکھ لو اغیار کی
(فضل حق آزاد عظیم آبادی)

برسرِ جنگ رضا آج یہ دنیا ہے، مگر
ایک دن تھک کے محبّت کا سہارا لیگی
(رضا قریشی گوالیاری)

ادائے حق :-

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
(غالب)

آزادیوں کا حق نہ ادا ہم سے ہوسکا
انجام یہ ہوا کہ گرفتار ہوگئے
(ناطق لکھنوی)

انہیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انہیں پر فدا ہوگئی
(اکبر الہ آبادی)

آفت و مصیبت :-

روز آفتیں نئی ہیں دلِ پُر محن کے ساتھ
جب دیکھو زخم تازہ ہے زخمِ کہن کے ساتھ
(ذوقؔ)

اِک دن کی بات ہو تو اسے بھول جائیں ہم
نازل ہوں دل پہ روز بلائیں تو کیا کریں
(اختر شیرانی)

مژگانِ تر ہوں، یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں
(دردؔ)

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی
(میر سوزؔ)

احسان اپنا کوئی بُرے وقت کا نہیں
احباب بیوفا ہیں خدا بے نیاز ہے
(احسان دانش)

او بدگمان! شاید دنیا پہ صبر کر
فطرت کو تیرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں
(آسی الدنی)

آگ، دُھواں :-

عشق کے شعلے بھڑک کر دل وجاں تک پہنچے
آگ سی آگ ہے، یہ آگ جہاں تک پہنچے!
(بیتاب عظیم آبادی)

تعجب کیا لگی گر آگ اے سیماب سینے میں
ہزاروں دل میں انگارے بھرے ہیں، لگ گئی ہوگی
(سیماب)

دل کے پھپھولے جل اُٹھے، سینے کے داغ سے
اس گھر میں آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
(لا اعلم)

بھڑک اٹھیگی یہ آگ اک دن، لگائی ہے جو دل وجگر میں
کہ اندر اندر سُلگ رہی ہے، دبی ہوئی ہے جلی نہیں ہے
(شہیاری)

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے
(معین احسن جذبی)

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
(مومن)

بہلا نہ دل، نہ تیرگیِ شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
(فانی)

وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے نام و ننگ ہے
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
(غالب)

ارے او جلنے والے! کاش جلنا ہی تجھے آتا
یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جائے دھواں ہوکر
(لا اعلم)

دل سے اٹھتا ہے، جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے!
(میر)

الزام :-

سینکڑوں ملتے ہیں الزام کے دینے والے
ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے
(داغ)

مجھ پہ رکھتے ہیں حشر میں الزام
آ نہ جائے زباں پہ تیرا نام
(فانی)

اپنے دلِ بے تاب سے میں خود ہوں پریشاں
کیا دُوں انہیں الزام میں کچھ سوچ رہا ہوں
(ثاقب کانپوری)

رگیں کھنچنے لگیں، اب موت کا ہنگام آتا ہے
وہ جائیں، ورنہ اُنکے سر پہ سب الزام آتا ہے
(عزیز لکھنوی)

انتخاب :-

مزاج داں میں روح القدس بھی ہیں ہم بھی
یہ دیکھنا ہے کہ کون انتخاب ہوتا ہے
(ناطق لکھنوی)

ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر
ہو انتخاب اے نگہِ یار دیکھ کر
(محمد علی جوہر)

تیری نظر کے سامنے چاند بھی ہے چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ، کوشش رائیگاں نہ دیکھ
(ادیب سہارنپوری)

اب نظر کو کہیں قرار نہیں
کاوشِ انتخاب نے مارا
(جگر مرادآبادی)

چھانٹا وہ گُل کہ جس کی ازل سے نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نگہِ انتخاب کی

(لا اعلم)

آئینہ دیکھتے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کے
یہ داد مِل رہی ہے مرے انتخاب کی

(لا اعلم)

دیکھ آئے ہم رقیب کو، دیکھی تری پسند
جانچ آج ہو گئی نظرِ انتخاب کی

(لا اعلم)

انصاف، فیصلہ :-

بالکل انہیں کی بات، انہیں کا کہا ہوا
اچھا یہ روزِ حشر مرا فیصلہ ہوا!

(حفیظ جونپوری)

فیصلہ عشق کی تقدیر میں ہونا معلوم!
آپ نے کچھ مگر اس باب میں سوچا بھی کہاں!

(فراق گورکھپوری)

انصاف ہے کہ حکمِ عقوبت سے پیشتر
اک بار سوئے دامنِ یوسف بھی دیکھیے

(فیض احمد فیض)

اس فیصلے پر تیرے ظالم! رونے کے ہی قابل ہے دل
ٹوٹا نہ اگر تو پتھر ہے، اور چُور ہوا تو موتی ہے

(آرزو لکھنوی)

ادا سے دیکھ لو، جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

(آفتاب الدولہ قلق لکھنوی)

بتوں کی خدائی :-

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

(لا اعلم)

ترے بندوں سے یہ بُت کرتے ہیں دعویٰ خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا
(جوہر)

کرشمے تم نے خدائی کے سب دکھائے تو
بس ایک بندہ نوازی کی شان باقی ہے
(جلال)

پُکار :-

ہمہ تن ہستیِ خوابیدہ مری جاگ اُٹھی
ہر بُنِ مو سے مرے اُس نے پکارا مجھ کو
(اصغر گونڈوی)

قریب نجد کا جنگل، نہ بے ستوں نزدیک
یہ کون تھا مجھے صحرا میں جو پکار گیا
(ریاض)

سبیلِ ساقیِ کوثر نثار ہے جاری
پکارتے ہے کہ کوئی بادہ خوار باقی ہے!
(بیتاب عظیم آبادی)

اذاں دی کعبے میں، ناقوس دَیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا شیدا تجھے پکار آیا
(محمد رضا برقی)

تدبیر :-

آرزو پھر ہے دَر پئے تدبیر
سعیِ ناکام کی دُہائی ہے
(فانی)

اے فلق بے مرا حالِ زار سُن سُن کر
یہ وقت تھا کوئی تدبیر چارہ گر کرتے
(دل شاہجہاں پوری)

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خُدا ہوتا ہے
(لا اعلم)

تحفہ :-

باغباں! کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی — بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے
(امیر مینائی)

تحیّر :-

حیرت روئے گل سے مرغ چمن — چُپ ہے یوں، بے زباں ہو گویا!
(میر)

اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی — جس طرف دیکھا کیا دیکھا کیا
(جگر مراد آبادی)

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر — دریائے محبت کہتا ہے، آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم
(شاد عظیم آبادی)

تصور :-

تصور رفتہ رفتہ اِک سراپا بنتا جاتا ہے — وہ اک شئے جو مجھ میں ہے مسلّم ہوتی جاتی ہے
(جگر مراد آبادی)

یہ نرم نرم ہوا، جھلملا رہے ہیں چراغ — ترے خیال کی خوشبو سے بس رہے ہیں دماغ
(فراق گورکھپوری)

نہیں تھا گر تصوّر یار کا اے دل تو پھر کیا تھا؟ — ہوئی تصویر کیسے آہ آتشبار سے پیدا!
(راضیہ خاتون حبیلہ عظیم آبادی)

تصور میں بھی ان کے کچھ عجب عالم نکلتا ہے — اسی پرتو مری حیرانیوں کا دم نکلتا ہے
(حسرت موہانی)

لینا ہے آج حسنِ تصوّر سے ایک کام — تصویر کھینچنا ہے تری جلوہ گاہ کی
(سید حسین بیتاب عظیم آبادی)

کرتا ہے تصوّر ترا اس رنگ سے باتیں
سن لے کوئی اک حرف تو افسانہ بنا لے
(حفیظ جالندھری)

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریب رنگ و بُو
میں نے سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا
(جگر مراد آبادی)

سو بار ترا دامن، ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا، اپنا ہی گریباں ہے
(اصغر گونڈوی)

کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں
اے تصوّر! کون ہے آغوش میں
(اکبر خاں حیدری)

کس قدر سبز و تر ہے کشتِ خیال
گریۂ انتظار سے شاداب
(حسرت موہانی)

یہ عنایت ہے کشش کی یہ تصوّر کا کرم
ہم کسی سے نہ جدا ہیں، نہ کوئی ہم سے دُور
(وصی حیدر زیدی بلگرامی)

تو ہے، کہ تصور کی ترے جلوہ گری ہے
دیوانہ ہوا جاتا ہوں آواز سنا دے
(اثر لکھنوی)

فریب کاری تخیل پہ جو اتر آئے
اب ایسے سرکش و ناداں کو کون سمجھائے
(ادا جعفری بدایونی)

مبارک ہیں اس دل کی ویرانیاں
جو تیرے تصوّر سے آباد ہے
(علی اختر اختر)

✓ پھر نظر میں پھول لہکے، دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصوّر نے لیا اس بزم میں جانے کا نام
(فیض احمد فیض)

ہم ضعیفوں کو کہاں آمدِ وحشت کی طاقت آنکھ کی بند ہوا کوچۂ جاناں پیدا
(ناسخ)

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے
(غالب)

تصویر:-

تصویر کیوں دکھائیں تمہیں نام کیوں بتائیں لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بے وفا کی ہے!
(نجو دہلوی)

کھلی نہیں ہیں زمانے پہ چوریاں میری میں بزم سے ترا نقشہ اتار لایا ہوں
(آسی الدنی)

رکھ کر نظر کے سامنے تصویرِ خوابِ ناز پہروں ترے خیال میں بیٹھا رہا ہوں میں
(افسر میرٹھی)

ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جابجا ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا
(آزاد)

یوں مصورِ یار کی تصویر کھینچ کچھ ادا، کچھ ناز، کچھ تقریر کھینچ
(داغ)

محفل میں شمع، چاند فلک پر چمن میں پھول تصویرِ روئے انورِ جاناں کہاں نہیں
(اوسط علی رشک)

آ جائے اگر ہاتھ تو کس چین سے رہئے سینے سے لگائے تری تصویر ہمیشہ
(محمد حسین آزاد)

یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا ان کی تصویر بھی سینے سے لگائی نہ گئی
(حسرت موہانی)

آپ نے تصویر بھیجی، میں نے دیکھی غور سے
ہر ادا اچھی، خموشی کی ادا اچھی نہیں
(جلیل مانکپوری)

یہ تحفہ کون سا بھیجا گیا ہے اہلِ زنداں کو!
اُلٹ جائیگا دل جب آپ کی تصویر دیکھیں گے
(عزیز لکھنوی)

اپنی تصویر پہ نازاں ہو، تمہارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی، دہن غنچے کا، حیرت میری
(داغ)

وہ تو وہ، تصویر بھی اُن کی جلاؔل
کہتی ہے تم بات کے قابل نہیں
(جلاؔل)

آہ، یاد آتی ہیں رہ رہ کر پرانی صحبتیں
ہے قیامت سامنے رہنا تری تصویر کا
(عندلیب شادانی)

تنگدستی :-

دل نکلتا نہیں ہے پستی سے
قبر بہتر ہے تنگدستی سے
(جوش ملیح آبادی)

مُفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے
(ولی دکنی)

توکّل :-

خدا پہ چھوڑ دے، ڈوبے کہ پار ہو کشتی
رضاؔ نہ موجیں ہیں اپنی، نہ اپنا ساحل ہے
(رضا لکھنوی)

اچھا، یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اِک تو ہی ناخدا نہیں ظالم، خدا بھی ہے
(فانی)

تُو اور میں :-

نہ مشتاقوں کی محفل تھی، نہ جانبازوں کا مجمع تھا
خدا جانے کہاں مرتا تھا میں جب تُو اکیلا تھا
(شاد عظیم آبادی)

وہ بھی عالم تھا کہ تو ہی تو تھا اور کوئی نہ تھا
اب یہ کیفیت ہے، میں ہی میں کا ہے سودا مجھے
(امرناتھ ساحر)

میں انتہائے عشق ہوں تُو انتہائے حُسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
(اقبال)

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں
(شکیل بدایونی)

جس چمن زار کا ہے تو گلِ تر
بلبل اس گلستاں کی ہم بھی ہیں
(میر)

وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو، واں کے ہم بھی ہیں
(میر)

تُم، کہ ہر محفل میں بن سکتے ہو فردوسِ نظر
مجھ کو یہ دعویٰ کہ ہر محفل پہ چھا سکتا ہوں میں
(مجاز)

ترا گلشن وہ گلشن جس پہ جنت کی فضا صدقے
مرا خرمن وہ خرمن ہے کہ انگارے برستے ہیں
(آزاد انصاری)

اِک تم، کہ وفا تم سے نہ ہوگی نہ ہوئی ہے
اِک ہم، کہ تقاضا نہ کیا ہے نہ کریں گے
(حسرت موہانی)

تم ہو کہ مدتوں میں بھی میرے نہ ہو سکے
میں ہوں کہ ایک بات میں دیوانہ ہو گیا
(راج بلدیو راج)

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
(اکبر الہ آبادی)

ہمیں تو شعلۂ خرمن فروز بھی نہ ملا
تری نظر کو تجلی کہاں سے ملتی ہے!
(سیف الدین سیفؔ)

ہمارا تمہارا عجب حال ہے
نظر مل گئی، مُسکرانے لگے
(فضل احمد کریم فضلی)

تم بھی وہی کہو تو کہیں سب بجا درست
میں بھی وہی کہوں، تو کہے اک جہاں غلط
(سالکؔ دہلوی)

حشر ڈھانے میں ایک ہیں دونوں
آپ کی خامشی، مری فریاد
(عبداللطیف تپشؔ لاہوری)

تُو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دُور دراز
(لا اعلم)

ہم تو آشفتہ سری سے نہ سنورنے پائے
آپ سے کیوں نہ سنوارا گیا گیسو اپنا!
(اجتبیٰ حسین رضوی)

تھکن :-

خستگی نے کر دیا اس کو رگِ جاں کے قریب
جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے
(اصغرؔ گونڈوی)

ہے خستگی کے دم سے رعنائیٔ تخیّل
میری بہار رنگیں پروردۂ خزاں ہے
(اصغرؔ گونڈوی)

سوادِ منزلِ مقصود گردِ راہ کی ہے
فضا میں جلوۂ رنگیں تھکن نگاہ کی ہے
(ناطق لکھنوی)

جراءت و گستاخی :-

فرصتِ یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے وصل کیوں دلِ قدر ناشناس اب یہ مجال ہوگئی!!
(فانیؔ)

ہے دل میں، تیرے گیسوئے پُرخم کو دیکھئے اس آرزو کو دیکھئے، اور ہم کو دیکھئے!
(لا اعلم)

بیتابؔ! خبر ہے تجھے- تو اور حریمِ ناز! مارے جہاں نہ پر بھی، پرندہ خیال کا
(بیتابؔ عظیم آبادی)

اپنی ہستی کی خبر ہمکو نہیں شوق ہے اس کی شناسائی کا
(عبدالمنان بیدلؔ عظیم آبادی)

خود عشق کی گستاخی سب تجھ کو سکھا دیگی اے حسن حیا پرور! شوخی بھی شرارت بھی
(حسرتؔ موہانی)

وقت امداد ہے اے ہمتِ گستاخیِ شوق! شوق انگیز ہیں ان کے لبِ خنداں کیا کیا
(اخترؔ شیرانی)

حرص :-

منھ سے بس کہتے نہ ہرگز یہ خدا کی بندے گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا
(ذوقؔ)

یہ منزلِ حرصِ مال و دولت، نہ دیگی دنیا میں تمکو راحت ہوس بڑھائیگی تشنگی کو، نظر کرے گی سراب پیدا
(اکبرؔ الہ آبادی)

حُسنِ اتفاق :-

آپ ہیں، ہم ہیں، مئے ہے، ساقی ہے یہ بھی اِک امرِ اتفاقی ہے
(ناطقؔ لکھنوی)

حقارت :-

اے ذوقؔ! کس کو چشمِ حقارت سے دیکھئے
سب ہم سے ہیں زیادہ، کوئی ہم سے کم نہیں
(ذوقؔ)

حقیر ہوں، مگر اتنا حقیر بھی نہ سمجھ
میں ذرہ بھی تو نہیں ہوں جو آفتاب نہیں
(سیمابؔ)

خاکساری :-

لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمر ور کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ
(ذوقؔ)

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا
(سلطان بہادر شاہ ظفرؔ)

خضر اور حیاتِ جاوداں :-

یہ سب سے منہ چھپانا کوئی اچھی زندگانی ہے!
خضر! تم نے تو غارت کر کے عمرِ جاوداں رکھی ہے
(عندلیب شادانیؔ)

وہ ایک ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر!
نہ تم، کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے
(غالبؔ)

عمرِ ابد تمہیں کو مبارک جناب خضر
ایسے نہیں کہ جان چرائیں قضا سے ہم
(حفیظ جونپوری)

ملی بھی خضر! تو یہ تم سے نیک بندوں کو
گناہگار نہ تھے، عمرِ جاوداں کے لئے
(ریاضؔ)

رحمت اُن پر جو شہیدانِ محبت گزرے
ان کا مرنا، کہ خضر آپ کا جینا اچھا!
(مبارک عظیم آبادی)

خودداری و غیرت :۔

غیرت عشق کا یہ ایک سہارا نہ گیا
لاکھ مجبور ہوئے، اُن کو پکارا نہ گیا
(آلِ احمد سرور)

ریاضؔ ایسا گیا گزرا نہیں ہو شان جانے دی
گدائی کے لئے وہ ہے کے جام جم نکلتا ہے
(ریاضؔ)

خودی و بیخودی :۔

بقدر پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم، تو دم نکل جائے آدمی کا
(جمیل مظہری)

کہا ہو جس نے انا الحق، چڑھا ہو جو سرِ دار
وہ جانتا ہے خودی کیا ہے، بیخودی کیا ہے
(قدیرؔ لکھنوی)

بس ایک رندہ اڑا جا رہا ہوں وحشت میں
خبر نہیں ہے خودی کیا ہے، بیخودی کیا ہے
(جگرؔ مراد آبادی)

بیٹھ کر سے میکدہ اچھا مرا
بیخودی اچھی نہ خودی اچھی نہیں
(ریاضؔ)

خودی کا نشہ چڑھا، آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہؔ، مگر بنا نہ گیا
(یگانہؔ)

درد و جگر و لخت جگر :۔

سب اپنا حال کہتے رہے چارہ ساز سے
میں تھا کہ محوِ لذتِ دردِ جگر رہا
(جلیل مانکپوری)

بھرے رہتے ہیں سارے پھول ہی جس کے گریباں میں
وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں
(میرؔ)

آتشِ سوزِ نہاں اور بھڑک تھوڑی سی نوکِ مژگاں پہ ابھی لختِ جگر کچے ہیں
(لاعلم)

رسوم و قیود:-

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا
(غالبؔ)

جنونِ عشق کی رسمِ عجیب کیا کہنا میں ان سے دور وہ مجھ سے قریب کیا کہنا
(مجیب امجد)

رقص:-

ہر انجمن میں موقعِ وجدان و رقص ہے آزادیِ طبیعت پروانہ چاہیئے
(سیمابؔ)

رقصاں ہے نسیم برگِ گل پر شبنم میں ہے گھنگھرؤں کی چھن چھن
(اثرؔ لکھنوی)

ریش و خضاب:-

حنا لگا کے نکلتے ہیں گھروں میں ریاضؔ کچھ ان کی ریشِ مقدس کا اعتبار نہیں
(ریاضؔ)

لمبی داڑھی نے آبرو رکھ لی مفت پی آئے اک دکان سے آج
(ریاضؔ)

ارماں ہی میں تو حوریں ہیں ریشِ سفید کے! واعظ بھی ہانک جاتا ہے وہ بے تکی کہ بس
(خیالؔ)

زہر:-

اے مبتلائے زیست! ٹھہر خودکشی نہ کر تیرا علاج زہر نہیں ہے، شراب ہے
(حفیظ جالندھری)

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر! ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
(غالب)

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
غم پر حرام خور! توکل نہ ہو سکا
(مومن)

سخن و لطفِ سخن :-

کیا جانیں، دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں، ایہام بھی نہیں
(میر)

لطفِ سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہے میر
اب شعر ہم پڑھے ہیں تو وہ شد و مد نہیں
(میر)

میرا ہر شعر ہے اختر مری زندہ تصویر
دیکھنے والے نے ہر لفظ میں دیکھا ہے مجھے
(اختر شیرانی)

رعنائیٔ خیال کو ٹھہرا دیا گناہ!
واعظ بھی کس قدر ہے مذاقِ سخن سے دور
(حسرت موہانی)

ہے وہی دیوان مطبوعہ مرا
جس قدر لوگوں کو ناطق یاد ہے
(ناطق لکھنوی)

شعر دراصل ہیں وہی حسرت
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں
(حسرت موہانی)

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر
شعر جو انتخاب ہوتے ہیں
(امیر مینائی)

شعر ہے دراصل ماہر ترجمانِ واردات
دل پہ جو گذرے وہی منظوم ہونا چاہیئے
(ماہر القادری)

کارِ مغاں، یہ فنکار کا شربت، بیچنے والے کیا جانیں
تلخی و مستی بھی ہے غزل میں، خالی رس کی بات نہیں
(حفیظ جالندھری)

باتیں ہماری یاد رہیں، باتیں نہ ایسی سنیئے گا
پڑھتے کسی کو سُنیئے گا، تو دیر تلک سر دُھنیئے گا
(میر)

سلیقہ :-

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا
(میر)

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہُنر چاہیئے
(میر)

عشق بازی کو ہے سلیقہ شرط
یہ گنہ بھی ہے، یہ ثواب بھی ہے
(داغ)

ہمیشہ خونِ دل رویا ہوں میں لیکن سلیقے سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے، نہ دھبہ جیب و داماں پر
(سائل دہلوی)

سُود و زیاں :-

زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر
معاملہ ہی کیا ہو اگر زیاں کے لیئے!!
(شیفتہ)

ارے سُود و زیاں دیکھا نہیں جاتا محبت میں
یہ سودا اور سودا ہے، یہ دنیا اور دنیا ہے
(امید امیٹھوی)

مآلِ سُود و زیاں عبث ہے، گھرا ہوا ہے الم کا بادل
بدلنے والا ہے وقت کروٹ، جو مسکرانا ہے مسکرا لے
(احسان دانش)

کسی کو کیا مرے سُود و زیاں سے گرے کیوں برق بچ کر آشیاں سے
(فانی)

شامت :-

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا، مری جو شامت آئے اُٹھا، اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے
(غالب)

داغ کی شامت جو آئی، اضطرابِ شوق میں حالِ دل کمبخت نے سب اُن کی منہ پر کہہ دیا
(داغ)

شرافت :-

گلوں نے خاروں کی چھیڑنے پر سوا خموشی کے دم نہ مارا شریف اُلجھیں اگر کسی سے تو پھر شرافت کہاں رہیگی
(شاد عظیم آبادی)

صبر و ضبط :-

صبر کی میرے ذرا داد مجھے دے دینا او مرے حشر کے دن فیصلہ کرنے والے!
(ریاض)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
(مومن)

چارۂ دل سوائے صبر نہیں سو تمہارے سوا نہیں ہوتا
(مومن)

ہنوز زندگیِ تلخ کا مزہ نہ ملا کمالِ صبر ملا، صبر آزما نہ ملا
(یگانہ)

صبر آنے کو آجائے مجھے حسرت دل پر لیکن یہ تقاضائے جوانی تو نہیں ہے
(آنند نرائن ملا)

کہاں تک ضبط بیتابی؟ دلِ مسکیں! مجھے ڈر ہے
تری خوئے تحمل سے وہ بے پروا نہ ہو جائے
(زکریا خاں زکی)

اب مجھ کو ہے قرار تو سب کو قرار ہے
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا
(سیماب)

ناز یہ ہے کہ بڑا صبر محبت میں کیا
پوچھئے صبر نہ کرتے تو بھلا کیا کرتے!
(امبار امیٹھوی)

مجھ کو یہ پاسِ ضبط کہ لب کھولنا گناہ
اُن کو یہ آرزو کہ کوئی التجا کرے
(طالب باغپتی)

ایسا نہ ہو کہ ضبط شکایت نہ ہو سکے
للّٰہ یہ نہ پوچھو کہ جی کیوں نڈھال ہے
(آزاد انصاری)

طلبِ شہرت :-

جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے
(اقبال)

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا!
(شیفتہ)

برائے نام یہ نام و نمودِ نقش فانی ہے
وگرنہ موج کیا، گرداب کیا، جو کچھ ہے پانی ہے
(آرزو لکھنوی)

عداوت :-

کمر جب تُو ہی باندھے دشمنی پر
تو پھر کیا شکوہ کیجئے آسماں کا
(فانی)

عزّت و آبرو :-

اکسیر خاک کو ترے پرتو نے کر دیا ورنہ میں جانتا ہوں جو تھی آبرو مری

(حامد علی خاں)

پاس اُس کے زیادہ جا جا کر ہم نے توقیر اپنی خود کم کی

(میر مہدی علی مجروح)

عیب و ہُنر :-

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیبُ ہُنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

(سلطان بہادر شاہ ظفر)

غریب :-

معروف اِتنو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب ٹک یار مُنہ لگائے تو پھر ہمکو دیکھئے

(آلٰہی بخش خاں معروف)

غریب ہم ہیں، غریبوں کی بھی خوشی ہو جائے نظر حضور! اِدھر بھی کبھی کبھی ہو جائے

(ریاض)

امیر درد محبّت بہت ستاتا ہے غریب جان کے بیکس خیال کر کے مجھے

(امیر مینائی)

غفلت :-

کوئی خوابیدہ ہم سے جاگتے ہیں! نہ اتنی سعی لے بانگِ جرس کر

(مصحفی)

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(حالی)

اُن کی پروا نہیں، تا بہ فلک لے پہنچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے
(افسر میرٹھی)

قہر ہے تھوڑی سی غفلت بھی طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا
(اصغر گونڈوی)

وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں
ہم کہیں اور کاروان کہیں!
(میر محمد اثر)

غافل ہیں ایسے، سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
(میر)

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں
(محمد علی تشنہ)

شفق دن ڈھل چکا، اب تک پڑے ہیں خوابِ غفلت میں
سفیدی آئی بالوں میں، لبِ بام آفتاب آیا
(شفق عمادپوری)

غلط فہمی (مغالطہ):-

تجھے اے سنگدل! آرامِ جانِ مبتلا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر اپنی ہم سمجھے تو کیا سمجھے
(ذوق)

چشم پُرنم، زلف بھی بکھری ہوئی، چہرہ اُداس
تیری صورت سے تجھے دردآشنا سمجھے تھے ہم
(لاعلم)

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لُطف کا پائیں گے مزہ یاد رہے
(حالی)

فریب و کذب :-

یقین رکھ، کہ یہاں ہر یقین میں ہی فریب
بقا تو کیں ہے، فنا کا بھی اعتبار نہ کر
(آسی الدنی)

پیہم رہِ طلب میں مشکل کا سامنا ہے
ہر گام پر فریبِ منزل کا سامنا ہے
(آنند نرائن ملا)

فریبِ زندگی جس نے نہ دیکھا ہو، اُسے دیکھے
نہ سینے میں ہے دل اپنا نہ منہ میں ہے زباں اپنی
(چکبست)

آ، اور داد دے کہ بہ ایں چشم حق نگر
کھائے ہوئے ہیں زیست کا دھوکا ترے لئے
(جوش ملیح آبادی)

فغاں، کہ مجھ غریب کو حیات کا یہ حکم ہے
سمجھ ہر ایک راز کو، مگر فریب کھائے جا
(جوش ملیح آبادی)

وہ چالیں چل اب اے فریبِ تسلی
کہ کچھ دن گزر جائیں تیرے سہارے
(آسی الدنی)

ہر اک شکستہ تمنا پہ مسکراتے ہیں
وہ کیا کریں جو مسلسل فریب کھاتے ہیں
(راز مراد آبادی)

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری
(اقبال)

میں جھوٹ میں چھپاتا ہوں اپنے عیوب کو
اللہ جانتا ہے کہ جھوٹا نہیں ہوں میں
(محمد یونس جوہر جعفری صادقپوری)

فسانہ :-

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی
کچھ خواب ہے، کچھ اصل ہے، کچھ طرزِ ادا ہے

وہی کچھ خواب ہوں گے اور کچھ اوہامِ بیداری
جہاں سے پھیر بیٹے کمبخت دنیا کے فسانے کو
(علی اختر اختر)

سینکڑوں قصّے ہوس کے ہو گئے مقبولِ عام
داستانِ اہلِ درد اب عرض کے قابل نہیں
(امید امیٹھوی)

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے، جس کو جتنا یاد ہوتا ہے
(جگر مراد آبادی)

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی
(جگر مراد آبادی)

وائے ناکامی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا
(میر درد)

کیا آ گئی نیند اہلِ محفل؟
کہنی تھی ہمیں بھی اِک کہانی
(سیماب)

یہ باتیں، اور مجھ سا کہنے والا!
فسانہ، اور پھر تیرا فسانہ!
(حفیظ جون پوری)

کہتے ہیں اہلِ ہوش جب افسانہ آ چکا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آ چکا
(شاد عظیم آبادی)

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!
کہتی ہے تجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا
(آتش)

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
(میر)

نہ میں سناؤں، نہ کوئی سُنے زمانے میں — غضب یہ قید لگی ہے مرے فسانے میں

(حفیظ)

مری داستاں سے زمانے کو مطلب — یہ کیا ماجرا ہے کہ ہر آنکھ نم ہے

(لا اعلم)

کہانی میری رُودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے — جو سنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

(سیماب)

میں چُپ بیٹھا ہوا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے — کہ جیسے اک زمانہ کہہ رہا ہے داستاں میری

(آسی اُلدنی)

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصّہ ! — بس آج کی رات بھی سو چکے ہم

(میر حسن)

نگاہِ آخر فانیؔ سے مختصر سُن لو — زبانِ خلق پہ ہو گی یہ داستان طویل

(فانی)

سوداؔ! خدا کے واسطے کر قصّہ مختصر — میری تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے سے

(سودا)

میرے رونے کا جس میں قصّہ ہے — عمر کا بہترین حصّہ ہے

(لا اعلم)

مزاجِ حسن کو میں نے بدل دیا وحشیؔ — غرورِ عشق ہے سرخی مرے فسانے کی

(منشی لال دھن وحشی مظفرپوری)

کئی عُنوان تو ایسے ہیں کہ تڑپا دیں گے — ختم تک کون سُنے گا مرے افسانے کو

(بیخود دہلوی)

ہنستے ہنستے، رو دیا کرتے تھے سب بے اختیار
اِک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا
(شاد عظیم آبادی)

کیا کہیئے قصّہ گو کو کہ نیند آ گئی اسے
پہنچا تو تھا غریب مری داستاں تلک
(امیر مینائی)

فسانہ خواں! تری آنکھیں قصور وار نہیں
میں جانتا ہوں، خطا ہے مرے فسانے کی
(افسر میرٹھی)

یہ کس کا ذکر تھا اے قصّہ خواں! وہ جاگ اُٹھے
یہیں سے جوڑ لگا دے مرے فسانے کا
(ساغر نظامی)

مری رُسوائی اور غیروں کے طعنے، اُن کی خاموشی
یہی دو چار باتیں، اور کیا ہے داستاں میری
(لا اعلم)

اُڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ سنبل نے کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی داستاں میری
(اقبال)

ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے
(جگر مرادآبادی)

بیٹھیے، سُنیے اب افسانۂ فرقت مجھ سے
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا
(داغ)

کہے جا، بندھ چلا داستاں کا رنگ محفل میں
تری سُننے لگے ہیں رُوئے جاناں دیکھنے والے
(ثاقب لکھنوی)

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں، پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کیلئے
(شیفتہ)

ہر طرف چھا گئے پیغامِ محبت بن کر
مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی
(جگر مراد آبادی)

مرے فسانے میں تم جان ہو فسانے کی
سناؤں کیا، یہ نہیں داستاں سُنانے کی
(افسر میرٹھی)

وہی جھگڑا ہے فرقت کا، وہی قصہ ہے اُلفت کا
تجھے اے داغ! کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے
(داغ)

موت کی نیند چھائی جاتی ہے
کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا
(جگر مراد آبادی)

بڑے شوق سے سُن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
(ثاقب لکھنوی)

اِک فسانہ سُن گئے اِک کہہ گئے
میں جو رویا، مُسکرا کر رہ گئے
(فانی)

مزہ آتا، اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں سے تم بیاں کرتے، کہیں سے ہم بیاں کرتے
(وحشت)

تمنّا کو خموشی دی، خموشی کو زباں تو نے
مکمل کرکے چھوڑی بیکسی کی داستاں تو نے
(فانی)

فطرت:-

ترکیب و تکلف لاکھ کرو، فطرت نہیں چھپتی ہے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے، جو سونا ہے وہ سونا ہے
(اکبر الہ آبادی)

فطرت گل و بلبل کی، جو تھی وہی اب بھی ہے
سو بار خزاں آئی، سو بار بہار آئی
(قمر بدایونی)

سمجھتی ہے مآلِ گل، مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسّم آ ہی جاتا ہے
(جوش ملیح آبادی)

فطرت کی مشیت بھی بڑی چیز ہے لیکن
فطرت کبھی بے بس کا سہارا نہیں ہوتی
(ساحر لدھیانوی)

فقر و فقیر:۔

چاند کے ٹکڑے بھی آنکھوں میں سما سکتے نہ تھے
کیا بتائیں ہم ترے در کے گدا کیوں ہو گئے
(علی اختر اختر)

نہ پوچھو کون ہوں، کیا مدعا ہے، کچھ نہیں پایا
گدا ہیں اور زیرِ سایۂ دیوار بیٹھے ہیں
(آزاد انصاری)

اک گدائے راہ کو ناحق نہ چھیڑ
جا، فقیروں سے مذاق اچھا نہیں
(آزاد انصاری)

ہاں بھلا کر، ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے
(غالب)

تم حُسن کی خیرات میں کیا دیتے ہو لاؤ
ہر چند تمنائے گدا، اور ہی کچھ ہے
(لاعلم)

فلسفی:۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
(اکبر الٰہ آبادی)

فن و علم، فنکار:۔

علم کیا، علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی
(یگانہ)

جہاں اندھے ادب کے پاسباں ہوں
وہاں کیا عرض جوہر کا قرینہ
(رشاد عارفی)

دل اُمنڈ آیا ہے احسانؔ بھر آئے آنسو
جب سُنا ہے کسی فن کار نے فن بیچ دیا
(احسان دانش)

فہم و ادراک :-

یا رب! یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے
(میر دردؔ)

کمالِ قوتِ ادراک ہے اتنا سمجھ لینا
کہ باہر ہے ہماری قوتِ ادراک سے کیا کیا
(آسیؔ عظیم آبادی)

سمجھتے کیا تھے، مگر سنتے تھے فسانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا
(یگانہؔ)

قسم :-

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
(داغؔ)

قسمت :-

قسمت ہی سے ناچار ہوں اے ذوقؔ وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق، مجھے کیا نہیں آتا
(ذوقؔ)

سب سے تم اچھے ہو، تم سے مری قسمت اچھی
یہی کمبخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی
(لا اعلم)

قناعت :-

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
وَرنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے
(اقبالؔ)

باغِ جہاں میں گل کی قناعت ہو جائے رشک
عمرِ دو روزہ ایک قبا میں تمام کی
(آتش)

گر خدا دیوے قناعت، ماہِ دو ہفتہ کی طرح
دوڑے ساری کو کبھی آدھی نہ انساں چھوڑ کر
(ذوق)

جو کُنجِ قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انہیں کم اور زیادہ
(ذوق)

کوتاہ دستی :-

یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے
(شاد عظیم آبادی)

یہاں کوتاہیٔ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیّاد ہوتا ہے
(اصغر گونڈوی)

سبحہ گرداں ہی ہم تو بہر رہے
دستِ کوتاہ تا سُبو نہ گیا
(میر)

کوشش :-

سعیِ پیہم ہے ترازوے کم و کیفِ حیات
تیری منزل ہے شمارِ سحر و شام ابھی
(اقبال)

کچھ فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
(غالب)

کون سُنتا ہے :-

سُنے گا کون میری چاک دامانی کا افسانہ
یہاں سب اپنے اپنے پیرہن کی بات کرتے ہیں
(کلیم الدین عاجز)

کوئی بھی اہلِ جنوں کی یہاں نہیں سنتا
چمن کے نغمہ سرا اپنی گائے جاتے ہیں
(ریاض)

ہو رہی ہے ہر کلی محوِ بہار
کون سنتا ہے اسیرِ دام کی
(مضطر مظفرپوری)

کینہ :-

کینہ جو! کس نے کہا تجھ سے کہ کینہ اچھا
پاک کینے سے جو سینہ ہے وہ سینہ اچھا
(مبارک عظیم آبادی)

تیرے دل سے گرہ کینہ کوئی تب کھولے
غوطہ گر مار سکے آبِ گہر میں ناخن
(عجائب رام نشتی)

گرنا سنبھلنا :-

ٹھہرے اگر تو منزلِ مقصود پھر کہاں
ساغر بکف گرے تو سنبھلنا نہ چاہیے
(اصغر گونڈوی)

دامنِ یار سے جا لپٹے ہمارے آنسو
گر کے اس طرح سنبھلتے ہیں سنبھلنے والے!
(ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی)

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی!
(اقبال)

گفتگو :-

درد کیا جس میں کچھ نہ ہو تاثیر
بات کیا جس میں کچھ مزہ نہ ہوا
(مرزا فخرو)

آدمی، آدمی سے ملتا ہے
بات کرنی تو کچھ کمال نہیں
(آغا شاعر)

حلاوتیں نہ ہمیں مِل سکیں تکلّم کی
سمیٹ لائے فقط تجلیاں تبسّم کی
(اختر انصاری)

عجیب لطف ہے باتوں کا دل سوائے بیباکؔ
ملا ہے خوب محبت میں راز دار مجھے
(حسین احمد بیباکؔ، شاہجہانپوری)

خدا نے کیا اثر بخشا ہے درد انگیز باتوں کو
بہت مجھ پر جو ہنستے تھے مری گفتار سے روئے
(شاد عظیم آبادی)

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
(غالبؔ)

وہ ایک بات جو موضوعِ گفتگو بنتی
ملے جو آپ تو کمبخت یاد ہی نہ رہی
(رعنا نقوی)

مآل اندیشی :-

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
(غالبؔ)

دم زدنِ مصلحتِ وقت نہیں اے ہمدم!
جی میں کیا کیا ہے مرے، پر لبِ اظہار کہاں
(میرؔ)

بہ فیضِ مصلحت ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں
کہ رہزن کو امیرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے
(جگن ناتھ آزاد)

دور بینی و جوانی، یہ تماشا کیسا
عیشِ امروز کے طوفان میں فردا کیسا
(جوش ملیح آبادی)

خلافِ مصلحت میں بھی سمجھتا ہوں، مگر ناصح
وہ آتے ہیں تو چہرے پر تغیر آ ہی جاتا ہے
(جوش ملیح آبادی)

مدح و تعریف :-

جانے کس رنگ سے تقفیہ کریں اہلِ ہوس
مدحِ زُلف و لب و رخسار کروں یا نہ کروں
(فیض احمد فیض)

نغمے نہ جان، نوحۂ اہلِ قفس ہیں یہ
صیّاد ذبح ہو گئے اس آفریں سے ہم
(ثاقب لکھنوی)

اپنی صورت کو جو کہتے ہو یہ صورت کیا ہے
تم کو یوسف کہیں ہم اس کی ضرورت کیا ہے
(مبارک عظیم آبادی)

مجلسِ وعظ :-

مجلسِ وعظ تو تا دیر رہے گی قائمؔ
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں
(قائمؔ)

واعظ، تری زباں تو پکڑتے نہیں غریب
آئے جو بزمِ وعظ میں، میخوار، کیا ہوا!
(مضطر مظفر پوری)

مسجد :-

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغؔ
ہر شخص پوچھتا تھا کہ حضرت ادھر کہاں!
(داغؔ)

آؤ مسجد میں پڑ رہیں عارفؔ
درِ میخانہ آج باز نہیں
(حکیم نواب جان خاں عارفؔ)

مشورہ :-

ٹھہری ہے ان کے آنے کی اب کل پہ جا صلاح
اے جانِ بر لب آمدہ! اب تیری کیا صلاح
(راسخ عظیم آبادی)

کی وفا میں اگر ہو تو وہ جفا نہ کرے
صلاح دیتے ہیں کیا کیا صلاح کار مجھے!
(حسین احمد بیباک شاہجہانپوری)

مطرب و نغمہ :-

ہر شئے سے پھوٹ نکلیں چشمے جوانیوں کے
ہاں اے نگارِ نورس ! ایسا کوئی ترانہ
(جوش ملیح آبادی)

نغمے سے جب پھول کھلیں گے چننے والے چن لینگے
سننے والے سن لینگے، تو اپنی دھن میں گائے جا
(حفیظ جالندھری)

ہو کے رہے گا ہمنوا، وہ بھی ترے ہی ساتھ ساتھ
نغمۂ شوق گائے جا حسن کی برہمی نہ دیکھ
(جگر مرادآبادی)

نغموں کو تیز تر کر ہاں اے جواں مغنی
وہ آ رہا ہے واپس گزرا ہوا زمانہ
(جوش ملیح آبادی)

توڑ دے دل میں کوئی تیز سا نشتر مطرب!
روح خوابیدہ ہے نغموں کا یہ ہنگام نہیں
(علی اختر اختر)

ابھی سُن لو تو شاید سکو تم دل کے نغموں کو
کہ اب اس کی صدا کچھ خود بخود کم ہوتی جاتی ہے
(آنند نرائن ملّا)

تکلفات کو بالائے طاق رکھ مطرب!
میں دل سے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو رباب اُٹھا
(روش صدیقی)

گھٹائیں دیکھ کر بے چین ہے بیتاب ہر شاعر
ترے قرباں اے مطرب! سنا دے کوئی موسم کی
(آغا شاعر دہلوی)

کچھ درد ہے مطربوں کی نَے میں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نَے میں
(شیفتہ)

مطرب سے کہو آج اس انداز میں گائے
ہر دل کو لگے چوٹ سی، ہر آنکھ بھر آئے
(فراقؔ گورکھپوری)

نہ جانے کتنی رنگیں صحبتیں ہیں میری آنکھوں میں
بس اے مطرب! مری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں
(جوشؔ ملیح آبادی)

مقابلہ، فتح و شکست :-

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا
(میرؔ)

کوہ فرہاد سے، مجنوں سے بیاباں جیتا
وحشتِ دل! ترے اقبال سے میداں جیتا
(رندؔ)

ملامت :-

دوست کرتے ہیں ملامت، غیر کرتے ہیں گِلہ
کیا قیامت ہے، مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں
(مومنؔ)

مہمانِ عزیز :-

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
(غالبؔ)

آصفؔ! اس وقت میاں کچھ متردد ہے تو
آج، سچ بولیو، گھر میں ترے مہماں ہے کون
(آصف الدولہ آصفؔ)

قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا
(داغؔ)

اُن کے پیکان کے پیکان چلے آتے ہیں
دل میں گھر کرنے کو مہمان چلے آتے ہیں
(شبیر حسین نسیم بھرت پوری)

وداع :-

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید
کچھ آج بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے!
(فانی)

۔ صبح سے آنسو نومیداز جیسے وداعی آتا ہے
آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہماری رخصت ہے
(میر)

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا
(میر)

نظر میر نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد
(میر)

۷ تا حدِ نظر اک دیوانہ، مڑ مڑ کے تکتا جاتا تھا
اس جانب حسرت سے نگراں دو سہمے سہمے آہو تھے
(عندلیب شادانی)

دیکھتے ہی دیکھتے دُھندلے ہوئے نقش و نگار
اے مری جاتی ہوئی دنیا، یہ تجھ کو کیا ہوا!
(عزیز لکھنوی)

وطن و غریب الوطنی :-

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو
(وحید الہ آبادی)

گذرے ہے یوں خیالِ وطن جوں کرے ہے یاد
خو کردۂ قفس، گل و گلزار گاہ گاہ
(مرزا غلام حیدر مجذوب)

ہے آج یہ کیا بات کہ بے ساختہ حسرتؔ
یاد آتی ہے رہ رہ کے عزیزانِ وطن کی
(حسرتؔ موہانی)

دشتِ غربت میں رلاتے ہیں ہمیں یاد آکر
اے وطن! تیرے گل و سنبل و ریحان کیا کیا
(اخترؔ شیرانی)

وطن کے لوگ ستاتے تھے جب وطن میں تھے
وطن کی یاد ستاتی ہے جب وطن میں نہیں
(انجمؔ مانپوری)

وطن میں آنکھ چراتے تھے ہم سے اہلِ وطن
تڑپتے رہتے ہیں غربت میں ہم وطن کیلئے
(وحشتؔ کلکتوی)

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شام سوادِ وطن میں ہے
(حسرتؔ موہانی)

وسعتِ خلد سے بڑھ کر ہے کہیں حبِ وطن
تنگیٔ گور سے بدتر ہے فضائے غربت
(نواب واجد علی شاہ اخترؔ)

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے!
(حفیظؔ جونپوری)

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکرِ وطن
تو چشمِ صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں
(فیض احمد فیضؔ)

میں وطن سے حزین و ملول پھرا، نہ وہ بزم ملی، نہ وہ باغ ملا
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا، وہ چمن ہی نہ تھا، وہ ہوا ہی نہ تھی
(اکبرؔ الٰہ آبادی)

کسی نے بھی نہ پہچانا وطن میں
میں سمجھا تھا بہت مشہور ہوں میں
(حفیظؔ جالندھری)

غربت کی بے کسی پر کر روں گا صبر یا رب — واپس مگر نہ کرنا اس حال سے وطن میں
(ناطق لکھنوی)

یاد اب بھولے سے بھی صبحِ وطن آتی نہیں — ہو گئی مانوس ایسی شامِ غربت میرے ساتھ
(سید کاظم علی شوکت)

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر — مجھ کو غربت وطن سے بہتر ہے
(آتش)

خاک آرام کی خواہش ہو وطن سے باہر — جب ہمیں چین تپش اپنے ہی گھر نے نہ دیا
(عبداللطیف تپش)

مارا دیارِ غیر میں مجھکو وطن سے دور — رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
(غالب)

ہملوگ :-

عشق کا گھر ہے میر سے آباد — ایسے پھر خانماں خراب کہاں!
(میر)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ — افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی
(میر)

برسوں لگی رہے ہیں جب مہر و مہ سے آنکھیں — تب کوئی ہم سا صاحب! صاحب نظر بنے ہے
(میر)

اب کون ہے رموزِ محبت کا راز داں — اک ہم رہے ہیں، ہم کو کوئی پوچھتا نہیں
(آسی الدنی)

ڈھونڈھو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم — تعبیر ہے جسکی حسرت و غم، اے ہمنفسو وہ خواب ہیں ہم
(شاد عظیم آبادی)

داغ اِک آدمی ہے گرما گرم　　خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ
(داغ)

گرفتارِ محبّت ہوں، اسیرِ دامِ محنت ہوں　　میں رسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں
(حسرت موہانی)

خوش ہو گئے ریاض سے بھی ملنا　　کیا باغ و بہار آدمی ہے
(ریاض)

بڑا غضب ہو کہ حاتم کو تم نہ پہچانا　　وہی قدیم تمہارا غلام بھول گئے
(شاہ حاتم)

ہے ریاض اِک جوان مست خرام　　نہ پیئے اور جھومتا جائے
(ریاض)

جس انجمن میں بیٹھ گیا، رونق آ گئی　　کچھ آدمی ریاض عجب دلگی کا تھا
(ریاض)

ہم نہ نکہت ہیں، نہ گُل ہیں کہ مہکتے جاویں　　آگ کی طرح جدھر جاویں، دہکتے جاویں
(میر حسن)

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں　　مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں
(امیر مینائی)

بہت جی خوش ہوا حالی سے مِل کے　　ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
(حالی)

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوش سے مِل کے　　ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں
(جوش ملیح آبادی)

غمِ ہستی کے بیابانوں سے — کچھ ہمیں تھے کہ غزلخواں گذرے

(عابد علی عابدؔ)

اہلِ ظاہر تو فقط دَیر و حرم تک پہنچے — اک ہمیں تھے جو ترے نقشِ قدم تک پہنچے

(آلِ احمد سرورؔ)

ہم سے ملتی ہے برقِ طور کو داد — وہ تبسّم نواز ہیں ہم لوگ

(فانیؔ)

میں ہوں ازل سے گرمِ روِ عرصۂ وجود — میرا ہی کچھ غبار ہے، دُنیا کہیں جسے

(اصغرؔ گونڈوی)

اُڑا ہوں جب تو فلک پر لیا ہے دَم جا کر — زمیں کو توڑ گیا ہوں، جو رہ گیا ہوں میں

(اصغرؔ گونڈوی)

خاک ہوں پر تُوتیا ہوں چشمِ مہر و ماہ کا — آنکھ والا رُتبہ سمجھے، مجھ غبارِ راہ کا

(راسخؔ عظیم آبادی)

خاک تو میں ہوں مگر خاکسترِ پروانہ ہوں — جانئے اک یادگارِ گرمیِ محفل مجھے

(محی الدین تمناؔ، پھلواروی عظیم آبادی)

مجھے چھوڑیئے مرے حال پر، میں بُرا ہوں سب سے بُرا سہی — یہ گماں کہ ننگِ وفا بھی ہوں، تو بلا سے ننگِ وفا سہی

(مانوسؔ سہسرامی)

ہمدردی :-

مزاجِ حُسن میں یہ دردمندی! — یہ فیضِ عشق کیا سے کیا ہوا ہے!

(اخترؔ اورینوی)

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ — سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(امیرؔ مینائی)

کسی کا رنج دیکھوں ہو نہیں سکتا مرے دل سے — پلک صیاد کی جھپکے، تو کچھ کہدوں عنادل سے
(ثاقب لکھنوی)

ہمّت :-

ناامیدی نے مٹایا مری ہمت کا غرور — جو خیال آتا ہے اب دل میں وہ پست آتا ہے
(آسی الدنی)

اہلِ ہمّت منزلِ مقصود تک آ بھی گئے — بندۂ تقدیر قسمت کا گلہ کرتے رہے
(چکبست لکھنوی)

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا — مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا
(فانی)

سروش اکثر پیام گُل صبا سوئے قفس لائی — کہ آزادی کی خاطر ہمت پرواز پیدا کر
(مرزا اختر حسین سروش عظیم آبادی)

ہوس :-

نے گُل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار — کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں
(درد)

وفا کی سسکیاں، اس پر ہوس کے قہقہے، توبہ — محبّت کی فضا تھرّا گئی، کیا تم نہ آؤ گے!
(ہری چند اختر)

ہیچمدانی :-

یہی جانا، کہ کچھ نہ جانا، ہائے — سو بھی اِک عمر میں ہوا معلوم
(میر)

اسمائے گرامی شعرا

مع

مختصر سوانح

(الف)

انیس - سید شاہ انیس احمد قادری رزاقی۔ حضرت سید امیر محمد ن القادری بغدادی ثم امجھری کی اولاد سے تھے۔ وطن داؤد نگر۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کو وصال ہوا۔

آباد - وطن عظیم آباد۔

آبرو - شاہ مبارک، اصل نام نجم الدین۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کی اولاد سے تھے۔ محمد شاہ کے عہد حکومت میں بمقام شاہجہاں آباد ۱۷۵۰ء میں وصال ہوا۔

آتش - خواجہ حیدر علی اصلی وطن دہلی تھا۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶۳ھ میں لکھنؤ میں بمقام معالی خان کی سرائے انتقال ہوا۔

آرزو - سراج الدین علی خاں معروف بہ خان آرزو۔ دہلی میں رہتے تھے۔ ولادت ۱۶۸۹ء۔ وصال بمقام لکھنو ۱۷۵۶ء۔

آرزو - سید انوار حسین لکھنوی۔ ولادت ۱۲۸۹ھ۔ کلکتہ اور بمبئی میں رہتے تھے۔ ابھی چند سال ہوئے کہ کراچی میں انتقال ہوا۔

آزاد - حافظ فضل حق۔ وطن موضع شاہو بگہ ضلع پٹنہ (عظیم آباد) ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ وصال ۱۹۲۵ء کے بعد ہوا ہے۔

آزاد - محمد حسین دہلوی۔ غدر کے بعد لاہور چلے گئے۔ وصال ۱۹۱۰ء تاریخی نام "ظہور اقبال"۔ شاگرد ذوق۔

آزاد - جگن ناتھ۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد سے دہلی میں مقیم ہیں اور منسٹری آف انفورمیشن میں کسی عہدے پر فائز ہیں۔ عمر تقریباً پینتالیس ہو گی۔

آزاد - میر ظفر علی، مرشد آبادی۔ معاصر میر حسن۔ اواخر بارھویں صدی ہجری میں زندہ تھے۔

آزاد - انصاری۔ الطاف احمد نام۔ ۲۷ رجب ۱۲۸۸ھ کو ناگپور میں پیدا ہوئے۔ حالی کے شاگرد تھے۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔

آزردہ - مفتی صدرالدین دہلوی۔ ولادت ۱۲۰۴ھ۔ وفات ۱۲۸۵ھ۔ تقریباً ۱۸۶۸ء "رند" کے عنوان ص ۳۶۱ کے پہلے شعر اور "عشق" کے عنوان ص ۱۵۰ میں غلطی سے اُن کا تخلص آرزو چھپ گیا ہے۔

آسی - عبدالباری الدنی - ولادت ۱۸۹۳ء - ۱۹۱۴ء سے لکھنؤ میں رہتے تھے۔ وصال حال ہی میں ہوا ہے۔

آسی - محمد اسمٰعیل آروی - وطن آرہ - عمر تقریباً تیس سال - کسی مکتب میں مدرس ہیں۔

آسی - شیخ محمد عبدالعلیم جونپوری ثم غازی پوری - ولادت ۱۲۵۰ھ - وفات ۱۹۱۷ء - شاہ غلام اعظم افضل الہ آبادی سے اصلاح لیتے تھے جو ناسخ کے شاگرد تھے۔

آشفتہ - بھورے خاں -

آشفتہ - حکیم سید منور علی - شاگرد مومن -

آشنا - بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں زندہ تھے۔

آصف - نواب آصف الدولہ بہادر - ولادت ۱۱۶۰ھ - تخت نشینی ۱۱۸۸ھ - انتقال ۱۲۱۲ھ (اوائل انیسویں صدی عیسوی)

آفتاب - سلطان شاہ عالم - بادشاہ دہلی ۱۷۵۹ء سے ۱۸۰۶ء تک۔

آہی - میر عبدالرحمن - خلف میر حسین تسکین - داماد و شاگرد مومن۔

اثر - نواب سید امداد امام - وطن نیورہ ضلع پٹنہ (عظیم آباد) ولادت ۱۸۴۹ء ۱۹۳۴ء میں انتقال ہوا۔

اثر - جعفر علی خاں لکھنوی - ولادت ۱۲ جولائی ۱۸۸۵ء بمقام لکھنؤ ۱۹۴۰ء میں کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ شاگرد مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی۔

اثر - خواجہ عبدالسمیع صبائی - بقید حیات ہیں - وکالت کرتے ہیں۔

اثر - میر محمد - خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ میر حسن نے ان کا نام محمد میر اثر لکھا ہے۔

اثر - محمد یٰسین مظفر پوری - موضع بھورار ضلع مظفر پور (بہار) کے رہنے والے ہیں۔ مسلم ہائی اسکول مظفر پور کے ہیڈ ماسٹر ہیں - عمر تقریباً پچاس سال۔

اجتبیٰ - اجتبیٰ حسین رضوی - چھپرہ ضلع کے رہنے والے ہیں - راجندر کالج چھپرہ میں پروفیسر ہیں - عمر تقریباً اڑتالیس سال۔

اجمل - محمد اجمل الہ آبادی - بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں زندہ تھے۔

احسان - احسان الحق ابن دانش علی - آبائی وطن قصبہ باغپت ضلع میرٹھ - ولادت ۱۹۱۴ء - لاہور میں رہتے ہیں۔

احسان - احسان علی - شاہجہاں آبادی -

احسنؔ۔ مرزا احسن علی۔ بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں زندہ تھے۔ شجاع الدولہ کے ملازم تھے۔ پہلے میر ضیا کے شاگرد تھے۔ پھر سودا سے اصلاح لی۔

احسنؔ۔ سید علی احسن مارہروی۔ ولادت ۱۲۹۳ھ۔ کچھ دن علی گڑھ میں اُردو کے پروفیسر بھی تھے۔ حال ہی میں انتقال ہوا۔

احسنؔ۔ مہدی حسن۔ وطن لکھنؤ ولادت تقریباً ۱۸۰۰ء

احسنؔ۔ محمد احسن اللہ۔

احقرؔ۔ شاہ رحمت اللہ مظفر پوری۔ کچھ عرصہ ہوا مظفر پور میں انتقال ہوا۔

احقرؔ۔ شیخ بشارت حسین بہاری۔ ولادت ۱۸۵۹ء۔ وصال ۱۹۲۰ء۔ وطن قصبہ بہار شریف ضلع پٹنہ (بہار)

احمدؔ۔ گجراتی۔ ولی دکنی کے معاصر تھے۔

احمدؔ۔ سہارن پوری۔ دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

اخترؔ۔ مسعود حسین، گورکھپوری۔ ولادت ۱۹۱۰ء۔ چیف کمرشیل سپرنٹنڈنٹ آفس گورکھپور میں ہیڈ کلرک ہیں۔

اخترؔ۔ واجد علی شاہ اودھ لکھنوی۔ ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۸۷ء کو انتقال ہوا۔ اسیر لکھنوی اور فتح اللہ برقؔ سے اصلاح لیتے تھے۔

اخترؔ۔ داؤد خاں شیرانی۔ ۱۹۰۵ء میں ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کرلی۔ اور وہیں ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو انتقال کیا۔

اخترؔ۔ سید عبدالماجد۔ مظفر پوری۔ جی بی بی کالج مظفر پور (بہار) میں پروفیسر تھے۔ [redacted]
۔ [redacted]

اخترؔ۔ علی اختر، علی گڑھی۔ ۱۳۱۱ھ میں ریاست رام پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء سے مستقلاً حیدرآباد میں بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے۔

اخترؔ۔ پنڈت ہری چند۔ دہلی میں مقیم ہیں۔ عمر تقریباً ساٹھ سال ہوگی۔

اخترؔ۔ جاں نثار۔ نوجوان شاعر ہیں۔ فلموں کے لئے بھی لکھتے ہیں۔ بمبئی میں قیام ہے۔

اخترؔ۔ سید اختر احمد۔ وطن قصبہ اورین ضلع مونگیر (بہار)۔ عمر تقریباً پینتالیس سال۔ پٹنہ

یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر ہیں۔

ادا - عزیز جہاں جعفری بدایونی - پیدائش اگست ۱۹۲۴ء۔

ادیب - سہارن پوری - دورِ حاضر کے شاعروں میں ہیں۔

ادیب - مالیگانوی - دورِ حاضر کے شاعروں میں ہیں

ارمان - احمد ارمان - وطن آرہ - مسوڑھی ضلع پٹنہ (بہار) کے ایک سکول میں معلّم ہیں - عمر تقریباً باون سال۔

اریب - سلیمان - عمر تقریباً تیس سال - رسالہ "صبا" حیدرآباد کے اڈیٹر ہیں۔

اسد - ملتانی بقیدِ حیات ہیں

اسد - اسد علی شاہجہان پوری۔

اسد - میر امان۔

اسمٰعیل - محمد اسمٰعیل میرٹھی - ولادت ۱۸۴۲ء - انتقال ۱۹۱۷ء - مرزا غالب کے شاگرد تھے۔

اسیر - سید مظفر علی خاں لکھنوی - امیٹھی (لکھنو) میں پیدا ہوئے - واجد علی شاہ کے استاد تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا - مصحفی کے شاگرد تھے۔

اشتیاق - شاہ ولی اللہ - وطن کوٹلہ فیروز شاہ - شاہجہان آباد - حضرت مجدّد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے - اواخر بارھویں صدی ہجری میں زندہ تھے۔

اشرف - محمد اشرف - وطن مرشد آباد - ۱۷۸۰ء میں بقیدِ حیات تھے۔

اشعر - حبیب - دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

اصغر - گونڈوی - ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں وفات پائی - شیخ امیر اللہ تسلیم کے شاگرد تھے۔

اصغر - اصغر سیہم - دورِ حاضر کے شاعر ہیں۔

اطہر - ہاپوڑی - دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

اظہار - رامپور کے رہنے والے ہیں - دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

افسر - حامد اللہ میرٹھی - ولادت ۱۸۹۸ء

افسوس - میر شبیر علی - ان کا خاندان اودھ سے تعلق رکھتا تھا - سوزؔ اور حیرانؔ سے مشورہ کرتے تھے - وفات ۱۸۰۹ء۔

افقر - محمد حسین، موہانی۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔ ولادت تقریباً ۱۸۹۰ء۔

اقبال - سر شیخ محمد اقبال ۱۸۷۶ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ لاہور کالج میں فلسفہ کے لکچرر تھے۔ پھر لاہور ہی میں بیرسٹری کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں انتقال ہوا۔

اقبال - صفی پوری۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

اکبر - خان بہادر سید اکبر حسین الہ آبادی۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں سشن ججی سے ریٹائر ہوئے۔ وفات ستمبر ۱۹۲۱ء کہتے ہیں کہ ان کا اصلی وطن داؤ دنگر ضلع گیا (بہار) ہے۔

اکبر - شاہ محمد اکبر ابوالعلائی۔ وطن داناپور ضلع پٹنہ (بہار) قریب چالیس سال ہوئے کہ تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اکبر - جلال الدین۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔ بقیدِ حیات ہیں۔

الفت - منشی آنند رام۔ بہار کے شعرا میں ہیں ۱۸۷۸ء میں بقیدِ حیات تھے۔

امانت - لکھنوی۔ دورِ متاخرین کے شعرا میں ہیں۔

امجد - مجید۔ دورِ حاضر کے شاعروں میں ہیں۔

امید - محمد علی۔ کنیت ابو الکمال۔ وطن امیٹھی ضلع سلطان پور۔ ۳ فروری ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔

امن - گوپی ناتھ۔ وطن دہلی۔ عمر تقریباً۔ ساٹھ، پینسٹھ سال۔ بقیدِ حیات ہیں۔

امیر - مفتی امیر احمد، مینائی۔ حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنوی کی اولاد میں ہیں۔ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا۔ اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے۔

امیر - نواب امیر خاں۔ شاہجہاں آباد میں شہید ہوئے۔ میر حسن (وفات ۱۲۰۱ھ) کے پہلے کے شاعر ہیں۔

امین - سید شاہ امین احمد فردوسی۔ سجادہ نشیں خانقاہ بہار شریف۔ ولادت ۲۳ رجب ۱۲۴۹ھ، وصال ۴ جمادی الاخر ۱۳۲۱ھ۔ تقریباً ۱۹۰۲ء۔

ایمن - خواجہ امین الدین۔ وطن عظیم آباد۔ ۱۸۴۰ء میں بقیدِ حیات تھے۔

انجم ۔ نور محمد ۔ وطن مان پور، ضلع گیا (بہار) بقید حیات ہیں ۔ عمر تقریباً ستر سال ۔

انجم ۔ فضل الدین، رومانی ۔ ولادت ۱۹۲۰ء ۔

انشا ۔ انشاء اللہ خان ۔ مولد مرشد آباد ۔ قیام دہلی و لکھنؤ ۔ وصال ۱۸۱۷ء ۔

انشا ۔ ابن انشا ۔ دور حاضر کے شاعر ہیں ۔

انور ۔ سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا پہلے ذوق، اس کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے
۸۰ سال کی عمر میں جے پور میں انتقال ہوا ۔

انیس ۔ میر ببر علی ۔ لکھنوی ۔ میر حسن کے پوتے تھے ۔ ۱۲۱۶ھ میں فیض آباد میں پیدا ہوئے ۔
۷۴، سال کی عمر میں لکھنؤ میں وفات پائی اور اپنے مکان ہی میں مدفون ہیں ۔

اوج ۔ محمد یعقوب ۔ گیا (بہار) کے رہنے والے تھے ۔ ۱۹۲۰ء میں حیات تھے ۔

(ب)

باقر ۔ باقر مہدی ۔ وطن لکھنؤ ۔ عمر تقریباً تیس سال ۔ بمبئی میں مقیم ہیں ۔ فلموں کیلئے بھی لکھتے ہیں ۔

باقی صدیقی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

بحر ۔ شیخ امداد علی ۔ وطن لکھنؤ ۔ ولادت تقریباً ۱۲۲۵ھ ۔ وصال سن ۱۳۰۰ھ تقریباً ۱۸۸۲ء
ناسخ کے شاگرد تھے ۔

برق ۔ قاضی نجم الدین ۔ وطن سکندر آباد ۔ مومن کے شاگرد تھے "حرم و دیر" کے عنوان
میں ان کا ایک شعر آیا ہے ۔

برق ۔ نواب رضا علی خان ۔ عرف پیارے نواب (مرزا محمد رضا) ۱۲۷۳ھ تقریباً ۱۸۵۵ء
میں وصال ہوا ۔ ناسخ کے شاگرد تھے ۔

برق ۔ موسوی ۔ موجودہ دور کے شاعر ہیں ۔

بسمل ۔ سید شاہ محمد حسن، عظیم آبادی ۔ وطن ہرداس بگہہ ضلع پٹنہ ۔ قیام لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی ۔
بہار ۔ بقید حیات ہیں ۔ عمر تقریباً پینسٹھ سال ۔ شاد عظیم آبادی کے شاگرد ہیں ۔

بسمل ۔ سید امین الحسن، موہانی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

بسمل ۔ دہلوی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

بسمل ۔ عبد الرزاق ۔ حیدر آباد میں وکیل تھے ۔

بسمل۔ سکھدیو پرشاد سنہا۔ وطن الہ آباد۔ بقید حیات ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال۔ نوح ناروی کے شاگرد ہیں۔

بسمل۔ آروی۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

بقا۔ شیخ بقاء اللہ۔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں قیام رہا۔ شاہ حاتم اور خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔ وفات ۱۲۰۶ھ تقریباً ۱۷۸۸ء۔

بلقیس۔ بلقیس ظفر الحسن رحمانی۔ وطن موتیہاری ضلع چمپارن۔ پیدائش تقریباً ۱۹۳۷ء۔

بہزاد لکھنوی بقید حیات ہیں۔ آج کل پاکستان میں مقیم ہیں۔

بہار۔ لالہ ٹیک چند۔ میر حسن لکھتے ہیں کہ یہ فارسی کے شاعر تھے۔ اور سراج الدین علی خاں آرزو (وفات ۱۷۵۶ء) کے دوستوں میں تھے۔

بیان۔ یزدانی۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

بیان۔ خواجہ احسن اللہ۔ اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ دلّی میں رہے۔ پھر حیدر آباد چلے گئے اور وہیں ۱۲۱۳ھ (تقریباً ۱۷۹۵ء میں) انتقال ہوا۔ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔

بیباک۔ حسین احمد شاہجہاں پوری۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں۔

بیتاب۔ سید حسین۔ وطن لکھنؤ۔ ولادت تقریباً ۱۸۷۵ء۔

بیتاب۔ سید علی خاں، عرف لاڈلے صاحب۔ وطن عظیم آباد۔ ولادت ۱۸۶۶ء۔ وفات ۱۹۲۸ء۔ مختار تھے۔ شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔

بیتاب۔ پنڈت مہتاب رائے، دہلوی۔

بیتاب۔ سنتوکھ رائے۔ میر حسن (وفات تقریباً ۱۷۸۶ء) اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں "از تذکرہ قائم معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود۔ معلوم نیست کہ فی الحال کجاست"۔

بیتاب۔ عباس علی خاں (ان کا نام غلطی سے صفحہ ۱۶۸ پر سعادت علی خاں چھپ گیا ہے) وطن رامپور۔ ولادت تقریباً ۱۲۳۲ھ۔ وصال ۱۳۱۱ھ (تقریباً ۱۸۹۲ء) مومن کے شاگرد تھے۔

بیدار۔ میر محمد علی نام۔ میر محمدی عرف۔ وطن اکبر آباد۔ ولادت ۱۱۴۵ھ، تقریباً ۱۷۲۶ء۔ میر حسن نے تقریباً ۱۱۷۴ھ میں درویشی کے لباس میں دیکھا تھا۔ انتقال ۱۷۹۴ء۔

بیدل - پروفیسر عبدالمنان - وطن موضع ڈیانواں، ضلع پٹنہ - تقریباً ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے - پٹنہ کالج میں پروفیسر تھے - ۱۹۴۹ء میں پنشن ہوئی - بقید حیات ہیں - وحشت کلکتوی کے شاگرد ہیں -

بیدم - بیدم شاہ وارثی حضرت حاجی وارث علی رح کے مرید اور خلیفہ تھے - حال ہی وصال ہوا ہے -

بیخود - سید وحید الدین دہلوی - ۳۰ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ (تقریباً ۱۸۵۵ء) کو بمقام بھرت پور پیدا ہوئے - دہلی میں قیام رہا - حال میں انتقال ہوا ہے - داغ کے شاگرد تھے -

بیخود - عبدالحی - وطن بدایوں - ولادت ۱۸۵۷ء - حالی اور داغ کے شاگرد -

بیمار - شیخ علی بخش - وطن سنبل مراد آباد - صاحب خمخانۂ جاوید، بزم سخن اور طور کلیم ان کو مصحفی کا شاگرد لکھتے ہیں حسرت موہانی ان کو قدرت اللہ شوق کا شاگرد کہتے ہیں - اور نیاز فتحپوری ان کو مومن کا شاگرد بتاتے ہیں -

بینظیر - سید محمد بینظیر شاہ وارثی - مانک پور - الہ آباد کے رہنے والے - ولادت ۱۸۸۳ء - حضرت حاجی وارث علی رح کے مرید اور خلیفہ تھے -

(پ)

پرویز - سید محمد اکرام شاہدی - وطن لودی کٹرہ - پٹنہ سیٹی - عمر تقریباً چھیالیس سال - کلکتے میں قیام ہے -

(ت)

تاباں - میر عبدالحیٔ - وطن دلی - ۱۱۶۱ھ - تقریباً ۱۷۵۱ء میں عین جوانی میں انتقال کیا - محمد علی حشمت، یا حاتم - یا پھر بعضوں کے نزدیک سودا کے شاگرد تھے -

تاباں - غلام ربانی - دہلی میں مقیم ہیں - عمر تقریباً پینتالیس سال -

تاثیر - ڈاکٹر محمد دین - پی ایچ ڈی - ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے - پنجاب کے رہنے والے تھے - ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا -

تاجور - شمس العلما احسان اللہ نجیب آبادی - ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے - ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا -

تبسم - صوفی غلام مصطفیٰ - ۴ اگست ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے - بقید حیات ہیں مغربی پاکستان

میں مقیم ہیں ۔ گورنمنٹ کالج میں شعبہ فارسی کے صدر رہے ۔

تپش ۔ عبداللطیف ۔ وطن لاہور ۔ ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے ۔

تسکین ۔ میر حسین دہلوی ۔ پیدائش ۱۲۱۸ھ ۔ وصال ۱۲۶۸ھ ۔ مومن کے شاگرد تھے ۔ پہلے شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے ۔

تسلی ۔ لالہ ٹیکا رام ۔

تسلیم ۔ احمد حسین نام تھا ۔ مگر امیر اللہ کے نام سے مشہور رہوئے وطن فیض آباد ۔ لکھنو میں اقامت اختیار کی ۔ ولادت ۱۲۳۵ھ ۔ وصال ۱۳۲۹ھ (تقریباً ۱۹۱۱ء) میں ہوا ۔ مرزا اصغر علی نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۔

تشنہ ۔ محمد علی ۔ داغ کے ہمعصر تھے ۔

تعشق ۔ سیّد مرزا ۔ وطن لکھنو ۔ ۱۸۹۶ء میں لکھنو میں انتقال ہوا ۔

تمکین ۔ میاں صلاح الدین ۔ سنہ ولادت یا وصال معلوم نہیں ہے ۔ میر حسن لکھتے ہیں کہ یہ متقدمین میں سے ہیں ۔

تمنّا ۔ محی الدین ، عمادی پھلواروی عظیم آبادی ۔ وطن پھلواری ، ضلع پٹنہ ۔ آج کل ڈھاکہ میں مقیم ہیں ۔ عمر تقریباً ستر سال ۔

(ث)

ثاقب ۔ میر ذاکر حسین ۔ آگرہ میں پیدا ہوئے ۔ لکھنو میں قیام رہا ۔ ولادت ۲ جنوری ۱۸۶۹ء ۔

ثاقب ۔ کانپوری ۔

(ج)

جادو ۔ رامپوری ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

جذبی ۔ معین احسن ۔ علی گڑھ میں شعبۂ اُردو میں لکچرر ہیں ۔

جذب ۔ میر مظہر علی ، عظیم آبادی ۔ میر حسن (وفات تقریباً ۱۷۸۶ء) کے ہمعصر تھے ۔

جراُت ۔ شیخ قلندر بخش ۔ آبائی نام یحیٰی امان ۔ فیض آباد میں نشو ونما پائی ۔ لکھنو کے محلہ رستم نگر میں رہتے تھے ۔ وفات ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء)

جراُت ۔ میر مستقیم ۔ میر حسن ان کے بارے میں لکھتے ہیں " بطرف پورنیہ بہ لباس درویشی بسر می برد "

جعفر ــ جعفر عباس، سہارن پوری۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

جگر ــ شیام موہن لال۔ بریلی کے رہنے والے۔ موجودہ دَور کے شاعر ہیں۔

جگر ــ علی سکندر۔ وطن مراد آباد۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ بقیدِ حیات ہیں۔ داغ کے شاگرد ہیں۔

جگر ــ حکیم محمد افتخار علی صدیقی۔ وطن بسوان۔ موجودہ دور کے شاعر ہیں۔

جلال ــ سیّد ضامن علی، لکھنوی۔ سنہ ۱۲۵۰ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انتقال سنہ ۱۳۲۵ھ (سنہ ۱۹۰۷ء) میں ہوا۔ امیر علی خاں ہلال، میر علی اوسط رشک اور مرزا محمد رضا برق کے شاگرد رہے ہیں۔

جلیل ــ حافظ جلیل حسن۔ وطن مانک پور ضلع پرتاب گڈھ۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد انتقال ہوا ہے۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔

جمیل ــ کاظم حسین مظہری۔ وطن حسن پورہ (بہار) پٹنہ کالج میں اُردو کے پروفیسر ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال۔ وحشت کلکتوی کے شاگرد ہیں۔

جمیل ــ ملک۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں۔ بقیدِ حیات ہیں۔ عمر تقریباً تیس سال ہوگی۔

جمیلہ ــ راضیہ خاتون عظیم آبادی۔ خان بہادر خدا بخش خاں، بانیٔ خدا بخش لائبریری پٹنہ کی اہلیہ تھیں۔ اکثر غزلوں میں راضیہ، اور خاتون بھی تخلص کیا ہے۔

جنون ــ شاہ غلام مرتضیٰ، عظیم آبادی۔ میر و سودا کے ہمعصر تھے۔

جوش ــ شبیر حسن ملیح آبادی۔ ولادت سنہ ۱۸۹۶ء۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں پاکستان چلے گئے۔ بقیدِ حیات ہیں۔

جوش ــ ملسیانی۔ بقیدِ حیات ہیں عمر تقریباً پچھتر برس ہوگی۔

جوشش ــ میاں شیخ محمد روشن عظیم آبادی۔ میر حسن کے ہمعصر تھے۔

جولاں ــ میاں رمضان۔ محمد شاہ کے زمانے میں تھے۔ غالباً میر و سودا کے ہمعصر تھے۔

جوہر ــ مولانا محمد علی۔ وطن رامپور سنہ ۱۸۷۸ء میں وہیں پیدا ہوئے۔ ۳ر جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کو انتقال ہوا۔ بیت المقدس میں مدفون ہیں۔

جوہر ــ مرزا احمد علی۔ وطن شاہجہاں آباد۔ میر و سودا کے ہمعصر تھے۔

جوہر ــ محمد یونس۔ وطن صادق پور، یکے از محلات عظیم آباد۔ انتقال کو سولہ سترہ سال ہوئے۔

(چ)

چکبست - پنڈت برج نرائن - کشمیری برہمن تھے - ۱۸۸۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے - لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی - ممتاز وکیل تھے - ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا -

(ح)

حاتم - شیخ ظہور الدین، عرف شاہ حاتم - پہلے رمز تخلص کرتے تھے - ولادت ۱۱۱۱ھ وفات بقول مصحفی ۱۱۹۶ھ - بقول آزاد ۱۲۰۷ھ - تقریباً ۱۷۹۲ء -

حالی - شمس العلما خواجہ الطاف حسین پانی پتی ۱۸۳۷ء - میں پانی پت میں پیدا ہوئے - ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو انتقال ہوا - پہلے نواب مصطفے خاں شیفتہ، پھر حکیم مومن - اور آخر میں غالب سے مستفیض ہوئے -

حزیں - میر محمد باقر - وطن دہلی - آخر میں عظیم آباد میں قیام تھا - مرزا مظہر کے شاگرد تھے -

حسامی - حسام الدین - ایک امی شاعر -

حسرت - سید فضل الحسن - وطن موہان ضلع اناؤ - ولادت ۱۲۹۵ھ - وفات ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء - تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے -

حسرت - جعفر علی - ۱۲۱۷ھ میں انتقال ہوا - سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے -

حسرت - چراغ حسن - ولادت ۱۹۰۴ء - مغربی پاکستان میں قیام تھا - حال میں انتقال ہوا -

حسرت - شمس العلما حاجی محمد سعید - وطن عظیم آباد - ولادت ۱۲۲۵ھ - وفات ۱۳۰۴ھ -

حسن - میر غلام حسن - میر حسن کے نام سے مشہور ہیں - وطن دہلی - وفات ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ء) لکھنؤ میں - میر ضیا کے شاگرد تھے - سودا اور میر درد سے بھی اصلاح لی -

حسن - حاجی محمد حسن رضا خاں، بریلوی - ولادت ۱۲۷۶ھ وفات ۲۲ رمضان ۱۳۲۶ھ -

حسن - حسن امام وارثی - وطن گیا (بہار) تھا - تقسیم ہند کے بعد سے کراچی میں مقیم ہیں - عمر تقریباً پینسٹھ سال -

حسن - حسن نعیم - وطن راجگیر ضلع پٹنہ - بعدہ شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) عمر تقریباً تیس سال - وزارت خارجہ ہند میں کسی عہدے پر فائز ہیں -

حشر - آغا حشر کاشمیری - مشہور ڈرامہ نگار - ولادت بمقام بنارس ۱۸۷۹ء - وفات ۱۹۳۴ء -

حضور ۔ شاہجہاں آبادی ۔ میر حسن ان کے متعلق لکھتے ہیں "حضور تخلص، شخصے ہندو در شاہجہاں آباد رطب و یابس بسیار دارد"

حفیظ ۔ عبد الحفیظ جالندھری ۱۹۲۲ء میں لاہور آئے ۔ تقسیم ہند کے بعد بھی وہیں قیام ہے ۔ ولادت ۱۴ ر جنوری سنہ ۱۹۰۰ء ۔

حفیظ ۔ عبد الحفیظ سلیم، ہوشیار پوری ۔ ۵ ر جنوری ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے ۔ ریڈیو پاکستان میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں ۔

حفیظ ۔ حافظ محمد علی، وطن جون پور ۔ وہیں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے ۔ غالباً ۱۹۲۰ء کے بعد انتقال ہوا ۔ پہلے وسیم اور پھر میر مینائی سے اصلاح لی

حمید ۔ سید شاہ عبد الحمید ۔ وطن نلہاڑہ ۔ ضلع پٹنہ ۔ عمر تقریباً چھیالیس سال ۔ پٹنہ میں قیام ہے پٹنہ ہائی کورٹ میں ٹرانسلیٹر ہیں ۔

حیا ۔ مرزا رحیم الدین ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

حیدری ۔ اکبر خاں ۔

حیران ۔ میر حیدر علی ۔ میر حسن کے ہمعصر تھے ۔ سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے ۔

حیرت ۔ عبد المجید ۔

(خ)

خاکسار ۔ محمد یار ۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں زندہ تھے ۔

خسرو ۔ امیر خسرو ۔ دہلوی ۱۲۵۳ھ میں ایٹہ (یو پی) میں پیدا ہوئے ۔ ۱۳۲۵ء میں انتقال ہوا ۔

خلیق ۔ میر مستحسن میر حسن کے لڑکے اور مصحفی کے شاگرد تھے ۔

خلیل ۔ میر دوست علی ۔ وطن بدولی، ملک اودھ ۔ ۱۲۷۹ء میں کلکتہ گئے ۔ اور وہیں رہ گئے ۔ آتش کے شاگرد تھے ۔

خمار ۔ بارہ بنکوی ۔ دور حاضر کے شاعر ہیں ۔

خوشدل ۔ گھاسی رام ۔ میر حسن ان کے بارے میں لکھتے ہیں "خوشدل تخلص می نماید ۔ از شاہجہاں آباد در فیض آباد بر کار صرافی مشغول است"

خیال ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

(د)

داغ - نواب مرزا خاں ۱۸۳۱ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے ۱۸۵۸ء کے بعد سے حیدرآباد میں بہ حیثیت استادِ نظام رہنے لگے۔ وہیں ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا۔ ذوق کے شاگرد تھے۔

درویش - میرٹھی - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

درد - سید خواجہ میر درد - وطن دہلی ۱۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۱۹۹ھ میں دہلی ہی میں رحلت فرمائی۔ اپنے والد خواجہ ناصر عندلیب کے شاگرد تھے۔

دل - شیخ محمد عابد - وطن عظیم آباد - اٹھارہویں صدی کے اواخر میں زندہ تھے۔

دل - منشی بینی پرشاد - تیرھویں صدی ہجری میں گذرے ہیں۔

دل - حکیم ضمیر حسن خاں - شاہجہاں پوری - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں - تلمیذ امیر مینائی۔

دلبر - امراؤ جان۔

دلبر - مارہروی - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

دماغ - منشی گنگا رام - وطن میران پور نندلہ، ضلع گیا (بہار) وفات تقریباً ۱۸۵۰ء۔

دیوانہ - رائے سرب سنگھ - اٹھارہویں صدی میں گذرے ہیں - میاں حسرت اور میر حیدر علی حیران وغیرہ کے استاد تھے۔

(ذ)

ذوق - محمد ابراہیم - وطن دہلی - ولادت ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ - وصال ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ شاہ نصیر کے شاگرد، اور بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔

(ر)

راج - راج بلدیو - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

راجہ - راجہ بہادر، وطن عظیم آباد - ۱۸۷۸ء میں بقیدِ حیات تھے۔

راز - مرادآبادی - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

راز - یزدانی رام پوری - دورِ حاضر کے شعراء میں ہیں۔

راسخ - سعادت علی خاں دہلوی شاگرد مومن۔

راسخ - شیخ غلام علی - وطن عظیم آباد - ولادت ۱۱۶۲ھ - پہلے مرزا محمد علی فدوی اور مرزا شرر سی

اصلاح لی۔ پھر یقین ہے کہ میر تقی میر سے بھی اصلاح لی۔ وفات ۱۲۳۸ھ

راقم ۔ لکھنوی ۔ عہد حاضر کے شاعر ہیں ۔

راقم ۔ بنارا بن ۔ ان کے متعلق میر حسن لکھتے ہیں " راقم تخلص ، از قوم کھتری ۔ بسیار سیت قدر و بلند فکر است ۔ از شاگردانِ سودا "

راہی ۔ معصوم رضا ۔ موجودہ دور کے شاعر ہیں ۔ عمر تقریباً بتیس برس ہوگی ۔

راہی ۔ احمد ۔ موجودہ دور کے شاعر ہیں ۔

رائے ۔ پریم ناتھ ۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں زندہ تھے

رحمتی ۔ کنور سکھراج بہادر ۔ وطن عظیم آباد ۔ ان کے دادا راجہ پیارے لال الفتی شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی چھوڑ کر عظیم آباد چلے آئے تھے ۔ رحمتی ۱۸۷۶ء میں بقیدِ حیات تھے ۔

رسا ۔ جالندھری ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

رسوا ۔ آفتاب جان ۔

رسوا ۔ آفتاب رائے ۔ دور متوسطین کے شعرا میں ہیں ۔

رسوا ۔ مرزا ہادی ۔ عہد حاضر کے شعرا میں ہیں ۔ مرزا اوج کے شاگرد تھے

رشک میر اوسط علی ، فیض آبادی ۔ تصویر کے عنوان میں ان کا تخلص غلطی سے " اشک " چھپ گیا ہے ۔ وصال ۱۲۸۴ھ میں ہوا ۔ ناسخ کے شاگرد تھے ۔

رشکی ۔ نواب محمد علی خاں ۔ وطن دہلی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

رضا ۔ ہمدانی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

رضا ۔ آل رضا نونتوی ۔ عہد حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

رضا ۔ قریشی گوالیاری ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

رضا ۔ سید محمد رضا نقوی ۔ وطن ضلع چھپرہ ۔ بہار ۔ عمر کوئی پینتیس سال ہوگی ۔ بہار سکریٹریٹ میں ملازم ہیں ۔

رعب ۔ حکیم محمد حنیف علی ۔ وطن شاہ آباد (بہار) ۔ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے ۔ ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا ۔ جلال لکھنوی کے شاگرد تھے ۔

رعنا ۔ بلقیس رعنا ۔

رنجور - شمس العلما محمد یوسف صاحب - وطن عظیم آباد - غالباً ۱۹۱۰ء کے بعد انتقال ہوا۔

رند - نواب سید محمد خاں - ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کو فیض آباد میں پیدا ہوئے - لکھنؤ میں قیام رہتا تھا۔ پہلے میر خلیق، بعدہٗ آتش کے شاگرد ہوئے -

رنگین - سعادت یار خاں - والد رومی الاصل تھے - ۱۱۷۰ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے - قیام دہلی میں رہا - جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی - شاہ حاتم کے شاگرد تھے -

رنگین - ہلاس رائے - تذکرہ میر حسن میں ان کا تذکرہ ہے -

رواں - جگت موہن لال - دور حاضر کے شاعر ہیں۔

روش - شاہد عزیز صدیقی - وطن جوالا پور ضلع سہارن پور - ولادت ۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء - آل انڈیا ریڈیو، دہلی میں ہیں -

روشن - روشن بی بی - حضرت مخدوم احمد عبدالحق بن حضرت تاج العارفین کی بیٹی تھیں -

ریاض - ریاض احمد - وطن خیر آباد - ولادت ۱۲۷۰ھ - ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء کو اکیاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا - امیر مینائی کے شاگرد تھے -

(ز)

زار - میر مظہر علی - میر و سودا کے ہمعصر ہیں -

زکی - نواب محمد زکریا خاں - دلی میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے - غالب کے شاگرد تھے -

زماں - محمد زماں الہ آبادی - دور حاضر کے شاعر ہیں -

زہرہ - امراؤ جان -

زیاری - سید وصی حیدر، بلگرامی - عمر تقریباً ساٹھ سال - آرہ گرس اسکول (بہار) میں معلم ہیں -

(س)

ساحر - پنڈت امرناتھ - وطن دلی - ۲۹ مارچ ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے - ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا -

ساحر - لدھیانوی - دور حاضر کے شاعر ہیں - آج کل بمبئی میں قیام ہے - فلموں کے لئے بھی لکھتے ہیں -

ساغر - صمد یار خاں نظامی - وطن قدیم باندہ - مولد علی گڑھ - ولادت ۱۹۰۵ء - آل انڈیا ریڈیو دہلی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں - سیماب کے شاگرد ہیں -

ساغر ۔ صدیقی ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

سالک ۔ عبدالمجید ۔ مغربی پاکستان میں قیام ہے ۔

سالک ۔ قربان علی بیگ ۔ وطن دہلی ۔ پہلے مومن پھر غالب سے اصلاح لی ۔ حیدرآباد میں سنہ ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا ۔

سائل ۔ نواب مرزا سراج الدین خاں ۔ ولادت سنہ ۱۸۶۸ء ۔ وفات ۱ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء ۔ داغ کے شاگرد تھے ۔ اُردو شعر ترنم سے پڑھنے کا رواج شائد انہی سے ہوا ہے ۔

سجّاد ۔ محمد سجّاد سنہ ۱۷۷۰ء میں بقیدِ حیات تھے ۔

سحر ۔ بھوپالی ۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں ۔

سحر ۔ رامپوری ۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں ۔

سحر ۔ کنور مہندر سنگھ بیدی ۔ دہلی میں کسی سرکاری عہدے پر فائز ہیں ۔ عمر تقریباً پینتیس سال ۔

سحر ۔ لکھنوی ۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں ۔

سراج ۔ سراج الدین وطن اورنگ آباد ۔ غالباً سنہ ۱۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ اور ۴ شوال سنہ ۱۱۷۷ھ (تقریباً سنہ ۱۷۶۷ء) میں انتقال ہوا ۔ میر نے نکات الشعرا میں ۔ اور میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی سے تلمذ تھا ۔ لیکن دکن میں کوئی شاعر اس نام کے نہیں گذرے ہیں ۔ اس لئے گمان ہے کہ کسی کی شاگردی نہیں کی ۔

سراج ۔ سراج الحسن وطن لکھنو ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

سرشار ۔ پنڈت رتن ناتھ ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں ۔ مولانا شبلی اور حالی کے ہمعصر تھے ۔

سرور ۔ آل احمد ۔ وطن بدایوں ۔ عمر تقریباً چالیس سال ۔ علی گڑھ میں شعبۂ اُردو میں ہیں ۔

سروش ۔ مرزا اختر حسین ۔ عظیم آباد کے رہنے والے ہیں ۔ ولادت سنہ ۱۹۱۲ء ۔ کسی اسکول میں ملازم ہیں ۔

سریر ۔ سید محمد عباس ، وطن کابر ضلع گیا (بہار) سنہ ولادت سنہ ۱۳۰۹ھ ۔ گیا کے کسی سکول میں معلم ہیں ۔

سلام ۔ مچھلی شہری ۔ ولادت جولائی سنہ ۱۹۲۳ء ۔ دہلی میں آل انڈیا ریڈیو میں کسی عہدے پر فائز ہیں ۔

سلیم ۔ سلیم احمد ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں ۔

سلیم ۔ سلیم داور ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں ۔

سلیمان ۔ نواب سلیمان شکوہ ۔ شاہ عالم ثانی کے تیسرے بیٹے تھے ۔ دہلی چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے ۔ پھر اکبر آباد

میں سکونت اختیار کی ۔ ۱۸۳۷ء میں انتقال ہوا ۔ شاہ حاتم، مصحفی اور انشا کو کلام دکھایا۔
سودا ۔ مرزا محمد رفیع ۔ وطن دہلی ۔ ولادت ۱۷۱۳ء ۔ وفات ۱۷۸۱ء شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔
سوز ۔ سید میر محمد ۔ زیادہ تر دہلی میں رہے ۔ آخر عمر میں لکھنؤ چلے آئے ۔ وفات ۱۲۱۳ھ ۔
سوز ۔ عبدالخالق ۔ وطن داناپور ضلع پٹنہ ۔ عمر تقریباً تیس سال ۔ اِس کتاب کی کتابت انہی نے کی ۔
سہیل ۔ اقبال احمد ۔ اعظم گڈھ میں وکالت کرتے تھے ۔ غالباً ۱۹۳۰ء کے بعد انتقال ہوا ۔
سید ۔ سید محمد ۔ مظفر پور (بہار) میں وکیل ہیں ۔ عمر تقریباً ساٹھ سال ہوگی ۔
سیف ۔ سیف الدین ۔ دور حاضر کے شاعر ہیں ۔ بقیدِ حیات ہیں ۔
سیماب ۔ شیخ عاشق حسین ۔ وطن اکبر آباد (آگرہ) ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے گئے اور وہیں ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا ۔

(ش)

شاد ۔ خان بہادر سید علی محمد ۔ وطن عظیم آباد ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے ۔ وصال ۱۹۲۷ء ۔ میر محمد لکھنوی اور حاجی محمد رضا شیرازی ان کے استاد تھے ۔ فریاد عظیم آبادی سے بھی تلمذ تھا ۔
شاد ۔ نریش کمار ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں ۔ اکثر دہلی میں قیام رہتا ہے ۔
شاد ۔ خان احمد علی ۔ عارفی ۔ ۱۹۰۳ء میں لوہارو میں پیدا ہوئے ۔ بقیدِ حیات ہیں ۔
شاد ۔ غلام فخر الدین ۔ وطن آرہ (بہار) ولادت ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء آرہ میں وکالت کرتے ہیں ۔
شاد ۔ شیخ محمد جان ۔
شاداب ۔ خوش وقت رائے ۔ وطن چاند پور، ندیہ ۔ ۱۸۷۰ء میں حیات تھے ۔
شاطر ۔ دین دیال ۔ وطن دہلی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔
شاعر ۔ میر کلو، خواجہ میر درد کے قرابت مندوں میں تھے ۔
شاعر ۔ آغا شاعر دہلوی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔
شاغل ۔ قادری ۔ دَور حاضر کے شاعروں میں ہیں ۔
شاکر ۔ پیارے لال، وطن میرٹھ ۔ محمد حسین آزاد اور حالی کے ہمعصر تھے ۔
شاکی ۔ بھوپالی ۔ دَور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔
شبلی ۔ محمد شبلی نام ۔ بعد کو نعمانی بڑھایا ۔ . . . . . ۔ مئی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے ۔ وطن

نبدول ضلع اعظم گڑھ - وفات ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء -

شررؔ - عبدالحلیم لکھنوی، مشہور ناول نویس۔ ولادت بمقام لکھنؤ ۱۸۶۰ء - ۹ سال کی عمر میں نانا کے ساتھ، جو مٹیا برج کلکتہ میں جلا وطن شاہ اودھ کیتھا تھے۔ کلکتہ گئے۔ ۱۸۷۷ء میں واپس لکھنؤ آگئے۔ وفات دسمبر ۱۹۲۲ء۔ حالی اور آزاد کے ہمعصر تھے۔

شرفؔ - میر سادات حسین خاں نام عرف آغا جو۔ واجد علی شاہ کے سمدھی تھے۔ غدر کے وقت مٹیا برج چلے گئے۔ اور وہیں واجد علی شاہ کے ساتھ رہتے تھے۔

شعریؔ - بھوپالی - دور حاضر کے شعرا میں ہیں۔

شفیعؔ - حافظ سیّد شاہ محمد شفیع فردوسی - وطن بہار شریف۔ عظیم آباد۔ ولادت ۱۲۹۶ھ۔ احقر بہاری کے شاگرد تھے۔

شفقؔ - حسن مرتضیٰ - وطن عماد پور ضلع گیا (بہار) ولادت ۱۲۷۹ھ۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے

شفوؔ - خورشید حسن - محلہ مرتضیٰ چک بھاگلپور کے رہنے والے ہیں۔ ولادت ۱۹۲۷ء۔ ریلوے میں ملازم ہیں۔

شکیلؔ - بدایونی۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں۔ بمبئی میں قیام ہے۔ فلم کے لئے بھی لکھتے ہیں

شمسؔ - پروفیسر حافظ شمس الدین - وطن منیر ضلع پٹنہ۔ پٹنہ کالج میں پروفیسر تھے۔ پنشن ہوگئی ہے۔ بقید حیات ہیں۔

شمسؔ - عظیم آبادی -

شمسؔ - شمس الضحیٰ - وطن سہسرام - عمر تقریباً پچپن سال - ڈالٹن گنج میں بسلسلۂ طبابت قیام ہے۔ نوحؔ کے شاگرد ہیں۔

شمسؔ - شمس الحسن - وطن فرخ آباد - ولادت تقریباً ۱۹۰۶ء -

شمسؔ - ابوالفضل - وطن لکھنؤ - ولادت تقریباً ۱۸۸۵ء -

شمسؔ - کلکتوی -

شوکتؔ - سیّد کاظم علی -

شوکتؔ - محمد عمر - وطن تھانہ - ولادت ۱۹۰۳ء - ریڈیو پاکستان میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

شوقؔ - حسن علی - سراج الدین خان آرزوؔ کے شاگردوں میں تھے۔

شوقؔ - ظہیر احسن وطن نیمی (ضلع پٹنہ) ولادت ۱۲۷۸ھ - وفات کو کچھ عرصہ ہوا -

شوقؔ - جگ موہن ناتھ رینہ - دور حاضر کے شعرا میں ہیں - بقید حیات ہیں -

شوقؔ - شیخ احمد علی قدوائی - وطن جوگوڑ ضلع بارہ بنکی - ولادت ۱۸۵۳ء - اسیرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔

شہاب ۔ شہاب الدین رحمت اللہ ۔ وطن آرہ (بہار) تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے، آج کل راج شاہی مشرقی پاکستان کے کمشنر ہیں۔

شہرت۔۔۔ بخاری ۔ دور حاضر کے شاعر ہیں۔

شہزاد ۔ شہزاد احمد۔ دور حاضر کے شاعر ہیں۔

شہیدی ۔ کرامت علی خاں ۔ وطن اناؤ ۔ وفات ۱۸۴۰ء مصحفی کے شاگرد تھے۔

شیدا ۔ مسیح الزماں حکیم اجمل خاں ۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ وصال ہوا ہے۔

شیدا ۔ تراب علی۔

شیدا ۔ میر فتح علی ۔ وطن مئو شمس آباد ۔ ۱۷۸۰ء میں زندہ تھے۔

شیریں ۔ نواب شاہجہاں بیگم ۔ والیہ بھوپال ۔

شیفتہ ۔ نواب مصطفٰے خاں ۔ ولادت دلی میں ۱۲۲۱ھ میں ہوئی ۔ وفات ۱۲۸۶ھ ۔ غالب کے شاگرد تھے۔

(ص)

صابر ۔ مرزا قادر بخش ۔

صاحب ۔ امتہ الفاطمہ ، عرف صاحب جی ۔ بقول صاحب گلشن بے خار ۔ یہی مومن کی محبوبہ تھیں ۔

صبا ۔ میر وزیر علی ۔ وطن لکھنو ۔ وفات ۱۲۷۱ھ آتش کے شاگرد تھے۔

صبا ۔ لالہ کانجی مل ۔

صبر ۔ بدرالدین رضوی ۔ وطن مخدوم پور ۔ ضلع گیا (بہار) ولادت ۱۹۰۵ء ۔ سریر کابری کے شاگرد ہیں۔

صدق ۔ جائسی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

صفدر ۔ صفدر علی ۔ وطن مرزا پور ۔ عرصہ تک لکھنو میں رہے ۔ وفات ۱۹۳۰ء ۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے ۔ بعدہٗ جلیل اور ریاض سے بھی اصلاح لی۔

صفی ۔ سید علی نقی ۔ وطن لکھنو ۔ ولادت ۱۸۵۰ء ۔ انتقال کو کچھ عرصہ ہوا۔

صفیر ۔ میاں جان دہلوی ۔ مومن کے شاگرد تھے۔

صفیر ۔ سید فرزند احمد ۔ وطن بلگرام ۔ بعد میں ضلع شاہ آباد میں سکونت اختیار کر لی ۔ ولادت ۱۲۴۹ھ انتقال کو کچھ عرصہ ہوا۔ سحر لکھنوی اور مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔ آخر میں قدر بلگرامی اور غالب سے بھی اصلاح لی۔

صغیر ۔ احمد جان۔
صہبا ۔ قاسم ۔ وطن شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) عمر تقریباً ۳۳ سال ۔

(ض)

ضیا ۔ ضیاء الدین۔ سودا کے ہمعصر تھے ۔ عظیم آباد میں انتقال ہوا۔
ضیا ۔ ضیاء الحق ۔

(ط)

طالب ۔ وطن باغپت (یو۔پی) دور حاضر کے شعرا میں ہیں۔
طاہر ۔ جعفر۔ دورِ جدید کے شعرا میں ہیں۔

(ظ)

ظفر ۔ سلطان بہادر شاہ سراج الدین۔ آخری شہنشاہ دہلی۔ ولادت ۱۷۷۵ء ۔ وصال بقید فرنگ بمقام رنگون ۱۸۶۲ء۔ ذوق کے شاگرد تھے۔ اس سے پہلے شاہ نصیر سے مشورہ لیتے تھے۔
ظفر ۔ احمد ۔ دور جدید کے شاعر ہیں۔
ظفر ۔ تاباں ۔ دور جدید کے شاعر ہیں۔
ظفر ۔ یوسف ۔ دور جدید کے شعرا میں ہیں۔
ظفر ۔ مولانا ظفر علی خاں ۔ وطن کرم آباد پنجاب ۔کچھ عرصہ ہوا وصال ہوا۔
ظہیر ۔ سید ظہیر الدین ۔ وطن دہلی۔ ذوق کے شاگرد تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا۔
ظہیر ۔ غلام دستگیر۔ وطن کشمیر۔ ولادت ۱۹۲۰ء

(ع)

عابد ۔ سید عابد علی ۔ وطن لاہور ۔ ولادت ۱۹۰۶ء ۔ دیال سنگھ کالج لاہور میں پرنسپل ہیں۔
عاجز ۔ عارف الدین ۔ وصال ۱۷۶۶ء ۔
عاجز ۔ کلیم الدین ۔ وطن تلہاڑہ (ضلع پٹنہ) ولادت ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۴ء ۔ پٹنہ میں تجارت کرتے ہیں
عارف ۔ حکیم نواب جان۔
عاشق ۔ ٹونکی ۔ دور حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

عاقل۔ رائے سکھ رام۔ وطن پنجاب۔ غالباً ۱۷۸۰ء کے قبل انتقال کر چکے تھے۔

عالم ۔ نواب بادشاہ محل۔ واجد علی شاہ کی بیگم تھیں۔

عباس۔ سہارن پوری۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

عبرت۔ گورکھپوری۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

عثمان ۔ اعلیٰ حضرت نظام الملک نواب میر عثمان علی خان بہادر حیدر آباد۔ ولادت ۱۳۰۳ھ۔

عدم ۔ عبد الحمید۔ ولادت ۱۹۰۹ء۔

عرش۔ پنڈت بال مکند ملسیانی۔ دہلی میں مقیم ہیں۔ رسالہ "آجکل" کے اڈیٹر ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال۔

عزلت۔ میر عبد الوالی (میر حسن نے ان کا نام عبد الواسع لکھا ہے) ۱۱۶۴ھ میں دہلی آئے۔ وصال ۱۱۸۹ھ

عزیز۔ مرزا محمد ہادی وطن لکھنو ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ وفات ۱۹۳۵ء

عزیز۔ عظیم آبادی۔

عزیز۔ حامد بدایونی۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

عسکری۔ مرزا۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں۔

عشق ۔ رکن الدین۔ عرف شاہ گھسیٹا۔ مولد شاہجہاں آباد۔ وطن عظیم آباد۔ میر حسن کے معصر تھے۔

عطا ۔ شاہ عطا کریم۔ وطن بہار شریف۔ ضلع پٹنہ۔ ولادت ۱۸۶۶ء۔ وفات ۱۴ جون ۱۹۳۲ء

عطا ۔ سید شاہ عطاء الرحمٰن وطن کاکو ضلع گیا (بہار) پٹنہ میں شعبۂ تعلیم حکومت بہار کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال۔

عظیم۔ ڈاکٹر عظیم الدین احمد۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ وطن عظیم آباد۔ پٹنہ کالج میں شعبہ عربی اور فارسی کے صدر رہے۔ کچھ عرصہ ہوا وصال ہوا ہے۔

عظیم۔ مرتضیٰ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔

علی۔ میر علی۔ وطن شاہجہاں آباد۔ ۱۷۸۰ء میں بقیدِ حیات تھے۔

علی ۔ غلام احمد۔ نوجوان شاعر ہیں۔

عنایت۔ عنایت الرحمٰن۔ وطن موتی ہاری۔ ضلع چمپارن (بہار) ولادت یکم دسمبر ۱۹۱۴ء۔ بہار لیجسلیٹو اسمبلی کے ڈپٹی سکریٹری ہیں۔

عندلیب۔ شادانی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو اور فارسی کے صدر ہیں۔ عمر باون سال۔

عیش ۔ حکیم آغا جان ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں

(غ)

غالب ۔ مرزا اسد اللہ خاں دہلوی ۲۷ دسمبر ۱۷۹۵ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے ۔ بعدہٗ وہاں سے دلی چلے آئے تھے ۔ وہیں ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا۔

غافل ۔ وطن لکھنؤ ۔

غربت ۔ میر نقی ۔

(ف)

فارغ ۔ بخاری ۔ دورِ حاضر کے شعرا میں ہیں ۔

فاضل ۔ حکیم منے آغا ۔ وطن لکھنؤ ۔ تقریباً ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے ۔

فانی ۔ شوکت علی خاں ۔ بدایونی ۔ ولادت ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء ۔ ۱۹۲۳ء کے بعد حیدرآباد چلے گئے ۔ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو وفات پائی ۔

فخرو ۔ مرزا محمد سلطان نام ۔ عرف مرزا فخرو ۔ وطن دہلی ۔ وفات ۱۸۵۶ء ۔ ذوق کے شاگرد تھے ۔

فدوی ۔ مرزا محمد علی ۔ وطن عظیم آباد ۔ شاگرد حضرت رکن الدین عشق ۔ میر حسن کے ہمعصر تھے ۔

فدوی ۔ مرزا پھچو ۔

فراق ۔ رگھوپتی سہائے ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے ۔ الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ہیں ۔

فرد ۔ شاہ ابوالحسن ، وطن پھلواری ضلع پٹنہ ۔ وصال تقریباً ۱۸۴۷ء میں ہوا ۔

فریاد ۔ شاہ الفت حسین ۔ وطن عظیم آباد ۔ کہا جاتا ہے کہ شاد عظیم آبادی ان سے اصلاح لیتے تھے ۔ تقریباً ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا ۔

فضلی ۔ فضل احمد کریم ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں ۔ پاکستان میں قیام ہے ۔

فغاں ۔ اشرف علی خاں ۔ وطن دہلی ۔ ولادت تقریباً ۱۱۴۱ھ ۔ آخر عمر میں عظیم آباد چلے گئے تھے ۔ وہیں ۱۱۸۶ھ (تقریباً ۱۷۶۸ء) میں انتقال کیا ۔ علی قلی ندیم کے شاگرد تھے ۔

فقیر ۔ میر شمس الدین ۔

فنا ۔ لکھنوی ۔

فیض - فیض احمد۔ سیالکوٹ میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ پاکستان ٹائمز کے مدیر تھے۔

(ق)

قائل - دھلوی۔
قائم - شیخ محمد قیام الدین۔ وطن چاندپور ضلع بجنور۔ تقریباً ۱۷۹۲ء میں رامپور میں وفات پائی۔ خواجہ میر درد اور پھر سودا کے شاگرد رہے۔
قتیل - شفائی۔ دور جدید کے شاعروں میں ہیں۔ بقید حیات ہیں۔
قربان - میر جیون۔
قدیر - قدیر احمد۔ وطن لکھنؤ۔ تقریباً ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔
قلق - حکیم مولابخش۔ وطن میرٹھ۔ مومن کے شاگرد تھے۔
قلق - خواجہ ارشد علی خاں، عرف خواجہ اسد اللہ۔ ملقب بہ افتاب الدولہ۔ خواجہ وزیر کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ خود کو واجد علی شاہ کا بھی شاگرد کہتے تھے۔
قمر - بدایونی۔ دور جدید کے شاعروں میں ہیں۔
قمر - صدیقی۔ متوطن کلکتہ۔ کئی سال ہوئے۔ جوان انتقال کیا۔
قنبر - قنبر رضوی۔ موجودہ دور کے شاعروں ہی سے ہیں۔
قیس - سید محمد تقی۔ وطن شیخپورہ، ضلع مونگیر (بہار) ولادت ۱۹۰۴ء۔ آرزو لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ مونگیر میں مختار کاری کرتے ہیں۔
قیصر - مرزا خدابخش۔ شاہ عالم کے نواسہ اور مومن کے شاگرد تھے۔
قیمتی - کنور سکھراج بہادر عظیم آبادی۔
قیوم - عبدالقیوم بٹ، نظر۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں لکچرار ہیں۔

(ک)

کاشی - کاشی ناتھ بٹالوی۔
کاظم - کاظم علی۔ وطن منڈاور ضلع بجنور۔ مومن کے شاگرد ہیں۔
کشتہ - اودھ کشور پرشاد، وطن گیا۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ گیا میں وکالت کرتے تھے۔

کریم ۔ احمد کریم پھپروی۔
کلیم ۔ میر محمد حسین۔ وطن دلی۔ میر تقی میر کے رشتہ دار تھے۔
کلیم ۔ احسن۔
کھنچن ۔
کیفی ۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ۔ وطن دہلی۔ پیدائش ۱۲ دسمبر ۱۸۶۶ء۔ حال ہی انتقال ہوا۔
کیفی ۔ اعظمی۔

(گ)

گستاخ ۔ کرامت اللہ خاں رامپوری۔
گوپال متل۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔ رسالہ تحریک کے ایڈیٹر ہیں۔
گلزار ۔ پنڈت آنند موہن زتشی۔ وطن دہلی کشمیری برہمن ہیں۔ عمر تقریباً تیس سال
گوہر ۔ ایشوری لال۔ وطن گورکھپور۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔
گوہر ۔ گمبر پرشاد۔ وطن دھلی۔ دورِ حاضر کے شاعروں میں ہیں۔

(م)

ماجد ۔
ماہر ۔ القادری۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔ لاہور میں رہتے ہیں۔
مانی ۔ جائسی۔ **مانوس** ۔ وطن سہسرام۔ عمر تقریباً پچاس سال۔ بقیدِ حیات ہیں۔
مائل ۔ مرزا محمد یار بیگ۔
مائل ۔ محمد تقی بیگ۔
مبارک ۔ ڈاکٹر مبارک حسین عظیم آبادی۔ داغ کے شاگرد ہیں۔ بقیدِ حیات ہیں۔ عمر تقریباً نوے سال۔
مجاز اسرار الحق۔ ردولی (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔
مجذوب ۔ مرزا غلام حیدر۔
مجروح ۔ میر مہدی علی۔ وطن دلی۔ ولادت ۱۸۳۲ء۔ وفات ۱۹۰۲ء۔ بمقام دلی۔ غالب کے شاگرد تھے۔

مروح۔ سلطان پوری۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔ بمبئی میں قیام ہے۔ فلموں کے لئے بھی لکھتے ہیں۔
مجنوں۔ ڈاکٹر سید محمد عظیم آبادی۔
مجید۔ امجد۔ ۱۹۱۴ء میں جھنگ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔
محب۔ شیخ ولی اللہ۔ وطن دہلی۔ سودا کے شاگرد تھے۔
محروم۔ تلوک چند عیسیٰ خیل، میانوالی میں ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔
تقسیم ہند کے بعد دلی چلے آئے۔ [redacted]۔
محسن۔ محمد محسن۔ وطن کاکوری ضلع لکھنؤ۔ ولادت ۱۸۲۶ء۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں بمقام مین پوری
وفات پائی۔ امیر لکھنوی کے شاگرد تھے۔
محشر۔ سید کاظم حسین۔ وطن لکھنؤ۔ ولادت تقریباً ۱۸۶۵ء
مختار۔ مختار الحق صدیقی۔ یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ریڈیو پاکستان میں ملازم ہیں۔
مخلص۔ آنند رام۔
مخمور۔ شیخ فضل الٰہی۔ وطن دہلی۔ فروری ۱۹۵۶ء میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔
مخمور۔ حکیم۔
مسلم۔ محمد مسلم۔ وطن صادق پور عظیم آباد۔ ولادت تقریباً ۱۸۹۰ء۔ شاد عظیم آبادی کے
شاگرد ہیں۔ سینٹ کالمباز کالج میں اردو کے پروفیسر تھے۔ ۱۹۵۵ء میں ریٹائر کیا۔
آج کل ساکو ضلع گیا میں قیام ہے۔
محسن۔ ڈاکٹر محمد محسن۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ حکومت بہار میں ایک سائکولوجی کی ریسرچ کے ادارے کے ڈائرکٹر ہیں۔ عمر تقریباً ۴۵ سال۔
مشتری۔ قمر جان۔ لکھنوی۔
مصحفی۔ غلام ہمدانی۔ ولادت تقریباً ۱۱۶۱ھ۔ تقریباً بارہ سال دلی میں رہے۔ وفات ۱۲۴۰ھ
میں لکھنؤ میں ہوئی۔
مضطر۔ قاری عبدالمجید۔ وطن مظفر پور۔ کوئی ۸۰ سال کی عمر میں جولائی ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔ آرزو لکھنوی کے شاگرد تھے۔
مضطر۔ افتخار حسین۔ وطن خیر آباد۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔
مضمون۔ شیخ شرف الدین۔ وطن قصبہ جھا جھوکہ۔ متصل اکبر آباد۔ خان آرزو کے شاگرد تھے۔
مرزا مظہر جانجاناں اور غلام مصطفیٰ یکرنگ کے ہمعصر تھے۔

مظہر ۔ شمس الدین عرف جانِ جاناں مقام اور سنہ پیدائش کے متعلق اختلاف ہے۔ بقول مولانا آزاد ۱۹۱۲ء میں بمقام کالا باغ (صوبہ مالوہ) پیدا ہوئے۔ دیگر مورخوں کا خیال ہے کہ ۱۱۱۱ھ مطابق ۱۶۹۸ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ ۹ محرم ۱۷۸۰ء کو دلی میں قتل ہوئے۔

منظہر ۔ مرزا شمس اللہ۔

معروف ۔ نواب الٰہی بخش خاں۔ وطن دہلی۔ ذوق کے شاگرد تھے۔

مقصود ۔ مقصود عالم۔ وطن گیا مختار رہتے۔ چار پانچ سال ہوئے تقریباً چالیس سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

مُلّا ۔ آنند نرائن۔ لکھنؤ میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد ہائیکورٹ کے جج [redacted]

ملک ۔ جمیل۔ دورِ حاضر کے شاعروں میں ہیں۔

ممتاز ۔ فضل علی۔

ممنون ۔ میر نظام الدین۔ وطن سونی پت۔ پیدائش دلی میں ہوئی۔ وفات تقریباً ۱۸۴۴ء۔ اپنے والد میر قمرالدین منت سے اصلاح لیتے تھے۔

منشی ۔ عجائب رام۔

منظر ۔ جعفر حسین۔ وطن لکھنؤ۔ تقریباً ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔

موزوں ۔ راجہ رام نرائن۔ عظیم آبادی۔

مومن ۔ حکیم مومن خاں ۱۸۰۰ء۔ محلہ کوچہ چیلان دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۱ء میں کوٹھے سے گر کر مرے۔

مہر ۔ سورج نرائن۔

مہر ۔ مرزا حاتم علی بیگ۔ وطن لکھنؤ ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں بمقام ابٹہ انتقال ہوا۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔

مہدی ۔ سید مہدی حسن۔ وطن شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار)۔ ولادت ۱۹۱۹ء۔ اسکول میں ملازم ہیں۔

میر ۔ میر محمد تقی ۱۱۳۵ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۵۱ھ تک دلی میں رہے۔ تقریباً ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ گئے۔ ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ کو شام کے وقت وفات پائی۔

منیر ۔ سید اسمٰعیل حسن، وطن شکوہ آباد ضلع مین پوری، کسی قتل کے مقدمے میں ماخوذ ہو کر کالا پانی

کی سزا ہوئی تھی۔ ۱۸۶۰ء میں رہا ہوئے۔ ۱۸۸۱ء میں بمقام رامپور انتقال ہوا۔ ناسخ کے شاگرد تھے

میر - ید اللہ۔
میکش - حیدر آبادی۔

(ن)

ناجی - میر محمد، شاکر۔ وطن شاہ جہاں آباد۔ مرزا مظہر جانجاناں اور غلام مصطفیٰ یکرنگ کے معصر تھے۔
ناز - نورجہاں۔
نازش محمد مبین وطن بدایوں ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔
ناسخ - شیخ امام بخش۔ آبائی وطن لاہور۔ فیض آباد میں تقریباً ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قیام لکھنو میں رہا۔ وفات ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔
ناصر - کاظمی۔
ناصری - پروفیسر تھے۔ اور پیارے صاحب رشید کے شاگرد تھے۔
ناطق - ابوالحسن۔ وطن قصبہ گلاؤٹھی ضلع میرٹھ۔ غالباً ۱۱ نومبر ۱۸۸۶ء کو شہر کامٹی میں جو ناگپور سے قریب ہے پیدا ہوئے۔ داغ سے اصلاح لی۔
ناطق - حکیم سید احمد۔ وطن لکھنؤ۔ ولادت ۱۸۷۸ء۔
ناظم - نواب یوسف علی خاں۔ والیِ رامپور۔ حکیم مومن، مرزا غالب، مظفر علی اسیر سے اصلاح لی۔
نجم - ابراہیم ندوی۔ وطن کسمر۔ ضلع چھپرہ۔ انتقال ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں ہوا۔
نجم - آفندی۔ وطن اکبر آباد۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں۔
نخشب - جارچوی۔ موجودہ دور کے شاعر ہیں۔ فلموں کے لئے بھی لکھتے ہیں۔
ندیم - احمد شاہ قاسمی ۱۹۱۵ء میں انگہ (سرگودھا) میں پیدا ہوئے "امروز" لاہور کے مدیر ہیں۔
نسیم پنڈت دیا شنکر کول۔ وطن دہلی۔ ولادت ۱۲۲۷ھ۔ وفات ۱۸۶۰ء خواجہ آتش کے شاگرد تھے۔
نسیم - سید شبیر حسن۔ وطن بھرت پور۔ ولادت ۱۲۷۸ھ۔ سید محمد سونی پتی سے اور پھر داغ سے اصلاح لی۔ وفات ۱۹۱۰ء۔

نسیم - قریشی۔

نسیم - نواب اصغر علی خاں وطن دہلی۔ ولادت ۱۲۱۲ھ وفات ۱۸۶۵ء مومن کے شاگرد تھے۔

نسیم - نسیم اختر مخموری وطن دہلی۔ مخمور دہلوی مرحوم کی صاحب زادی ہیں۔ عمر تقریباً ۱۸ سال۔

نصیر - شاہ نصیر الدین عرف میاں کلو۔ وطن دہلی سنہ ۱۸۴۰ء میں حیدرآباد میں انتقال ہوا۔ شاہ محمدی مائل کے شاگرد تھے۔

نصیر - غلام نصیر الدین۔

نظم - سید علی حیدر طباطبائی۔ ۱۶ محرم ۱۲۶۹ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مٹیا برج میں شہزادوں کے معلم تھے۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد نظام کالج حیدرآباد دکن کے پروفیسر اور شہزادوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء کو انتقال ہوا۔

نظام - میاں نظام شاہ۔ وطن رام پور۔ تقریباً ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۲ء میں انتقال ہوا۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد تھے۔

نظر - ظہور۔ دور جدید کے شاعر ہیں۔

نظیر - سید ولی محمد۔ وطن اکبرآباد۔ ولادت ۱۷۳۵ء بمقام دہلی۔ وفات ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ

نقش - مہندر چندر۔ وطن غالباً دہلی۔ عہد حاضر کے شاعر ہیں۔

نگاہ - زہرہ (ان کا تخلص غلطی سے کہیں "نگار" چھپ گیا ہے) دور جدید کی شاعرہ ہیں عمر تقریباً بائیس سال۔

نواب - نواب غازی الدین خاں عماد الملک۔

نوح - وطن نارہ۔ ضلع اکبرآباد۔ ۱۸ ستمبر ۱۸۷۹ء کو بھوانی پور ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے امیر مینائی، جلال لکھنوی اور داغ سے اصلاح لی۔ بقید حیات ہیں۔

نہال - سیوہاروی۔ دور جدید کے شاعر ہیں۔

نیاز - نیاز محمد خاں۔ وطن فتح پور۔ لکھنؤ میں قیام ہے۔ رسالہ "نگار" کے ایڈیٹر ہیں۔ غالباً ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔

(و)

وارث - الہ آبادی۔ دور جدید کے شاعر ہیں۔

واصف ۔ بنارسی ۔ دورِ جدید کے شاعروں میں ہیں ۔

واقف ۔ شاہ واقف ۔ دورِ متاخرین کے شاعروں میں ہیں ۔

وامق ۔ جون پوری ۔ دورِ جدید کے شاعروں میں ہیں ۔

وجد ۔ سکندر علی ۔ دورِ جدید کے شاعر ہیں ۔

وحشت ۔ رضا علی ۔ وطن کلکتہ ۔ ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے ۔ اسلامیہ کالج میں اُردو کے پروفیسر تھے ۔ انتقال حال ہی میں ہوا ہے ۔

وحشی ۔ شاہجہاں پوری ۔

وحشی ۔ نتھونی لال ، دھمن ۔ وطن مظفرپور ۔ بقیدِ حیات ہیں ۔

وحید ۔ الہ آبادی ۔

وزیر ۔ خواجہ محمد وزیر ، وطن لکھنؤ ۔ ولادت ۱۲۱۰ھ ۔ وفات ۱۸۵۴ء ۔ تلمیذ ناسخ ۔

وفا ۔ مہیلہ رام

وفا ۔ لالہ نول رائے ۔

وفا ۔ عباس علی رضوی ۔ وطن مالک پور ضلع دربھنگہ (بہار) نجم آفندی کے شاگرد ہیں ۔ پورنیہ (بہار) میں اسکول میں معلم ہیں ۔

ولی ۔ شاہ ولی الرحمن ۔ وطن کاکو ضلع گیا ۔ (بہار) ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں ۔

ولی ۔ ولی اللہ نام ۔ شمس الدین لقب (نام کے متعلق اختلاف ہے ، بعض لوگ شمس الدین بتاتے ہیں ۔ اور بعض لوگ ولی اللہ ۔ ولادت ۱۶۶۸ء ۔ وفات ۱۷۴۴ء یا ۱۷۰۷ء ۔ مقام پیدائش کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے ۔ غالباً اورنگ آباد میں پیدا ہوئے ۔

ویراں ۔

(ہ)

ہادی ۔ سید محمد ہادی ۔ وطن مچھلی شہر ۔ دورِ حاضر کے شاعر ہیں ۔

ہجر ۔ نواب ناظم علی خاں ۔

ہدایت ۔ ہدایت اللہ خاں ۔ وطن دہلی ۔ وفات ۱۷۹۶ء ۔ خواجہ میر درد کے مرید اور شاگرد تھے ۔

ہوس - نواب مرزا محمد تقی خاں - فیض آباد کے رہنے والے تھے - لیکن لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی - مصحفی کے شاگرد تھے -

ہوش - ارتضیٰ حسین - وطن عظیم آباد - عمر کوئی چھتیس سال ہوگی - حکومت بہار کے شعبۂ نشر و اشاعت میں ملازم ہیں -

ہوشیار - میرٹھی - موجودہ دور کے شاعر ہیں -

(ی)

یاس - انور علی - وطن آرہ (بہار) - تقریباً ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے - ۱۸۴۸ء میں وفات پائی - راسخ عظیم آبادی کے شاگرد تھے -

یاس - شاہ محمد الیاس - وطن بہار شریف (پٹنہ) تقریباً ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے - ۱۹۴۷ء میں بقیدِ حیات تھے -

یاس - خیر الدین، وطن دہلی - مومن کے شاگرد تھے -

یکرنگ - غلام مصطفیٰ خاں - وطن دہلی - بعض لوگ ان کو شاہ آبرو - اور بعض خان آرزو کا شاگرد بتاتے ہیں - لیکن خود ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مظہر جانجاناں کے شاگرد تھے -

یگانہ - واجد حسین چنگیزی - یاس بھی تخلص کرتے تھے - عظیم آباد میں ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے -

یقین - انعام اللہ خاں - حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خاندان سے تھے - ۱۱۳۹ھ میں شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے - تقریباً ۱۷۵۳ء میں تیس سال کی عمر میں قتل ہوئے - مرزا جانجاناں کے شاگرد تھے -

یوسف ظفر - شیخ محمد یوسف - مری میں یکم دسمبر ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے - ریڈیو پاکستان میں ہیں -

---

سید بہار الدین احمد - مؤلف کتاب - ولادت ۱۹۱۱ء - وطن پہلے بیا نواں ضلع گیا (بہار) تھا - اب محلہ دریا پور پٹنہ ہے - حکومت بہار میں اسسٹنٹ سشن جج کے عہدہ پر مامور ہے -

[illegible]